سلسلہ تصنیفات مسلم بک سوسائٹی نمبر ۱۲

# سلکِ مروارید

یعنی

وہ معرکۃ الآراء لیکچر و تقریریں جو حضرت خواجہ **کمال الدین** صاحب
مبلغِ اسلام
و امام مسجد ووکنگ انگلستان نے بمقام الہ آباد کیمبرج پیرس (فرانس) اڈنبرا
(لندن) لیڈن دہلی - مدراس - کلکتہ - رنگون - سنگاپور میں
مذہبی معرکوں کی تقریب پر سنہ ۱۹۰۸ء سے لے کر سنہ ۱۹۲۰ء تک فرمائیں

مُرتّبہٗ

خواجہ **عبد الغنی** مترجم و مینیجر اسلامک ریویو مجریہ ووکنگ انگلستان

جس کو

**مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور نے**

ستمبر سنہ ۱۹۲۱ء میں شائع کیا

مطبوعہ کریمی پریس لاہور

بار اول — تعداد جلد ایکہزار

باہتمام میر امیر بخش منیجر چھپا۔

# بلاد غربیہ میں اسلام کا مشعلبردار

## اسلامک ریویو مجریہ انگلستان قیمت سالانہ عہ

اس کا اردو ترجمہ

(قیمت سالانہ للعہ)

# اشاعت اسلام

(قیمت سالانہ للعہ)

ایڈیٹر۔ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری

مسلم پبلک میں اسلامک ریویو کسی معرف کرانے کا محتاج نہیں صرف برادران اسلام کو یہ اطلاع دینا چاہتے ہیں کہ اس وقت اسی کے منافع پر انگلستان میں اسلامی مشن کے اخراجات بہت حد تک چل رہے ہیں اس کا ہر ایک خریدار اب گویا بلاد غربیہ میں اسلام کا خود متکفل ہو جاتا ہے اگر برادران ملت کوشش کر کے انگریزی رسالہ کے پانچہزار اور اردو کے دس ہزار خریدار پیدا کر دیں تو ان کا منافع ہمارے ووکنگ اسلامی مشن کا کفیل ہو سکتا ہے ہم چاہتے ہیں کہ انگریزی رسالہ کئی ہزار تک بلاد غربیہ میں مفت تقسیم ہو۔ اگر کوئی تبلیغ اسلام کا شیدائی ہمیں پانچ روپے سالانہ بھیجدے تو ہم انکی جگہ ایک انگریزی رسالہ یورپ میں مفت تقسیم کر دیں گے

کیا ملت بیضا کی اشاعت کے عاشق چند ہزار بھی ہندوستان میں نہیں؟

دوستو اٹھو جاگو!! وقت کو غنیمت سمجھو!!! اسلامک ریویو ایک کامیاب ذریعہ اشاعت اسلام کا ثابت ہوا ہے۔ اور بفضلہ تعالے اس نے اپنی عزت کو یورپ میں نہایت آب و تاب سے قائم کیا ہے اسکو مضبوط کرنے کی کوشش کرو۔ اور اللہ تعالی اسکا اجر جزیل پاؤ۔ والسلام

المشتہر خواجہ عبد الغنی مینیجر رسالہ اسلامک ریویو و اشاعت اسلام عزیز منزل لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

# اسلام

یہ اُس انگریزی لیکچر کا اُردو ترجمہ ہے

جو

عالیجناب حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری

نے

مورخہ ۹ جنوری ۱۹۱۱ء بتقریب جلسہ مذاہب منعقدہ الٰہ آباد میں دیا مترجم

---

**اسلام** یعنی کامل فرمانبرداری جس سے مُراد یہ ہے۔ کہ ہم اپنے طریق وعمل زندگی میں خالص آلہی حکومت کے ماتحت آجائیں۔ اور اپنے خیالات میلانِ طبع اور تحاکموں کو چھوڑ کر ان قوانین کی کامل اطاعت کریں جو خدا تعالےٰ کی طرف سے انسان پر الہام ہوئے ایک ایسا مذہب ہے۔ کہ جس کا اطلاق ہر ایسے

مذہب پر ہو سکتا ہے ۔ جو مقدس معلمین نے مختلف زمانوں اور ملکوں میں خدا تعالےٰ سے الہام پا کر تعلیم کیا چنانچہ اِس امر میں قرآن کریم فرماتا ہے :۔

قولوا اٰمنّا باللّٰہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من رّبھم لا نفرق بین احدٍ منھم ونحن لہٗ مسلمون پ۱ ع۱۶

ترجمہ ۔ کہو ہم ایمان لائے خُدا پر اور اُس چیز پر جو ہم پر نازل ہوئی ۔ اور ایسا ہی جو ابراہیم اسمٰعیل اسحاق اور ان کی اولاد پر نازل ہوئی ۔ اور ایسا ہی ہم ان کو بھی مانتے ہیں جو موسیٰ عیسےٰ اور دُنیا کے تمام نبیوں کو دیا گیا ۔ ہم ان سب انبیاء کو قبول کرتے ہیں اور ان میں کوئی فرق اور تمیز نہیں کرتے +

قرآن مجید کے نازل ہونے سے پہلے جہاں ہر ایک قوم اپنے اپنے مذہب کو ربانی چشمہ سے نکلا ہوا مانتی تھی وہاں انھوں نے دوسرے مذاہب کو یہ عزت دینے سے اِنکار کیا ۔ جس سے لوگوں میں نخوت تکبّر اور حقارت کے خیالات پیدا ہو گئے ۔ اور خدا تعالےٰ کے کنبہ میں سخت اختلاف اور عداوت بڑھی ۔ کسی

شخص نے بھی ایک لمحہ بھر کے لئے ان ربانی اخلاق پر غور نہ کیا۔ جن کا مشاہدہ ہم روزانہ اس کی قدرت کے کارخانہ میں دیکھتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ جس نے جسمانی پرورش کے اسباب بہم پہنچانے میں کل نسل انسان پر یکساں مہربانی کی ممکن نہ تھا۔ کہ وہ ان انعام کے عطا فرمانے میں کسی قوم کی طرفداری یا رعایت کرتا جن پر ہماری روحانی ترقی حصر رکھتی تھی۔ کیا اُس کا سُورج اس کا چاند اس کے ستارے اور اس کا کل کا کل نظام شمسی کل بنی نوع کا یکساں طور پر خادم نہیں؟ اگر نسل انسانی کی کوئی شاخ پانی زمین ہوا اور ایسا ہی دیگر مظاہر قدرت کے فوائد سے محروم نہیں کی گئی۔ تو کیوں خدا تعالیٰ کی غیر طرفدارانہ اور عامہ ربوبیت پر معاملات الہام میں ایمان نہیں لایا جاتا۔ حالانکہ الہام ہی انسانی قویٰ کی نشوونما کے لئے ضروری اور ازبس مفید ہے۔ دراصل دنیا نے ربوبیت الٰہی کا ایک غلط مفہوم قائم کر رکھا تھا۔ اور انسانی اخوت عامہ کے قیام کے خلاف یہ ایک خطرناک غلطی تھی جس میں قوموں کی قومیں صدیوں تک پڑی رہیں۔ حتّے کہ خدا کا آخری کلام نازل ہوا۔ جس

نے پہلے ہی فقرہ میں اس غلط اور طرفدارانہ مفہوم ربوبیت کا بطلان کیا۔ قرآن کریم ذیل کے الفاظ سے شروع ہوا۔

الحمد للہ رب العالمین

تمام حمد و ستائش اُسی ذات کے لئے ہے جو ہندوستان یا عرب یا ایران یا شام کا ہی رب نہیں۔ بلکہ وہ کُل عالموں کا ربّ ہے۔ جس نے جسطرح تمام انسانوں کو جسمانی نشوونما کے ذرائعہ عطا فرمائے ویسے ہی اُس نے یکساں طور پر سب کی رُوحانی آبیاری کی۔ اِس وسیع دل کے عقیدہ نے جو قرآن میں تعلیم ہُوا از سرِ نو انسانوں میں اخوت اور یگانگت کی رُوح پھُونک دی۔ اور اس تنگ دلی کا قلع قمع کیا جس نے اِنسانی سوسائٹی کے ڈھانچ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے خدا تعالیٰ کے کُنبہ میں بھائی سے بھائی کو جُدا کر رکھا تھا +

لہٰذا قرآن کریم کی یہ فیاضانہ تعلیم اگر میرے دِل میں جناب موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے لئے محبّت اور تقدیس کے خیالات پیدا کرتی ہے۔ تو وہی تعلیم مجھے اس بات پر بھی مجبُور کرتی ہے۔ کہ میں عزّت اور محبّت کے ساتھ سنری رامچندر جی مہاراج۔ اور شری کرشن جی مہاراج اور عارف بُدھ کو دیکھوں۔ اگر قرآن کے علاوہ میں

بائیبل کو اصلی صورت میں کلام ربّانی سمجھتا ہوں تو میں ہندو بھائیوں کے ساتھ گیتا اور ہندوستان کے دیگر مقدّس نوشتوں کو بھی اپنی جائداد مشترکہ قرار دیتا ہوں ٭

الغرض قرآن کریم کی تعلیم کے ماتحت اسلام ہر ایک مذہب یا عقیدہ کا نام ہے۔ جو مختلف ممالک اور اقوام میں وقتاً فوقتاً ربّانی **ملہمین** نے تعلیم کیا۔ یہ تمام کے تمام مذاہب ایک ہی ربّانی سرچشمہ سے نکلکر ایک ہی قسم کی **صداقت** دُنیا میں لائے۔ لیکن امتداد زمانہ نے اور ایسا ہی پُرانے وقتوں میں ان مناسب اسباب کے نہ ہونے نے جن سے تعلیم اپنی اصلی شکل میں محفوظ رہ سکتی ہو تحریف و تبدیل اور غلط تعبیر کے مواقعہ پیدا کر دیئے اسی طرح وہ زبانیں جن میں قدیمی مقدّس صحیفے نازل ہوئے متروک ہو گئیں جس سے آنے والی نسلوں کو ان پاک الفاظ کے حقیقی معانی تک پہنچنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہو گیا۔ علاوہ ازیں اگر ایک طرف انسانی قوئے نے ترقی کی تو دوسری طرف گناہ اور بدی نے پیچیدہ شکل اختیار کی۔ جو ذہنی تہذیب کا لازمی نتیجہ تھا۔ یہ باتیں نئی تعلیم کو چاہتی تھیں چنانچہ

اِس ضرورتِ حقّہ کے رفع کرنے کے لئے پیغمبر یکے بعد دیگرے تشریف لائے جنہوں نے نہ صرف انھیں صدا قتوں کی تجدید کی جو پہلے الہام ہو چکی تھیں۔ بلکہ ضرورت زمانہ کے مطابق حال ان پر مناسب ایزادیں بھی کیں۔ ان وقتوں میں نسل انسانی کی مختلف شاخیں ایکدوسرے سے دُور دُور آباد تھیں۔ اور قدرتی سدّ راہوں نے اُن کو ایکدوسرے سے جُدا کر رکھا تھا۔ آپس میں میل جول اور آمد و رفت کے ذرائعہ بھی محدُود تھے۔ ایسے وقت میں ہر ایک قوم کو ایک الگ نبی کی ضرورت تھی۔ جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے:۔

وان من اُمۃ الا خلا فیھا نذیر

کوئی قوم ایسی نہیں کہ جسمیں کوئی ڈرانیو الا نہ آیا ہو۔

اگر ہندوستان میں ویدک رشی آئے۔ اور ان کے بعد کرشن رامچندر گوتم مبعوث ہوئے تو چین نے اپنا معلم کنفیوشش کی صُورت میں دیکھا۔ اگر زرتشت نے آتش رُوحانیت ایران میں سُلگائی تو وادی دریائے یردن اس ربّانی ندی سے سیراب کی گئی جو زیتونی پہاڑ سے اُتری۔ چنانچہ جب کبھی اور جہاں کہیں بدی پھیلی اور انسان گمراہ ہوا خدا تعالیٰ کی طرف سے ملہمین

اس قدیمی مذہب اسلام کی تجدید کے لئے آئے۔ جنتے کہ زمانہ نے ایک نئے انقلاب کو دیکھا۔ جب یکلخت دُنیا کے تمام گوشوں میں الٰہی قوانین سے انحراف کیا گیا۔ اور ایک ہی وقت تمام رُوئے زمین پر ربّانی حدُود توڑے گئے۔ ہر ایک مُلک اور قوم نے کامل ضلالت اور اخلاقی گمراہی کو دیکھا نیکی کالعدم ہوگئی اور ایسا نظر آنے لگا۔ کہ گویا خُدا تعالیٰ نے زمین کو چھوڑ دیا ہے۔ اور شیطان اپنی جہنمی سلطنت کو قائم کر رہا ہے۔ کوئی مُورّخ تاریخ زمانہ میں ساتویں صدی مسیحی سے بدتر زمانہ نہیں دکھلا سکتا۔ جب انسانی سوسائٹی رُوحانی اور اخلاقی پستی کے ادنےٰ نقطہ پر پہنچی ہُوئی تھی۔ اب اگر صحیفۂ قدرت میں ہر ایک تاریکی کے بعد روشنی اور ہر امساک کے بعد بارش لازمی ہے۔ اگر پیغمبران زمانہ ایسے ہی وقتوں میں آتے ہیں جب ظلمت گمرہی کمال کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر ہندوستان میں وشنو کے اوتار آسمان سے اسی وقت نازل ہوتے ہیں جب دھرتی زیادہ تر پاپوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔ اور اگر کرشن بھگوان اپنے الفاظ مندرجہ گیتا کے پورا کرنے کے لئے ادھرمی زمانہ میں تشریف لایا کرتے ہیں۔ تو ساتویں صدی

مسیحی بڑے سے بڑا وقت ان صد ا فتوں کے پورا ہونے کا تھا۔ حالات زمانہ اس امر کے متقاضی تھے - کہ یا مختلف ممالک میں مختلف پیغمبر پیدا ہوں - یا ایک زبردست انسان پیدا ہو جو کل روئے زمین پر اسی قدیمی پراچین مذہب اسلام کو کامل صورت میں قائم کر دے - لیکن تاریخ زمانہ نے ایک نئی صورت اختیار کر لی تھی - ایسے حالات پیدا ہو گئے جنہوں نے دنیا کی مختلف اقوام میں آمد و رفت اور میل جول کے ذرائعہ آسان کر دیئے - انسانی سوسائٹی کے مختلف اعضاء و جوارح جنہیں قدرتی اور مصنوعی رکاوٹوں نے ایکدوسرے سے جدا کر رکھا تھا - وہ عنقریب باہم ترکیب پاکر ایک ہونیوالے تھے - وقت قریب تھا کہ جب یہ بڑی اور وسیع دنیا ایک ملک کے رنگ میں آجاوے جسمیں ممالک دنیا بمنزلہ شہر اور شہر بمنزلہ محلوں کے ہو جاویں مختلف قوموں اور مذاہب کے افراد باہمی اختلاط و ارتباط کے آستانہ پر کھڑے تھے - کل افراد عالم کے اس میل جول پر مختلف قوموں کو مختلف تعلیمیں دینا ایک کامل بدنظمی اور خطرناک اختلاف کو پیدا کرنا تھا - لہذا حکمت بالغہ نے یہی پسند کیا - کہ ایسے وقت میں وہ آخر نبی کو اس جگہ مبعوث کرے جو معلومہ دنیا کے مرکز میں ہو - چنانچہ

نبیٔ آخر الزمانؐ نے عرب میں پیدا ہو کر اسی قدیمی اسلام کی تعلیم کی جو دوسروں نے اس سے پہلے تعلیم کیا تھا وہ ایک کتاب لایا۔ جس میں قدیمی **صداقتوں** کو انسانی آمیزش سے پاک کر کے جمع کیا گیا۔ اور اس پر دیگر امور ضروریہ ایزاد کیے گئے جیسے قرآن شریف نے فرمایا۔ صحفاً مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ ۵ ومافرطنا فی الکتب من شیئ۔ قرآن تو وہی قدیمی صحیفے ہیں جنہیں انسانی آمیزش سے پاک کر دیا گیا ہے۔ ہاں اس میں جہاں صداقتہائے مندرجہ کتب مقدسہ کو جمع کیا گیا ہے وہاں وہ تمام نئی باتیں بھی درج کر دی گئی ہیں جو تمام انسانی نشوونما کیلئے ضروری تھیں۔ دراصل قرآن از سرِ نو ان صداقتوں کو سکھلاتا ہے جو **وید** مقدس یا **بائبل** یا **گیتا** یا **ژند** یا **بدھ** اور دیگر انبیاء کے ملفوظات میں تھیں۔ اور ان پر کثرت سے ان باتوں کو ایزاد کرتا ہے جو اُن پہلی تعلیموں میں موجود نہیں +

یہ فیاضانہ تعلیم جس کے ماتحت ہم تمام مذاہب کو ربانی چشمہ سے نکلا ہوا مانتے ہیں۔ قرآن مجید نے اور ایسا ہی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صریح اور صاف الفاظ میں مسلمانوں کو تعلیم کیں۔ اور آپؐ کے بعد ہی وقتاً فوقتاً

مسلمان علمائے ربّانی یہ تعلیم دیتے رہے۔ لیکن صدیوں کے گذرنے نے اس وسعتِ قلبی کو پھر فراموش کر دیا۔ اور تنگ ظرفی اور تنگدلی کی بیماری اور اہل مذاہب کی طرح ہم پر بھی اثر کرنے لگی۔ ہم نے بھی دیگر مذاہب کی خوبیوں سے انکار کرنا شروع کیا۔ جس کا نتیجہ وہ کشیدگی ہوئی جس سے انسانوں میں تمام ہمدردانہ خیالات کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کشیدگیٔ خیالات کا خصوصاً ہندوستان پر اثر ہوا۔ جو قریباً کُل مذاہب کا گھر ہے۔ مذہبی مباحثات بُرے مذاق اور بُرے دل کے ساتھ خطرناک طور پر شروع ہو گئے نکتہ چینی شعارِ دُنیا ہو گیا۔ اور مذاہب کے ان مقدس بانیوں کے متعلق جن کی عزّت اور اطاعت دُنیا کے کروڑہا انسان اس وقت بھی کر رہے ہیں نہایت بیرحمی سے گندی سے گندی بدزبانی کی گئی۔ اور اُن لوگوں کے ہاتھوں سے اُن مقدّس معلّمان کی عزّت پر بیجا بانہ حملہ کیا گیا جنھوں نے نہایت قلیل صلحیّت کے ساتھ اس ناپسندیدہ مذہبی تنقید کو بطورِ تجارت اختیار کیا۔ میں بلاخطرۂ اختلاف کہہ سکتا ہوں کہ مذہبی مباحثات کا یہ کینہ افزا طریق پولیٹیکل معاملات کے مقابل کہیں زیادہ تر اُس جُدائیگی کا ذمّہ وار ہے۔ جو اس ملک کے ہندو اور مسلمانوں میں پیدا

ہو رہی ہے۔ مثال کے طور پر میں صوبہ پنجاب کے حالات
کی طرف اشارہ کر سکتا ہوں جو ان نا ملائم مذہبی مناقشات
کا مرکز بن رہا ہے لیکن خدائے امن نے جو امن کو پسند کرتا
ہے اور اپنی مخلوق میں امن دیکھنا چاہتا ہے ایسے
وقت میں ہماری دستگیری کی۔ اس نے عین وسط پنجاب
میں ایک **مصلح** اسلام میں بھیجا۔ جس نے حضرت محمد
صلعم کی غلامی کا دعوے کر کے از سر نو اس مذہبی فیاضی
اور طریق وسعتِ قلبی کی تجدید کی۔ جو اس سے
مخدوم و مطاع نے آج سے تیرا سو برس پہلے تعلیم
کیا تھا۔ اس نے ہم میں پھر اِس امر کا احساس پیدا
کیا۔ کہ ہم دنیا کے مقدس معلمین کی عظمت اور قدر دانی
کریں۔ اس نے ہر مذہب کی خوبیوں کا اعتراف کیا۔ اور
اس ملک کے متضاد عناصر میں اتفاق اور ہم آہنگی
پیدا کرنے کے لئے وہ مسلمانوں کے لئے **مہدی** اور
عیسائیوں کے لئے مسیح موعود اور ہندوؤں کے لئے
**کرشن** ہو کر آیا۔ وہ لوگ جو ہندو مسلمانوں کے درمیان
یگانگت اور ہمدردانہ خیالات پیدا کرنے میں دلچسپی رکھتے
ہیں۔ وہ اس سے بہتر کوئی اَور صورت تجویز نہیں کر سکینگے
جو اس مصلح زمانۂ حال نے اپنے اس **پیغامِ صلح** میں

لکھ دی۔ جو آپ نے عین اُس دن ہندو اصحاب کے لئے
لکھا جس دن وہ بہشت بریں میں چلے گئے +

اب میں پھر اپنے مضمون کی طرف آتا ہوں۔ یہ حقیقت
ہے اس عالمگیر مذہب کی جس کا نام اسلام ہے۔ جس کی
آخری کتاب یعنے **قرآن** نے اپنے اندر ان تمام صداقتوں
کو جمع کیا۔ جو ویدمیں بائبل میں اور دیگر کتب مقدسہ میں تھیں
اور ان پر ان قوانین کو ایزاد کیا جو ایسے زمانہ کے مناسب
حال ہوں جبکہ خدا کے کُنبہ کے ان مختلف افراد نے جمع
ہو جانا تھا جو قدیمہ الہام کے وقت ایکدوسرے سے جُدا جدا رہتے تھے
قرآن میں وہ تمام قواعد وضوابط ہیں جن کی متقاضی
زندگی کی ضروریات مختلفہ تھیں۔ قرآن صرف چند
اخلاقی جملوں کا مجموعہ نہیں نہ یہ چند رسموں کی کتاب
ہے۔ اگر یہ ایک طرف ہم کو خدا کی صفات کاملہ کا پتہ دیتی
ہے۔ تو دوسری طرف ان عظیم الشان صداقتوں پر روشنی
ڈالتی ہے۔ جن میں ملائکہ الہام نبوت قیامت بہشت
دوزخ وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ ایسا ہی یہ اُن اصولوں
کی رہنمائی کرتی ہے جو ہمیں پولیٹیکل سوشل اقتصادی
اور معاشرت کے امور میں مدد دے سکیں۔ تاکہ تمام نسل
انسانی ان قوانین پر چلکر کمال حقیقی کو حاصل کرے۔ قرآن

نماز روزہ اور قربانیوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس میں زندگی کا ایک کامل سے کامل ضابطہ ہے۔ ایک بادشاہ وقت کے لئے اگر اس میں قانون ہے جو اس نے امورِ ملکداری میں برتنا ہے۔ تو ایسے ہی اس میں اطاعتِ فرمانروا کی ہدایات بھی ہیں خواہ وہ اپنی قوم سے ہو یا غیر قوم سے۔ اسی طرح ایک مقنّن ایک مُدبّرِ سلطنت۔ ایک جج۔ ایک فوجی افسر۔ ایک سوداگر ایک اہلِ حرفہ ایک بیٹا ایک باپ ایک بھائی ایک خاوند۔ ایک عورت ایک ہمسایہ ایک دوست ایک دولتمند ایک مفلس۔ الغرض ہر ایک انسان ہر حیثیّت اور حالت میں ایسے اصُول ہدایت اس کتاب میں دیکھیگا۔ کہ جس پر چلکر وہ سوسائٹی کے لئے مفید ہوسکے۔ یہ مکمّل تعلیم مجھے قرآن میں ہی ملی۔ اور اسلئے ہم مسلمان ایمان رکھتے ہیں۔ کہ اس قدیمی مذہب یعنی اسلام نے جسے پیغمبروں کی جماعت نے وقتاً فوقتاً تعلیم کیا۔ اپنی مکمّل صُورت خدا کی اس کتاب میں پائی۔ جس کے بعد الہام شریعت بند ہوگیا۔ جیسے قرآن نے فرمایا۔

الیوم اکملت لکم دینکم

آج ہمنے تمہارے لئے شریعت کو کامل کر دیا۔

وقت* اجازت نہیں دیتا۔ کہ میں اُن امور کی جن کا خلاصہ

*منتظمان جلسہ کیطرف سے ہر ایک شخص بولنے والا انیس منٹ سے زیادہ تقریر نہ کر سکتا تھا۔

میں نے اُوپر دیا ہے چھوٹی سے چھوٹی تشریح بھی کر سکوں
لیکن خاتمہ سے پہلے میں ایک ضروری امر کا ذکر کرونگا۔
جسے تعلیم کر کے قرآن کریم نے نسلِ انسانی پر بہت بڑا
احسان کیا ہے۔ انسان کا بڑے سے بڑا محسن وہی ہو سکتا
ہے جو انسانوں میں یہ احساس پیدا کر دے۔ کہ اُن
میں اعلیٰ سے اعلےٰ استعدادیں موجود ہیں۔ اور پھر
اُن کے سامنے اُن کے نصب العین اور مقصود بالذات
کو بلند کر دے۔ اسلئے قرآن کریم نے یہ قبول نہیں کیا کہ
گناہ ہماری جز و فطرت ہے۔ اور ہم اپنے اعمال کے
ذریعہ اُس کی زنجیروں سے نجات نہیں پا سکتے۔ بلکہ
ہمیں یہ سکھلایا ہے۔ کہ انسان اس دُنیا میں معصومی
کی حالت میں داخل ہوتا ہے۔ اور بعض قوانین پر
چل کر لامحدُود اور لاانتہا ترقیات حاصل کر سکتا ہے۔
جیسا کہ فرمایا ہے۔ پ ۳۰ ع ۲۰ لقد خلقنا الانسان
فی احسن تقویم ۵ ثم رددنٰہ اسفل سافلین ۵ الا الذین
اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت فلھم اجرٌ غیر ممنون ۵
تحقیق ہم نے انسان کو اعلےٰ سے اعلےٰ اور عمدہ سے عمدہ
استعدادوں کے ساتھ پیدا کیا ہے وہ بعض صداقتوں پر
ایمان لا کر اور ان پر عمل کر کے لامحدُود نتائج حاصل کر سکتا

ہے لیکن اگر وہ اُن کی پرواہ نہ کرے۔ تو یقیناً ادنےٰ سے ادنےٰ نقطہ پر پہنچیگا۔ اس تعلیم سے بڑھ کر نہ کوئی زبردست تحریک ترقی کی ہوسکتی ہے۔ اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی اور روک انسان کے لئے تنزّل اور زوال کے مقابل ہوسکتی ہے۔ اگر ہم یہ یقین کرلیں کہ گناہ ہماری جزو فطرت ہے۔ تو اس کی گرفت سے آزاد ہونے کے لئے ہماری تمام کوششیں رائیگاں سمجھنی چاہئیں۔ یہ امر ہمارے قوٰے کے دبا دینے کیلئے اور ہمارے عزم کو ڈھیلا کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس سے بڑھ کر ہماری پستیٔ رُوحانیت کا اور کیا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اور عجیب بات ہے کہ مادی دُنیا میں یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ ہم لامحدُود ترقیات کرسکتے ہیں۔ پیغمبر عربؐ نے یہ تعلیم نہیں کیا۔ کہ انسان دُنیا میں گناہ لے کر آیا۔ بلکہ یہ سکھلایا کہ انسان پیدا ہونیکے وقت اطاعت قوانین کی استطاعت رکھتا ہے۔ اور اسلئے وہ بیگناہ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ عدم اطاعت قوانین کا نام ہی گناہ ہے۔ اور دُنیا میں کوئی پیروی قانون کے سوا نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا انسان کو بروقت پیدائش معصوم فطرت قبول کرلینے سے ہی اُسے لامحدود ترقیات کا وارث بنا دینا ہے۔ اسی لئے اس اشرف اور وسیع دل کے نبیؐ نے یہ تعلیم دی کہ انسان اپنی پیدائش

کے وقت معصوم ہوتا ہے۔ نہ اسلئے کہ وہ **مسلمان** کا بیٹا ہے بلکہ اسلئے کہ وہ **انسان کا بیٹا** ہے۔ اب اگر اس پاک فطرت کو عمدہ قوانین بھی ملجاویں تو یقیناً وہ معراج کمال تک پہنچ جاویگا۔ اگر دُنیا نے اپنی مادی ترقی میں آئے دن نیوٹن۔ ھرشل۔ ایڈیسن پیدا کئے ہیں۔ تو کیوں دوبارہ **کرشن مسیح** اور **بدھ** جیسے انسان دُنیا میں پیدا نہ ہوں۔ خصوصاً جب اُن بزرگ معلموں نے صاف اور صریح الفاظ میں اپنے دوبارہ آنے کا وعدہ کیا۔ اور میرے نزدیک وہی کتاب آخری کتاب ہونے کا دعوے کر سکتی ہے۔ جیسے کہ ہر اہل مذہب اپنی کتاب کو سمجھا ہوا ہے۔ جس میں وہ ہدائیات مندرج ہوں جن پر چلکر انسانوں میں سابقین کا سا کمال پیدا ہو سکے۔ آخر سابقین نے بھی بعض ہدایات پر ہی چلکر تکمیل رُوحانیت کی تھی۔ اگر کسی کتاب میں یہ ضروری تعلیم نہیں تو اس کے بعد کسی اور ناطق اور آخری کتاب کی ضرورت پڑیگی۔ ایسا ہی انبیاء میں سے خاتم النبیین کہلانے کا وہی مستحق ہے (اور مجھے حق الیقین ہے۔ کہ وہ حضرت **محمد** صلے اللہ علیہ وسلم تھے) جو ہم کو اس راہ پر چلائے کہ جس پر چلکر ہم وہ **کمالات** روحانی حاصل کر سکیں کہ

جہاں **الہام ربّانی** کا فیض ہوتا ہے۔ اگر رُوحانی کمال یافتہ اِنسان مکالمہ الٰہیّہ سے مُمتاز تھے۔ جیسے کہ اُن کے مُتبع اُن کے متعلق مانتے ہیں۔ اور اگر اِنسان کے ساتھ **خدا کا کلام** کرنا خدا کی ایک صفت ہے۔ تو پھر کن وجُوہ پر یہ امر یقین کیا جا سکتا ہے کہ دروازۂ الہام پہلے کھلا تھا اور اب بند ہو گیا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ اب بھی ویسے ہی علیم حاضر ناظر رحیم اور دیگر صفات رکھتا ہے جیسے کہ وہ پہلے تھا۔ اور اگر صفاتِ الٰہیّہ پر تعطّل لازم نہیں تو ضروری ہے۔ کہ وہ ہمیشہ اسی طرح بولتا رہے۔ جیسے کہ وہ پہلے ایّامِ سابقہ میں بولا۔ لیکن ہم میں سے بعض یہ ایمان رکھتے ہیں۔ کہ کسی خاص واقعہ کے بعد خدا نے اِنسان سے کلام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ منطقیانہ طور پر دو امُور میں سے ایک امر ضرور واقعہ ہو گا۔ یا تو معاذ اللہ خُدا تعالیٰ کی بعض صفات ضائع ہو گئی ہیں یا تنزّل سے اِنسان میں وہ استعدادیں نہیں رہیں۔ جو اس کے بزُرگوں میں تھیں۔ لیکن یہ ہر دو امُور بالبداہت غلط ہیں۔ کامل خدا کے صفات ہمیشہ کامل ہونے چاہئیں۔ اور از رُوئے علم تشریح موجُودہ اِنسان کے قوا ویسے ہی ہیں جو پہلوں کے تھے لیکن بعض لوگ اب بھی کہیں گے کہ اِنسان ناقابل ہے۔

میری خوشی کی کوئی اِنتہا نہ رہی کہ جب میں نے گیتا میں پڑھا کہ کرشن بعض حالات کے پیدا ہو جانے پر دُنیا میں دوبارہ آجایا کرتا ہے۔ اور مجھے اِس بات کا فخر ہے کہ میں ایک ایسی کتاب پر ایمان رکھتا ہوں کہ جس نے ذیل کے الفاظ میں مجھے وعدہ دیا ہے:-

اھدنا الصراط المستقیم ۰ صراط الذین انعمت علیھم

الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصّٰلحین ۰

الٰہی! ہم کو وہ سیدھے سے سیدھا راستہ دکھلا کہ جس پر تیرے انعام یافتہ چلے یعنی نبی صدّیق شہدا اور صالحین۔ اِس دُعا کے جواب میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے:-

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا پ۲۱ ع۳

جو ہمارے راستہ میں کوشش کیا کرتے ہیں ہم انہیں ضرور راستہ دکھلا دیا کرتے ہیں +

لہٰذا بالفاظ قرآن کسی اِنسان کا ربّانی راہوں پر قدمزن ہونا اس کو اس خاص الخاص انعام الٰہی کا مستحق ٹھیرا دیتا ہے۔ جس کا نام الہام ہے۔ قرآن نے وہ قواعد اور قوانین بتلائے ہیں۔ کہ جن کے ذریعہ اِنسان اُن ربّانی فیوض کو حاصل کرتا ہے جو خدا تعالیٰ نے کاملین سابقہ

کو عطا فرمائے الغرض جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ہم آخری نبی قرار دیتے ہیں۔ تو نہ صرف اسلئے کہ اُنہوں نے ہمیں زندگی کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ بلکہ اِسلئے بھی کہ انہوں نے ہمیں انبیاء کا کامل ورثہ حاصل کرنے کے قابل ظاہر کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:-

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل

میری اُمّت کے عُلماءِ ربّانی اسرائیلی نبیوں جیسے ہونگے

آپؐ نے ہمیں یہ بھی وعدہ دیا کہ ہر **صدی** کے سر پر ایک **الہام** پانیوالا **مصلح** اسلام میں پیدا ہوگا جسے اِسلامی اِصطلاح میں **مجدّد** کہا گیا ہے۔ اور حضور والا کی پیشینگوئی کو اسلامی تاریخ کے ہر زمانہ میں پورا ہوتا دیکھتے آئے ہیں۔ مجھے پتہ نہیں کہ آیا **وید** پر چلنے والوں میں سے کرشن اور رامچندر جیسے اِنسان اور بھی ہندوستان میں پیدا ہوئے یا نہیں اور نہ مجھے یہ پورا علم ہے کہ **عیسائی** مذہب نے پطرس اور یوحنّا جیسے اِنسان پیدا کئے یا نہیں جن میں یقینی طور پر بعض **مسیح** جیسی صفات تھیں لیکن **اسلام** پر تو کوئی صدی نہ گذری کہ جسمیں الہام پانیوالے مقدّس اِنسان پیدا نہ ہوئے۔ مثال کے طور پر عمر بن عبدُ العزیز۔ بایزید بسطامی جُنید بغدادی

محے الدین ابن عربی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی اور ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی۔ شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی۔ خواجہ نظام الدین اولیا۔ بابا فرید شکر گنج۔ داتا گنج بخش۔ شاہ ولی اللہ اور سید احمد بریلوی وہ لوگ ہیں۔ کہ جو خدا سے ہمکلام ہوئے۔ یہ **صداقت** قرآن کریم نے بڑے صریح الفاظ میں تعلیم کی۔ لیکن زمانۂ حال کے مادی خیالات جو اس تمام تشکک اور توہم کے ذمہ وار ہیں جو چاروں طرف ہم دیکھ رہے ہیں۔ اس قدر زبردست تاثیر رکھتے ہیں۔ کہ یہ صداقت بھی حوالۂ نسیان ہو کر الہام کو فسانہ کے رنگ میں لے آتے۔ جیسا کہ اس وقت یورپ میں ہو چکا ہے اگر اس صدی کے سر پر موعود مجدد نہ آتا۔ خدا نے پنجاب میں **احمد** کو پیدا کیا جس نے اپنے ہمجنسوں کے آگے اپنا نمونہ پیش کیا۔ اس نے دکھلایا۔ کہ قرآن کریم کی کامل اطاعت اور **سنت نبوی** کی کامل متابعت نے بفحوائے آیہ کریمہ ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین اسے خدا تعالیٰ کے اعلیٰ سے اعلیٰ انعام کا جس کا نام الہام ہے وارث کیا۔ اُس نے ظاہر کیا کہ یہ دروازہ ہر ایک کھٹ کھٹانے والے

کے واسطے کھلا ہے۔ یہی اعلیٰ سے اعلیٰ نصب العین انسان کا ہونا چاہیئے۔ اور یہی بلند سے بلند منزل مقصود انسانی کوشش کی ہے۔ اسی امر کے حاصل کرنے کے واسطے **اسلام** نامعلوم وقتوں سے دنیا میں آ کر حضرت **محمدؐ** صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مکمل ہوا۔ خدا کے خاص الخاص درود اور سلام اس پر ہوں +

مبارک ہے وہ کتاب جو تم میں اعلےٰ استعدادوں کا احساس پیدا کر کے تمہارے نصب العین کو بلند کرے اور ایسا ہی مبارک ہے وہ **انسان** جو اپنے عملی نمونہ کو تمہارے سامنے پیش کر کے تم میں اس اعلےٰ سے اعلےٰ مقصد کے حاصل کرنے کی تحریک و تحریص پیدا کرے۔ آمین

# اِسلام اَور اصُولِ اِسلام
اَوْر
# اُن کا مُقابلہ عیسائیّت سے

یہ اُس مُہتم بالشّان انگریزی لیکچر کا اُردو ترجمہ ہے۔ جو عالیجناب حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری نے

کیمبرج کی دہریہ سوسائٹی کے رُوبرُو زیر صدارت مسٹر سی ایچ وگڈن صاحب ایم اے۔ مگڈالن کالج ۲۷ اپریل ۱۹۱۳ء کو بمقام کیمبرج دیا۔ مترجم

## جناب پریسیڈنٹ صاحب لیڈیز اور جنٹلمین

سب سے پہلے مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہئیے آپ نے مجھے یہ عزّت دی ہے کہ آپ جیسے معقول پسند لوگوں کو خطاب کرنے کا مجھے موقعہ ملا ہے۔ ایک طرح مجھے ان اصولوں سے بھی ہمدردی ہے جو آپ کی کلب کے محرک ہیں۔ اس کلب کی بنیاد آخر اُن تقاضوں پر رکھی گئی ہے جو ہم میں ہماری

عقل اور قوّت استدلال نے پیدا کر رکھے ہیں۔ اور انسان
آخر معقول پسند وجود بنایا گیا ہے۔ ہم بعض بظاہر فوق العقل
باتوں کو مان بھی سکتے ہیں۔ لیکن جو باتیں عقل سے ہی خارج
ہوں۔ وہ کوئی کس طرح مان سکتا ہے۔ میں یہ تو قبول
کر سکتا ہوں کہ ہم میں سے سارے کے سارے ہر ایک امر کو
عقل و استدلال کی بنیاد پر سمجھنے کے قابل بھی نہیں ہوتے۔
لیکن کسی کا کیا حق ہے۔ کہ ہم سے بعید از عقل امور۔ یہ کہکر
کہ یہ راز ہیں منوانے کی کوشش کرے۔ خصوصاً ایسے
تراشیدہ اصول ہم کیوں تسلیم کریں۔ جن کا زندگی پر بھی کوئی
اثر نہ ہو۔ آخر مذہب ہے کیا؟ ایک دستور زندگی! جو ہمارا
نفع رساں۔ جو ہمارے قوی اور ہماری استعدادوں کی تہذیب و
تعدیل اور نشو و نما میں ممد ہو۔ بیشک یہ ہمیں ایسے عقائد کا
رکھنا تعلیم کرے۔ جو ہمیں اس دستور زندگی کے اختیار کرنے
کے لئے تحریک کردیں۔ بیشک مذہب ہم کو بعض روزمانہ اعمال
کی ہدایت کرے جو ہمیں اس دستور زندگی کے لئے طیّار
کریں۔ ان امور کے علاوہ اگر مذہب مجھے کچھ اور تعلیم کرنا چاہتا
ہے۔ تو میں اُس مذہب کا کبھی قائل نہیں ہُوا۔ مجھے تو ایسا
مذہب نہیں چاہیئے۔ جو مجھے باتیں تو وہ منوائے کہ جن کا
اثر میری زندگی پر نہ ہو۔ اور روزمرّہ زندگی کے آئین و دستور

کے لئے مجھ پر چھوڑ دے ۔

صاحبان! مجھے یہ کہنے کیلئے آپ معاف فرمائیں کہ اُس سیلاب تصانیف کے ہونے پر بھی جو پریس مطابع سے یہاں نکلتا ہے۔ ایسا ہی حصول علم کی اس سچی خواہش پر بھی جو مغرب میں نظر آتی ہے۔ اسلام اس وقت بھی غلط و فضیلت یا غلط بیانی کے پردہ میں مستور ہے۔ بدقسمتی سے رلیشنلزم (مذہب معقولیت) نے خدا کا مفہوم مغرب میں کے مروّجہ عقائد سے لیا۔ اور یہ امر طبعی تھا کہ وہ مذہب اور خدا سے بیزار ہو جائے۔ خود میری رائے لیجئے۔ میں منکر ہستی باریتعالیٰ ہونا اُس خدا پر ایمان لانے سے بہتر سمجھتا ہوں جس کے اوصاف و اخلاق کا ظہور چرچ (کلیسا) میں اور صلیب پر ہوا۔ میں اس عرفان کے مقابل تذبذب تشکک کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں جو یورپ میں علم الٰہیات کی بعض کتابوں میں تعلیم ہوتا ہے لیکن آپ یقین کریں۔ کہ اسلام اور مقدس کتاب اسلام یعنے قرآن نے مجھ پر مذہب کی ضرورت روشن کردی ہے۔ یہ مجھ پر ثابت ہوا ہے۔ کہ اگر میں سوسائٹی کا مفید ممبر بننا چاہوں یا ایک اچھا اہل شہر بننا پسند کروں۔ تو پھر مجھے کسی خاص آئین و دستور کی بھی ضرورت ہے۔ مجھے چند ایسے عقائد کی بھی احتیاج ہے

جو اس آئین و دستور پر چلانے کی تحریک کریں۔ کیونکہ ہمارے کُل کے کُل کاروبار و اعمال کسی نہ کسی ایمان و یقین پر مبنی ہوتے ہیں۔ آج آپ کا یہ یقین و ایمان کہ میں یہاں کچھ بیان کرونگا۔ آپ کو یہاں لے آیا ہے۔ ایسا ہی مجھے بعض روزانہ مشقوں اور عملوں کی بھی ضرورت ہے جو مجھے ان عقائد سے ملحق کر دیں۔ اور مجھے آئین زندگی پر چلانے کے قابل کر دیں۔ الغرض میں ایک قانون یا شریعت کا محتاج ہوں۔ جس پر چلنے سے میرے مضمر قوی فعل میں آجائیں۔ اور میری استعدادیں ظہور پذیر ہوجائیں اور میں اسلئے اُن اعمال و عقائد کو بھی چاہتا ہوں جو مجھے اس شریعت اور قانون پر قائم کر دیں۔

میرا آج کا لیکچر جیسے مجھے بتلایا گیا ہے۔ اسلام اور عیسائیت کے اصولوں کا تقابل چاہتا ہے۔ اسلئے میرے موضوع سے شاید یہ دور ہو کہ میں ان مذاہب کے متقابلہ عقائد پر کوئی سلسلۂ دلائل شروع کر دوں۔ ہاں میں نے استدلال کو اس حد تک برتا ہے جو میرے بیان کے واضح اور روشن کرنے کے لئے ضروری ہوں۔ مسلمان اور عیسائی دونوں ہستئ باریتعالیٰ کے قائل ہیں۔ میں اس بنیاد پر چلونگا اور جتنے الوسع سادے سادے واقعات بیان کرتے ہوئے تاعمت

کرونگا۔ ان مبادی باتوں کے بعد اب میں اپنا لیکچر شروع کرتا ہوں۔ میرے لیکچر کا عنوان ہے

# اسلام اور اصولِ اسلام
اور
# اُن کا مقابلہ عیسائیت سے

**اسلام** اپنے لفظی معانی اور اس مفہوم کے رُو سے جو ہماری مقدّس کتاب یعنے قرآن نے اسلام کو دیا ہے شریعت و قوانین کی کامل اطاعت کا نام ہے۔ اور اگر صحیفۂ قدرت اپنے تمام افعال و مظاہر کے ساتھ اُس عقلِ عظیم اور اس لاانتہا ابدی طاقت کی منشا کا جس سے بقول حکیم ہربرٹ سپنسر کُل اشیاء نکلی ہیں ایک قابل اعتبار آئینہ ہوسکتا ہے۔ اور ایسا ہی اگر یہ صحیفۂ فطرت مذہب یا آئین زندگی کو اختیار کرنے میں ہمارا عمدہ رہنما ہوسکتا ہے۔ تو آپ یاد رکھیں کہ اسلام یا اطاعت قوانین کے علاوہ یہ آپ کو کسی اور مذہب کے اختیار کرنے کی سفارش نہیں کریگا۔ آپ ذرا صحیفۂ قدرت کا مُطالعہ تو کریں خواہ بالکل

سرسری نگاہ سے ہی - آپ کو ایک ذرّہ بھی ایسا نظر نہ پڑیگا۔ جو لاتبدیل مُقررہ قوانین کی اطاعت میں نہ لگا ہو۔ بلکہ کُل کے کُل عناصر عالم کا وجُود خوُد اور ایسا ہی ان ذرّات کا ایکدوسرے کے لئے مقیّد و خادم ہونا جن پر کل کائنات کا ہم آہنگ ہونا حصر رکھتا ہے۔ یہ سب کا سب کھیل قطعاً اسباب پر حصر رکھتا ہے۔ کہ ہر طرف مقررہ قوانین کی اطاعت ہو رہی ہے۔ ایک منٹ کے لئے آپ فرض کرلیں کہ کائنات کے کسی ذرّہ بیمقدار نے اپنا فعل کرنا چھوڑ دیا۔ اس کا آخری نتیجہ کُل کائنات کی تباہی ہوگی۔ آپ ذرا سُورج کو چاند کو ستارں کو دن۔ رات۔ موسم۔ درخت سمندر وغیرہ کو دیکھیں۔ کون ہے جو ایک نہ ایک قانوُن کے ماتحت نہیں اور جس قانوُن کی وہ کامل اطاعت نہیں کررہا۔ اور مجھے تو دُنیا کی تاریخ میں ایک بھی دِن یاد نہیں جب کہیں قانون مقررہ کی خلاف ورزی ہُوئی ہو۔ بس اسی کا نام

## اسلام

ہے۔ اور خُدا کی کتاب قرآن نے جو اپنی صداقتوں کو مبرہن کرنے کے لئے صحیفۂ قدرت کو یعنی قولِ الٰہی کی تصدیق میں فعل الٰہی کو شہادت میں لاتی ہے۔ اس حقیقت اسلام کے روشن کرنے کے لئے بھی نہایت ہی حقیقت نما

رنگوں میں وہی بات کہی ہے جو میں نے ابھی عرض کی ہے۔ جس سے نہ ہم پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کو اسلامی شعار کی کسقدر ضرورت ہے۔ بلکہ غیر اسلامی طریق زندگی اختیار کرنے پر ہمیں نتائج بد سے بھی روکا گیا ہے وہ امر ذیل کی آیات قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے :-

ان الدین عند اللہ الاسلام × × × افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعا وکرھا والیہ یرجعون × × × والشمس تجری لمستقر لھا ذلک تقدیر العزیز العلیم ط والقمر قدرنٰہ منازل حتیٰ عاد کالعرجون القدیم ہ لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا الیل سابق النھار ط وکل فی فلک یسبحون ط × × × ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخسرین ط

**ترجمہ**۔ بات تو یہی کہ خدا کا اگر کوئی دین ہے تو اسلام یعنے آلہی قوانین کی اطاعت۔ کیا یہ لوگ اس دینِ آلہی کے سوا کوئی اور آئین چاہتے ہیں۔ دیکھتے نہیں جو زمین آسمان میں ہے طوعاً کرہاً۔ خدا کی رضا پر چل رہا ہے۔ اور پھر ان سب کا آخری رجوع بھی اسی طرف ہوتا ہے۔ سورج کو نہیں دیکھتے۔ اپنے سب کے سب نظام شمسی کو لئے کسی خاص جائے قرار

کی طرف جارہا ہے۔ یہ جائے قرار بھی تو عزیز علیم خدا کا ہی مقرر کردہ ہے۔ کیا چاند کے لئے بھی ہمنے مختلف منازل مقرر نہیں کردیئے جن میں سے گذر کر آخر پھر یہ کھجور کی ٹیڑھی پتلی شاخ بنجاتا ہے۔ بھلا سورج کی مجال ہی کیا ہے کہ چاند کی راہ میں آجائے۔ یا رات کبھی دن پر سبقت کرلے۔ یہ تو کُل کے کُل اپنے مقررہ راہوں پر چل رہے ہیں۔ یہی اسلام ہے۔ اچھا! اب کوئی اور راہ اسلام کے ماسوا اپنے لئے تجویز کرلو۔ یہ کہاں قبول ہوسکتا ہے۔ ہاں انجام اس کا نقصان ہے۔

صاحبان۔ اس طرح بالفاظ قرآن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کُل ذرّہ ذرّہ کائنات کا دیگر عناصر کے ساتھ ہم آہنگ ہوکر مقررہ قوانین کی اطاعت میں لگا ہوا ہے۔ اب کیا انسان۔ جو صنعت قدرت کا آخری کامل مکمل نمونہ ہے۔ انہیں ذرات کا مجموعہ نہیں۔ کیا انسان ایک قسم کا عالم صغیر نہیں۔ کیا میں یہ سمجھ لوں کہ یہ مختلف ذرات جو جمع ہوکر انسان کو جسم اور رُوح بخشتے ہیں۔ وہ اس مجموعی حیثیت میں اپنے خواص بدل گئے ہیں۔ آؤ ہم اپنے ہی اعضا۔ جوارح۔ عضلات۔ رگ۔ پٹھے کا مطالعہ کریں۔ کیا وہ سب کے سب مقررہ آئین پر نہیں چل رہے ہے۔ کیا یہ سب کے سوا ہماری

خواہشات اور احکام کو نہیں ملتے بشرطیکہ ہم مقررہ طریق
پر اُن سے کام لیں۔ ہاں اگر وہ مُقررہ طریق کے خلاف
کسی کام پر لگائے جائیں تو پھر یہ اطاعت کرنی چھوڑ دیتے
ہیں۔آپ دیکھنا چاہتے ہیں۔ آنکھ آپ کی غلام ہے
آپ سُننا چاہتے ہیں۔کان آپ کے خادم ہیں۔لیکن
کیا آپ آنکھ سے سُن سکتے ہیں یا کان سے دیکھ سکتے ہیں
آج اپنی آنکھ سے کسی ذائقہ کو تو چکھنے کی کوشش کرنا۔یا
پیاس بجھانے کے لئے پانی کان میں ڈال لینا تمہاری طبیعت
کا تقاضا اور خواہش تو کیا پوری ہوگی۔ ہاں اپنے اعضائ
اور قوی کو ضرور گنوا بیٹھوگے۔اور نقصان اُٹھاؤگے
دیکھو یہ تو وہی بات ہے جو میں نے قرآن سے پڑھی +

ومن یبتغ غیر الاسلام دینًا۔ فلن یقبل منہ ۷
وھو فی الاخرۃ من الخٰسرین۔ اگر اسلام یعنے اطاعت
قوانین الٰہیہ کے سوا کوئی اور طریق اختیار کرلیا۔ تو مقبول
تو ہونے سے رہا۔ انجامکار نقصان بالضرور ہوگا!! ہم تو فطرتًا
اطاعت واتباع قوانین پر قائم کئے گئے ہیں۔ہمارے توقوے کا
نشو ونما ہی قوانین کے چلنے پر حصر رکھتا ہے۔اسی صداقت کیطرف
قرآن کے ذیل کے الفاظ اشارہ کرتے ہیں +

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا ۔ لا تبدیل

لخلق اللہ ط ذٰلک الدّین القیّم (شریعت کی اطاعت تو خدا کی دی ہُوئی فطرت ہے۔ اور اسی فطرت پر انسان بنایا گیا ہے۔ خدا کی خلقت میں تو تبدیلی ہو ہی نہیں سکتی۔ بس سُن لو۔ یہی مضبُوط مذہب اور دین ہے۔ فطرتاً ہم پابندی قوانین کے قابل ہیں۔ اور اسلام کا یہ وہ بنیادی اصُول ہے۔ جس سے اسلام کو عیسائیت کی موجُودہ شکل سے تخالف ہے۔ میں نے موجودہ شکل اسلئے کہا۔ کیونکہ خود جناب مسیحؑ نے تو ان اصُولوں کی تعلیم نہیں کی تھی جو اس کے بعد کلیسیا نے تراش لئے جناب مسیح تو ایک سچّے مسلمان تھے۔ انہوں نے تو صاف اور غیر مُبہم الفاظ میں اپنے حواریّین کو یہی اسلام سکھلایا جن کی تشریح اس وقت کر رہا ہوں۔ اس کے متعلق شاید ان کے یہ الفاظ* ہیں:۔

مت خیال کرو کہ میں قوانین کو توڑنے آیا ہوں۔ یا پیغمبروں کے خلاف کرنے آیا ہوں۔ میں شریعت کو برباد کرتے نہیں آیا شریعت کو پُورا کرنے آیا ہوں میں تمہیں کہتا ہوں۔ جب تک زمین و آسمان نہ ٹل جائے۔ شریعت کا ایک ذرہ بھی نہ ٹلیگا جب تک پُورا ہو کر نہ رہے۔ لہٰذا جو تم میں سے قانون کو ذرا بھی توڑتا ہے۔ یا لوگوں کو ایسا سکھلاتا ہے۔ وہ خدا کی سلطنت میں چھوٹا ہے۔ اور جو شریعت کی

* اصل الفاظ انجیل متی کے یہ ہیں۔ مصنف نے اپنی یادداشت سے انہیں اپنے لفظوں میں ادا کیا ہے۔ مترجم

پورا کریگا یا لوگونکو سکھلائیگا وہ خدا کی سلطنت میں بڑا کہلائیگا" متی ۵ باب ۱۷ تا ۱۹
یہ تو جناب مسیح نے سکھلایا۔ ہاں وہ رخصت ہوئے۔ تو میاں
پولوس اور کلیسیا میں اس کے متبعین نے یہ تعلیم دینی شروع
کی کہ ہم قوانین پر چل ہی نہیں سکتے۔ گناہ جو خلاف ورزی
قانون کا نام ہے۔ یہ تو ہماری فطرت ہے۔ ہمارا ورثہ ہے
اور جب یہ صورت ہے تو خداوند کا عدل ہم کو سزا سے کب
چھوڑ سکتا ہے۔ جب تک کوئی کفارہ کی تجویز نہ ٹھیرے
اور کفارہ پھر وہ ہو جو ہماری طرح کی فطرت کا نہ ہو بلکہ
معصوم فطرت کا ہو۔ اور وہ تو پھر خدا ہی ہے +

عیسائی مذہب کے کل اصولوں کی بنیاد تو اس طرح
بس یہ اصول ہے۔ کہ گناہ یعنے خلاف ورزی قانون
ہمارا ورثہ اور فطرت ہے۔ لہذا پابندئ قانون کیلئے
ہماری ناقابلیت کا عقیدہ تو جڑ ہے اور باقی دیگر عقائد
عیسویت اس کی شاخیں ہیں عیسائی الٰہیات کی
معقولیت کو زیر جرح لانا نہیں چاہتا۔ میں انکو انکی
موجودہ شکل میں ہی قبول کرلیتا ہوں۔ ہاں میں آپ
کی اجازت سے ایک بات آپ کو سمجھاتا ہوں۔ کیا یہی خدا
کا عدل جو کفارہ چاہتا ہے مجھے ہر قسم کی سزا سے بری الذمہ
نہیں کردیتا۔ صاحبان۔ کیا آپ از روے عدل و انصاف

اپنے نوکر کو ایسے فعل کے نہ کرنے پر ماریں گے۔ جس فعل کے کرنے کی اس میں استعداد ہی نہیں۔ کیا آپ اپنے خادم کو ایسے امر کے نہ کرنے پر سزا دیں گے۔ جس سے وہ فطرتاً نہیں کر سکتا۔ کیا جناب والا آپ اپنے کُتّے کو ماریں گے۔ کہ اس کی چھاتیوں سے عمدہ دودھ نہیں نکلتا۔ کیا اپنی بلی کو زدوکوب کرینگے۔ کہ کیوں آج اس نے آپ کو اچھی سواری نہیں دی۔ کیا آپ گائے کو ہنٹر رسید کریں گے۔ کہ وہ گھاس کیوں کھاتی ہے۔ کیا آپ اپنی بھیڑ پر ناراض ہونگے۔ کہ کیوں مزیدار سُریلا گانا وہ نہیں گاتی۔ یا آخر میں آپ بندروں کے جوڑے پر ناخوش گے۔ کہ کیوں وہ نر مادہ مل کر نہیں ناچتے*

نہیں صاحب۔ نہیں۔ آپ عقلمند ہیں ایسا ناقابل عفو فعل آپ سے کب ہو سکتا ہے۔ آپ کا عدل و انصاف تو شائد اسقدر بھی گوارا نہ کرے کہ معمولی سے معمولی تنگ مزاجی کا اظہار آپ کسی پر ایسے امر کے نہ کرنے سے کریں جو فطرتاً اس سے ہو نہ سکتا تھا۔ اور اگر یہ بات درست ہے۔ تو مکرم!! اگر کلیسیا کے اصولوں کا ماننا میری نجات کے لئے ضروری ہے تو کیا میں خدا کی

عقل و انصاف کو اپنے عقل و انصاف سے بہت کم سمجھوں
بلکہ خدا کو تو ایک اور فضیلت مجھ پر ہے - وہ تو میرا خالق بھی
ہے - اور علیم بھی ہے - کیا جو کچھ نقص بھی میری فطرت
میں ہیں وہ بحیثیت خالق ہونے سے خود ہی ان کا ذمہ دار
نہیں - وہ میرا بنانیوالا ہے - کیا اس کو علم نہیں کہ مجھ
میں کیا استعداد ہے - اور کیا استعداد نہیں - کونسا انصاف
اور کونسی شرافت اُس کو اجازت دیگی - کہ وہ مجھ سے ان
باتوں کی توقع رکھے جس کے لئے مَیں بنایا ہی نہیں گیا - جب
وہ جانتا ہے کہ میں کیا ہوں جب وہ خود ہی میری اس خلقت
کا ذمہ وار ہے - جو مجھے شریعت پر چلنے کے قابل نہیں رکھتی -
تو پھر یہ کہاں کی شرافت ہے کہ وہ شریعت میرے لئے تجویز
کرتا ہے +

اِس طرح صاحبان عیسائیت - دو کونوں کو ملانیوالے
عنکبوتی پل پر معلّق ہے - اگر انسان شریعت کی پابندی
کر سکتا ہے اور دوسروں کو ایسا سکھلا سکتا ہے - تو پھر خدا
کی سلطنت میں داخل ہونے کا وعدہ صرف اسی ایک بات پر
جناب مسیح دے چکا ہے جیسے کہ میرے اقتباس کردہ الفاظ
تھے - پھر انسان کو کفارہ کی ضرورت نہیں - اور اگر
مَیں شریعت پر چلنے کے قابل ہی نہیں - تو پھر اگر خدا عادل

ہے۔ تو وہ کس عدل کے رُو سے مجھے سزا دے سکتا ہے پھر کفارہ ایک فضول امر ہے۔ دوسری طرف اسلام جس کے معنے ہی کامل پابندی قوانین ہے۔ ہم کو تعلیم دیتا ہے۔ کہ وہ انسان اپنے اندر اعلےٰ سے اعلےٰ استعدادیں اور قابلیتیں رکھتا ہے۔ جن کو فعل میں لاکر وہ اپنی نجات حاصل کر لیتا ہے۔ صاحبان۔ بہشت اسلامی اصطلاح میں بعد الموت انسان کی اس حالت کا نام ہے۔ جب اس کے کل قوی اور استعدادیں مکمل نشوونما پالیں ایسا ہی جب مرنے پر انسان کی اخلاقی اور روحانی قوتیں بلا تعدیل و تہذیب حالت میں رہیں تو وہ اپنی دوزخ اپنے کت صوں پر ساتھ لیجاتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کے مطابق تمہارا بہشت اور تمہارا دوزخ تمہارے ساتھ اور تمہارے اندر ہے جو بعد میں حس و شکل سے ماتحت ہو سکتا ہے۔

اب میں آپ سے ایک اور امر دریافت کرتا ہوں۔ اگر آپ دیکھتے ہیں کہ ہم اس زندگی میں بھی مکافات عمل بھوگتے ہیں اور اگر آپ دیکھتے ہیں کہ نادر حالات کے سوا ہم خود ہی اپنی خوشی اور تکلیف کے ذمہ دار ہیں۔ لہذا اگر ہمارا کوئی فعل بھی پھل دئیے بغیر نہیں رہتا۔ اور یہ پھل ضروری نہیں کہ فوراً ہی ملجائیں۔ بلکہ اکثر تو کچھ وقت چاہیئے۔ جب ہمارے اعمال

کے پھل طیار ہوں اور خصوصاً اُن افعال و اعمال کے پھل جو کسی اِنسان سے اپنی موت سے کچھ ہی وقت پہلے سرزد ہوئے ہوں۔ اب اگر ہیں ان منطقی قضایا پر یہ نتیجہ مُترتب کرنے کا حق رکھتا ہوں۔ کہ بعدالموت زندگی سے آپ قائل ہوسکتے ہیں۔ تو پھر قرآن نے انسانی استعداد و ںکی تکمیل نمو کا نام بہشت اور اُن کے غیر طبعی اور نا تربیت و تعدیل یافتہ حالت کا نام دوزخ رکھا ہے +

مجھے اس سے اِنکار نہیں کہ اِنسان کا میلان طبع شریعت کے توڑنے کی طرف بھی ضرور ہے لیکن یہ رُجحان اسبات کا ثبوت نہیں کہ ہم میں پابندی شریعت کی استعداد نہیں۔ ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے جن کا اعلےٰ مشن نسل اِنسان کو معراج شرافت پر پہنچانا تھا۔ فرمایا ہے۔ کہ ہر ایک بچہ بروقت ولادت مسلمان فطرت رکھتا ہے۔ اسمیں پابندی شریعت کی استعداد ہوتی ہے۔ یہ تو اس کے بعد کے لواحق حالات ہیں۔ جو اس اسلامی فطرت سے محروم کر دیتے ہیں۔ اور وہ قانون توڑنے لگتا ہے +

بہرحال اسلام اور عیسائیت میں فیصلہ کُن امر یہ ہے کہ آیا انسان سے قانون پر چلنے کی استعداد ظاہر ہوئی ہے یا نہیں

اگر ہم اپنی سوسائٹی کے ڈھانچ اور اُس کے کاروبار پر سرسری نگاہ بھی ڈالتے ہیں۔ تو اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے۔ کیا عجیب بات ہے کہ انہیں قوموں نے علے الخصوص جو عیسائیت کو مانتے ہیں۔ اپنے روزانہ طریق عمل سے عیسائیت کے اس بنیادی اصول کا بطلان کیا ہے۔ ہم مشرقی لوگ تو ان تمام اغلال اور زنجیروں سے جو مغرب میں سوسائٹی کے تجویز کردہ رواج نے پیدا کر رکھے ہیں۔ بہت ہی آزاد ہیں۔ آپ میں سے تو قریباً ہر ایک کو بیشمار قواعد جو فیشن اور رواج نے پیدا کر رکھے ہیں۔ کپڑے پہننے میں۔ کھانا کھانے میں۔ چلنے پھرنے میں۔ پبلک کاموں میں ادا کرنے پڑتے ہیں۔ تمہاری تو روزمرّہ کی تعطیلیں اور دفع الوقتی یا تفریح کے اشتغال ضوابط اور قواعد کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور کیا عجیب بات ہے کہ تم یہ سارے کے سارے قواعد تو پابندی کے ساتھ ملحوظ رکھتے ہو۔ لیکن جب مذہب کا سوال آتا ہے۔ تو پھر تم کچھ اور اظہار کرتے ہو۔ آؤ میں آپ کو ذرا ان قواعد اور ضوابط کی طرف متوجہ کروں۔ جن کو ملک کے واضعان قوانین نے وضع کر دیا ہے۔ کیا تم میں سے اکثر عمدہ شہرت کی زندگی نہیں بسر کرتا۔ کیا آپ میں سے اکثر اُن قوانین پر نہیں چلتے جو

گورنمنٹ نے بنائے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ ابھی تک ہمارے
بادشاہ جارج اس تعہد مہمانداری سے سبکدوش نہیں ہوئے
جو شاہی مہمانوں کی جیلخانہ کی چار دیواری میں روزانہ انکے
ذمہ ہے۔ لیکن لکھو کھا ہم میں سے ایسے ہیں جو نہایت
پابندی کے ساتھ فوجداری اور دیوانی قوانین کا لحاظ
کرتے ہیں۔ آپ کسی فلسفۃ القانون کے فاضل سے
دریافت کریں۔ اور وہ آپ کو بتلا دیگا۔ کہ آپ کے یہ سارے
قوانین اور ضوابط اور احکام۔ اپنی ابتدائی شکل میں
انہیں قوانین سے نکلے ہوئے نظر آتے ہیں جو جناب موسیٰؑ
اور اسکے متبعین کو ملے تھے۔ کیا ہی مزیدار امر ہے۔ اور سوچتے
ہوئے بھی مزا آجاتا ہے۔ کہ اگر ہم چاہیں تو ملک معظم کی
سلطنت میں تو فرمانبردار اور قانون پر چلنے والی رعایا
بن سکتے ہیں۔ نہیں بنا چاہتا تو خدا کی سلطنت میں نہیں بنا
جاتا۔ حالانکہ جو قوانین خدا کے تجویز کردہ ہیں وہ زیادہ تر
سہل۔ ہمارے حالات زندگی کے زیادہ تر مناسب اور
طبعی بمقابل اُن قوانین کے ہیں جو ہماری سوسائٹی کی
پیچیدگیوں نے ہم پر ڈال رکھے ہیں۔ اگر عیسائی کلیسیا کی
تعلیم کو کم از کم اس کے معلم مسیح مانتے ہیں۔ تو کیا میں یہ یقین
کرنے کی اجازت رکھتا ہوں کہ مسیحی کلیسیا کے بڑے بڑے

عمائد اور لشپ ۔ فطرتاً جرائم ہمیشہ اپنے آپ کو سمجھتے ہیں العیاذ باللہ آپ کسی سوسائٹی کی پرداخت اور اس کے ڈھانچ پر غور کریں خواہ وہ سوسائٹی کیوں نہ ابتدائی حالت میں ہی ہو ۔ وہ سوسائٹی چل ہی نہیں سکتی جب تک اس کے افراد میں اُن قوانین پر چلنے کا من سمجھوتہ نہ ہو جائے ۔ جو جان اور مال کی حفاظت کے لئے بنائے گئے ہیں ۔ اور کیا یہ قانون بن بھی سکتے ہیں ۔ جب تک قانون پر چلنے کی استعداد نہ ہو ۔ اگر کوئی سمجھنا چاہے تو کیسی سیدھی باتیں یہ سمجھنے کو ہیں ۔ پر یہ بات مجھے خود بھی سمجھ نہیں آتی کہ کیوں عامہ زندگی میں تو ہم عقلمند نظر آتے ہیں لیکن مذہبی معاملات میں عامہ عقل سے بھی ہمیں جواب دینے کو کہا جاتا ہے ۔

ہاں بیشک یہ مذہب کا اور ایسا ہی ہر سوسائٹی کا فرض ہے ۔ کہ وہ قلب انسانی میں ایسی کیفیات پیدا کر دے جس سے انسان قانون کی عزت کرنے پر آمادہ ہو جائے عیسائیت کی تو بنیاد ہی نرالی ایک اصول پر رکھی گئی تھی ۔ اسلئے اسکو اور اصول وضع کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی ۔ کیونکہ میں نے ابھی دکھلایا ہے کہ جس قدر عیسائیت کے دو چار اصول ہیں وہ شاخیں اور فرع اس ایک اصول کے ہیں جس کے ماتحت گناہ یا قانون کا توڑنا ہمارا ورثہ اور فطرت ہے ۔ لیکن اسلام جس نے

انسان کو شریف طبع اور شریف فطرت سمجھا ہے اُس نے بعض اصول اور عقائد وضع کئے ہیں جن سے انسان پر اپنی یہ شرافتِ فطرت قائم رکھ سکے۔ مگر پیش ازیں کہ میں اسلام کے ان اصولوں پر کچھ روشنی ڈالوں۔ آپ مجھے اجازت دیں۔ میں اول تشریح و توضیح کے لئے اُن آپ کی انسٹیٹیوشن اور ضوابط کا کچھ ذکر کردوں جو نہ صرف اپنی بلکہ انسانی سوسائٹی کی حکومت و آئین نے سوسائٹی کے ہر مرحلہ۔ اپنی بہبودی اور سوسائٹی کے چلانے کے لئے ضروری سمجھے ہیں؛

یہ امر صداقت اور حقیقت ہے کہ قانون کے سوا چارہ نہیں۔ دو آدمی بھی تو اس تفہیم اور من سمجھوتہ کے سوا دو دن اکٹھے گذارہ نہیں کر سکتے۔ کہ وہ ایکدوسرے کے حقوق و فرائض کی عزت کریں گے۔ جان و مال کی حفاظت کرنا ہی تو ہر حکومت و آئین کا بنیادی پتھر ہے۔ اور مابینی حقوق و فرائض کی حفاظت۔ تعدیل و تقسیم ہی قوانین کو عدم سے ہستی میں لاتی ہے۔ لیکن قانون پر لوگوں کو پابند کرانا بعض امور لازمی کو چاہتا ہے۔ سب سے پہلے قانون تب عزت پاتا ہے جب اس کا سرچشمہ وہ وجود ہو جس کو ہمچشموں میں ایک قسم کا شاہی اقتدار خواہ رضامندی سے یا کسی اور طرح حاصل ہو چکا ہو۔ بادشاہ۔ پارلیمنٹ مجلس وضعانِ قوانین

وغیرہ مختلف شکلیں اور صورتیں اُس وجود کی ہیں جس کو ہم
سرچشمۂ قوانین لکھیں گے لیکن یہ قانون کے سرچشمے آپ میں
سے ہر ایک تک اپنے احکام اور قوانین پہنچا سکتے ہیں
جب تک ان میں اور آپ میں کوئی بالواسطہ درمیانی وجود
نہ ہوں۔ آپ اپنی سوسائٹی کو دیکھ لیں انہوں نے عملاً
ایسے قوانین رسانوں کا وجود سرچشمۂ قوانین
میں اور رعایا میں تسلیم کر لیا ہے۔ یہ قانون رسان قوانین
کو رعایا تک پہنچاتے اور قانون کو شائع کرتے ہیں سرچشمہ
قانون۔ قانون اور اشاعت قانون تو ہو گئی لیکن قانون
ابھی تک بیجان تحریر اور ناقابل عزت رہ گیا۔ جب تک ہم ایسے
اصول نہ بنائیں جس سے لوگ قانون کی عزت کریں کیسی
قانون کی عزت نہیں ہو سکتی جب تک قانون توڑنیوالوں
کے لئے سزائیں تجویز نہ ہوں۔ صرف ایک یہ خیال ہی کہ
میرے اعمال کا ضرور محاکمہ ہو گا اور میرے ثمرات میرے اعمال
پر مترتب ہونگے۔ ہاں یہی ایک بڑا خیال ہے جو ہم میں سے اکثروں
میں قانون پر چلنے کی تیاری پیدا کر دیتا ہے۔ اسلئے ہر ایک
مہذب سوسائٹی نے نہ صرف قانون توڑنے والوں کے لئے
سزائیں تجویز کی ہیں بلکہ یہ بھی انتظام کیا ہے کہ ایسے لوگ
کسی جگہ لائے جائیں۔ اور وہاں انکے اعمال کا محاکمہ بھی کیا جائے

اور پھر محاکمہ کے بعد ان پر سزا یا جزا مترتب ہو - یہ تمام امور سطے بٹھائے نہیں ہو جاتے - جب تک عمّال ان قانون مقرر نہ ہوں - اور ہر ایک سوسائٹی نے پولیس جیلر - ناظر وغیرہ وغیرہ شکلوں میں یہ عمّال مقرر کئے ہیں - الغرض یہ چھ امور ہیں جس پر ہر ایک سوسائٹی کا ڈھانچ رکھا گیا ہے اور ادنےٰ سے لیکر اعلےٰ سے اعلےٰ سوسائٹی تک ان چھ امور کو قبول کیا ہے لیکن یہ تو سوسائٹی کی ایک قسم کی مشینری ہے - اس ساری مشینری کا چلنا اور کسی قوم کا مرفع الحال ہونا ایک اور بات پر حصر رکھتا ہے - جب تک ہر ایک فرد اس فکر میں نہ ہو تو کہ وہ اپنے ہر ایک فعل کا ذمہ وار ہے - اور وہ یہ سمجھ لے کہ اس کا ہر ایک فعل ایک نہ ایک نتیجہ پیدا کریگا - یعنے ہمارا یہ ایمان ہونا چاہئے اور جسقدر یہ ایمان مضبوط ہوگا اسی قدر دُنیا میں نیکی پھیلیگی اور بدی دُور ہوگی اور وہ ایمان یہ ہے کہ دُنیا میں ہر ایک چیز علت اور معلول یا سبب اور نتیجہ کے رشتہ میں مربوط ہے - بدی کا نتیجہ بدی اور نیکی کا نتیجہ لازماً نیکی ہے - یعنے اسباب اور نتائج میں اٹل رشتہ ہے - یہی ایک یقین ہے جو مجھے بدی سے بچا سکتا ہے - اور نیکی پر مائل کرسکتا ہے جسکو انگریزی میں (Theory of causation)

یا نیکی اور بدی کے مقررہ اندازے کہتے ہیں +

الغرض اگر اس لازمی اصول کو ان چھ اصولوں کے ساتھ شامل کر دیا جائے جو ہر سوسائٹی کے روح رواں ہیں۔ تو یہ ذیل کی سات صداقتیں ہیں جن پر سب کا عملاً ایمان ہے +

(۱) اضع قانون یا سرچشمۂ قانون۔ دوم عمّالان قانون سوم خود قانون۔ چہارم قانون رسان۔ پنجم محاکمۂ قانون ششم نیکی اور بدی کے اَن ٹل اندازے۔ اور ہفتم قانون کے محاکمہ کے لئے حاضر ہوتا +

صاحبان مجھے اب ایک ہی اور بات کہنی ہے۔ اور پھر میں آپ کو بتلاؤں گا۔ کہ اسلام نے کس طرح انہیں سات باتوں کو اپنے سات بنیادی اصول تعلیم دیئے۔ اور قبول کئے ہیں +

اسلام آپ یاد رکھیں کوئی مفروضہ یا تراشیدہ ایسے اصول نہیں سکھلاتا کہ جن کے جاننے یا نہ جاننے سے انسانی جماعت کا نہ تو علم کم ہوا نہ زیادہ اور نہ اسے فائدہ ہوا نہ نقصان +

اور یہ بھی آپ سُن لیں کہ اسلام نے نہ ہم کو بعض رسُوم کے بوجھ سے دبایا ہے۔ اسلام تو روزانہ زندگی کا مکمل

ضابطہ ہے۔ جس پر چل کر آپ دُنیا کا مفید ممبر بن سکتے ہیں۔ ہاں یہ چند عقیدے بھی آپ کو تعلیم کرتا ہے جس سے آپ کو اس ضابطے کے قبول کرنے کی ہدایت ہو۔ بعض روزانہ اعمال بھی ہمارے ذمہ لگاتا ہے جس سے وہ ضابطہ اور وہ عقیدہ رات دن آپ کے نصب العین اور پیش نظر رہیں۔ عیسائیت کی طرح اسلام نے یہ تعلیم نہیں دی۔ کہ آئندہ زندگی کے خیال میں موجودہ زندگی کی پرواہ نہ کرو۔ نہیں نہیں اسلام کے نزدیک تو آئندہ زندگی بہتری یا بالعکس موجودہ زندگی کے اچھے بُرے ہونے پر منحصر ہے۔ قرآن کا یہ کہنا۔ کہ جو اس دُنیا میں اندھا بنیگا یا رہیگا۔ وہ اندھا ہی آئندہ اٹھایا جاویگا۔ ایک آیت میں ہزار جلد کی تفسیر رکھتا ہے۔ کہ کس طرح اس دنیا میں انسان کو بابرکت اور مفید ہونا چاہئیے۔ لیکن اب ایک اور بات بھی ہے۔ کیا انسان کا دل انسان کے افعال کا سرچشمہ نہیں۔ کیا ہمارے ارادے اور ہماری نیات جو ہمارے سینوں میں چھپی ہوئی ہیں۔ قطعاً اور خالصتاً ہمارے کُل کاموں کے ذمہ وار نہیں۔ کیا ہمارے اعمال کی تہذیب وتعدیل ہمارے دل کی تہذیب و تعدیل پر منحصر نہیں۔

کون نہیں جانتا کہ کاموں کی پاکیزگی دل کی پاکیزگی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور بد خیالات انسان کو بدی کا مرتکب کر دیتے ہیں۔ آپ کے عمال ان قوانین آپ کے محکمہ ٹھگی ڈکیتی کے ممبر۔ مانا کہ میرے اعمال کے ذریعہ میری نیات کو پڑھنے کی کوشش کریں۔ لیکن کیا وہ میرے دل کے اندر جا سکتے ہیں۔ کیا وہ سمجھ سکتے یا دیکھ سکتے ہیں۔ کہ میرا دل کیا کر رہا ہے۔ یہ بالکل ناممکن اسلئے اسبات کے لئے کہ تم میں طہارت قلب پیدا ہو کر طہارت افعال پیدا ہو جائے۔ تمہارا دل پاک ہو کر تمہارے اعمال کی پاکیزگی کا موجب ہو تمہارے دل ایک ایسی نگاہ تلے ہونے چاہئیں جو ان باتوں کو پڑھے جو تمہارے سینہ میں چھپی ہوئی ہیں۔ میں ایک اور بات کی طرف بھی تمہیں متوجہ کرتا ہوں۔ کیا نگرانی سے بچ جانا ہی بہت حد تک جرائم کے قیام اور جاری رہنے کا موجب نہیں۔ کیا پولیس کی نگاہ سے دور رہنا۔ یا گوشۂ تنہائی یا اندھیرا ہی جرائم پیشہ کی بد عملیوں کے لئے تلاش نہیں کیا جاتا۔ یہ تو سچ ہے۔ لیکن تم نے کیا علاج کیا ہے۔ کہ تم ہر ایک انسان کے افعال پر نگاہ حاضر و غائب رکھ سکو۔ نہیں یہ تم کر ہی نہیں سکتے۔ جب تک کہ تمہارا حاکم یا سر چشمۂ قوانین صفت حاضر و ناظر نہ رکھتا ہو۔

پھر میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اگر جرائم کی کمی بہت حد تک اس بات پر منحصر ہے کہ مجرم جرم کے بعد سزا سے بچ نہ سکے تو کیا ہزاروں اور لاکھوں مجرم تمام عمر سزا سے نہیں بچ گئے کیا تم سب کے سب مجرمین کو قانون کے شکنجہ میں لا سکے ہو۔ نہیں صاحب! تم یہ نہیں کر سکتے۔ اور خاص ان لوگوں کی سزا کا تم نے کیا علاج کیا ہے جو جرم کرنے کے دن ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ لہذا اگر سزا ابھی جرم کی روک سمجھی گئی ہے۔ تو تمہاری آئین بالکل نامکمل ہے۔ جب تک تم ان مجرمین کی سزا دہی کا انتظام نہ کر سکو جو اس زندگی میں سزا سے بچ گئے +

لہذا کسی سوسائٹی کا آئین اور دستور یا طریق حکومت اسی صورت میں مکمل ہو سکتا ہے جب یہ مان لیا جائے کہ اصل حاکم یا سرچشمۂ قانون۔ علاوہ اور صفات کا ملہ کی صفت حاضر و ناظر صفت علم کل صفت علیم بذات الصدور یعنے سینوں کے بھیدوں کے پڑھنے والی صفت سے بھی متصف ہے۔ اسی طرح سزا جرائم کے قطعی روک کا ذریعہ بنانے کے لئے یہ ہونا چاہیئے کہ ان اعمال کا کم از کم ابھی محاکمہ باقی ہے جن پر محاکمہ اور سزا اس دنیا میں مرتب نہیں ہوئے +

دوستو! تم ان ضروری عناصر کو اپنی اُن سات صداقتوں

کے مفہوم میں اضافہ کر دو - اگر تم نے اسلامی سات صداقتوں کو قبول کر لیا - یہ میری باتیں دعوی ہی دعوی ہونگی - اگر میں ان عربی فقرات کو آپ کے سامنے با ترجمہ نہ پڑھوں جن میں یہ سات صداقتیں بطور ایمان دیگئی ہیں تم میں کا کوئی شخص بھی اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ ان **سات صداقتوں** پر ایمان نہ رکھتا ہو - لیکن پیش ازیں کہ میں ان فقرات کو پڑھوں اور ترجمہ کروں - میں پھر آپ کی سوسائٹی کے سات اصول گن جاتا ہوں - تاکہ تقابل میں آسانی ہو - وہ یہ ہیں

(۱) بادشاہ یا اس کے بمنزلہ کوئی وجود یعنے سرچشمہ قانون جس کو میں آیندہ بادشاہ کہونگا -

(۲) بادشاہ کی رضا یا منشا کے عمل میں لانیوالے یعنے عمالان قانون -

(۳) بادشاہ کی رضا یعنے قانون -

(۴) رعایا تک بادشاہ کی رضا کے پہنچانیوالے یعنے پیغام رسانان قانون -

(۵) قانون کی خلاف ورزی یا اس پر عمل کرنے پر محاکمہ

(۶) بدی اور نیکی کے رشتہ بصورت علت و معلول -

(۷) ہمارا اپنے اعمال پر محاکمہ حاصل کرنے کے لئے جانا -

دیکھو یہی سات باتیں ذیل کی عبارت میں مسلمانوں کو تعلیم کی گئی ہیں جس کا نام **صفتِ ایمان** ہے :-

امنت باللہ وملائکتہٖ وکتبہٖ ورسلہٖ والیوم الاخرۃ والقدر خیرہٖ وشرہٖ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت ط +

(۱) مَیں ایمان لایا ہوں اللہ پر۔ جو سرچشمۂ شریعت ہے۔ جو حاضر و ناظر علیم بذات الصدور اور جمیع صفات کاملہ کا خدا ہے۔

(۲) میں اس کی رضا کے عمال یعنے فرشتوں پر ایمان لایا۔

(۳) میں اس کی کتابوں پر ایمان لایا۔ جن میں شریعت آئی۔

(۴) میں اُن رسولوں پر ایمان لایا جن کے ذریعے شریعت آئی۔

(۵) مَیں اس دن پر ایمان لایا جب شریعت کے ماتحت مجھ پر محاکمہ ہوگا۔

(۶) میں نیکی اور بدی کے اندازوں کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہوں یعنے وہ اٹل اور لاتبدیل ہیں۔

(۷) مَیں اس زندگی کے بعد پھر محاکمہ حاصل کرنے کے لئے

اٹھوں گا۔

ہم ان سات صداقتوں کو مانتے ہیں یہی اسلام کے سات اصول ہیں یہی سات اصول تمہارے ہاں بھی ہیں اگرچہ تمہارا مفہوم اُن کا اس قدر وسیع نہیں جس قدر ہمارا ہے۔ نیم نیم تم بھی مسلمان ہو۔ ہاں ذرا اپنے مفہوم کو بڑھالو۔ اور عملاً مسلمان ہو جاؤ۔ تم اگر قانون کے پابند ہو تو اسلام کی طرف آرہے ہو۔ ہاں اگر قانون کے پابند رہنے کے قابل تم اپنے آپ کو نہیں سمجھتے۔ اور گناہ کرو۔ تاکہ خدا کا فضل اُترے۔ اگر یہ ایمان ہے تو پھر ہمارے پاس یہ تشفی نہیں۔ عیسائیت اس کے لئے پولوس نے ظاہر کی ہے +

# خصوصیاتِ اسلام

یہ اس معرکتہ الآرا انگریزی تقریر کا ترجمہ ہے جو ۶ جولائی سنہ ۱۹۱۳ء میں مقام پیرس (فرانس) مذہبی کانفرنس میں حضرت خواجہ صاحب نے کی۔ یہی وہ تقریر ہے جس کو سنکر فضلائے یورپ کی توجہ اسلام کی طرف ہوئی + مترجم

صاحبان! قبل اس کے کہ میں اپنے نفس مضمون پر بحث کروں۔ میں آپ کا شکریہ ادا کروں۔ کہ آپ نے مجھے دوبارہ اپنے مذہب پر کچھ بیان کرنے کا موقعہ دیا اس بات کے لئے کہ آپ مذہب اسلام پر غور کریں۔ اور منصفانہ رنگ میں اسکی تعلیم کو حاصل کریں۔ اور اس پر تدبّر فرمائیں۔ محض یہ امر ہی کافی باعث ہونا چاہئے کہ

## اسلام

اُن محدُود اور مُتعدّد اسباب میں سے ایک بڑا سبب ہے جسکی وجہ سے آج یُورپ اپنی ضلالت اور تاریکی سے نکلکر روشنی اور تہذیب کا مرکز بن رہا ہے۔ اور رسُول اکرم کے متبع اس زندگی کی زندہ مثالیں ہیں جن کی بدولت اور جن کے اقتداء سے یورپ اپنے موجودہ مراتب کو پہنچا۔ افسوس کا

مقام ہے۔ کہ باوجود اس روشنی اور تہذیب کے جس کا اثر ہیں اس ملک کی زندگی پر عام طور پر مشاہدہ کرتا ہوں اور جس کی وجہ سے ہر ایک قسم کی مشکلات کو حل کیا جاتا ہے۔ اور ہر قسم کی ترقیات کا حصول ہوتا ہے اور باوجود اس روشنی کے میں دیکھتا ہوں۔ کہ اس ملک میں اس مذہب کی بابت سخت ناواقفیت اور لاعلمی پھیلی ہوئی ہے۔ جس نے ملک عرب میں اپنا جنم لیا۔ اور تمام دنیا کو اپنی روشنی سے معمور کر دیا۔ منجمد شمالی اور جنوبی کی تحقیقات میں روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ زندگی کی قربانیاں کیجاتی ہیں۔ طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ سمندر آپ کی نظروں سے چھپا ہوا ہے۔ جس کے پانیوں پر کروڑوں زندگیوں کی کشتیاں چل رہی ہیں۔ وہ جس نے دنیا کی روحانی۔ اخلاقی اور تمدنی زندگی کا کایا پلٹ دیا۔ تاہم مجھے آپ کے پروگرام سے یہ معلوم کر کے از حد خوشی ہوئی۔ کہ آپ کو ایک ایسے مذہب کے اصول قائم کرنے کی خواہش ہے جو دنیا کا مذہب قرار دیا جائے۔ اور نیز یہ کہ دنیا کے مختلف مذاہب پر تحقیقی اور تنقیدی نظر کیجائے لیکن پیشتر ازیں کہ مختلف مذاہب کے درمیان ایک مابینی اصول کی راہ قائم کی جائے۔ اور

اختلافات مذاہب کو جڑھ سے اُکھیڑا جائے - کہ ایک ایسے مذہب کی بابت جو ایک زندہ مذہب ہے جس کی حکومت دُنیا کی تہذیب اور تمدّن پر جاری ہے - جس کے اصُول کو دُنیا کا ایک کثیر التعداد طبقہ اپنا نصبُ العین قرار دیتا ہے کیا ضروری نہیں کہ ایسے مذہب کی بابت معتبر ذریعہ سے واقفیّت بہم پہنچائی جائے - آپ کی جیسی تمدن اور تہذیب کے ساتھ یہ امر بالکل متناقص واقعہ ہؤا ہے - ایسے اہم واقعہ کی بابت آپ کی واقفیّت و علم کے ذرائع ناقابل اعتبار ہوں - اور یہ علم خاص کر ایسے لوگوں کے ذریعہ سے آپ کو پہنچے - جو اصُولاً اسلام کے معاند اور مخالف ہوں مجھے اسلام کے متعلق کسی کی غلط فہمی یا احیاناً غلط تشریح کی کبھی شکایت نہیں ہوتی - افسوس اور شکایت کا مقام تو یہ ہے ہم غلط بیانیوں کے شکار ہو رہے ہیں - اور اسلام کو نہایت ہی بڑے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے - ایسی باتیں ہماری طرف منسوب کیجاتی ہیں - جن کا وجود ہماری تعلیم میں ہرگز نہیں پایا جاتا - ایسے بے بُنیاد الزامات سے اسلام کو متہم کیا جاتا ہے جنکا اسلام سے کوئی تعلق نہیں - یہاں تک کہ وہ تمام محاسن جو اسلام کی زیبائش اور فخر کا موجب ہیں اس سے چھین لئے جاتے ہیں - اور اس پر بھی اکتفا نہیں

کیا جاتا - بلکہ وہ تمام قباحتیں اسلام کی طرف منسوب کیجاتی ہیں جن کی بیخ کنی کے لئے اسلام آیا - اور جن کے مقابلہ میں اس نے نہایت کامیابی سے جہاد کیا - کیا آپ کی اس آزاد خیال کانگریس کی تمام کارروائی میں توحید الٰہی اور مساوات نفس الانسان قائم کرنے کی کوشش نظر نہیں آتی - تو پھر سب سے پہلے آپ پر لازم نہیں - کہ آپ اس مذہب کا شکریہ ادا کریں جس نے نہایت کھلے طور پر توحید اور مساوات کی تعلیم دی

قلت وقت اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ میں ایک نہایت ہی سرسری رنگ میں بھی اسلام کو آپ کے سامنے پیش کروں لیکن اس مہربانی سے فائدہ اُٹھا کر جو آپ نے مجھے اس مجلس میں بولنے کی اجازت دینے میں مجھ پر کی - میں محض اسلام کی چند ایک ایسی امتیازی خصوصیات کا ذکر کرونگا - جن کی بابت میں اپنے بیس سالہ تجربہ و مطالعہ کی بنا پر بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اسلام ہی کا خاصہ اور اسلام ہی کی ذات سے مختص ہیں +

## اسلام اور دیگر مذاہب کے متعلق اس کا برتاؤ

قرآن کریم کے افتتاحی الفاظ ہی اس فراخ دلی کی تعلیم کرتے ہیں - جو ہر ایک مسلمان کو دیگر مذاہب کی بابت ظاہر

کرتی ہے۔ اسلام کے قبل تقریباً تمام مذاہب کا یہ شیوہ تھا۔ کہ وہ اپنی تعلیم کو تو خدا کی وحی اور الہام پر مبنی ظاہر کرتے ہیں۔ مگر دوسرے مذاہب کو اس نعمت سے محروم بتاتے یعنے ہر ایک مذہب والے کے نزدیک دوسرے مذاہب کے مقتدی سب کے سب خداوند خدا کے سوتیلے بیٹے تھے۔ یا یہ کہ خداوند عالمین نے انہیں پیدائش دیکر ہمیشہ کے لئے بھلا دیا تھا۔ اس تنگ خیالی نے اقوام کو ایک دوسرے کا معاند بنا دیا۔ اور خداوند کریم کی مخلوق میں ایک تفریق کا رنگ پیدا کر دیا۔ جس کا نتیجہ جنگ و جدل ہوا اور جس نے بہت سی خیر و خوبی سے بنی نوع انسان کو محروم کر دیا۔ اسلام نے آن کر اس خیال کی بیخکنی کی اُس نے آتے ہی یہ فراخ دلی کا سبق سکھایا کہ

ولکل قوم ھاد

ہر ایک قوم کیلئے ایک ہدایت کُنندہ آیا۔ ہر ایک مذہب کی بابت یہ تسلیم کیا گیا۔ کہ اسکی تعلیم خدا کی مرسلہ تعلیم ہے لیکن سچ اور جھوٹ میں تفریق کے لئے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا۔ کہ اس تعلیم میں کہاں تک انسانی دست بُرد نے کام کیا۔ اور کہاں تک وہ اعتبار کے قابل ہے۔ ا لحمد للہ رب العلمین یہ قرآن کریم کے افتتاحی الفاظ ہیں۔ یعنی اللہ ہی کل عالم

کل انسانوں اور کل قوموں کا پرورش کنندہ ہے ۔ کیا جسمانی ربوبیت کا دائرہ کالے گورے یا اسود و احمر پر محیط ہے ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ روحانی ربوبیت صرف ایک خاص طبقۂ انسانی تک محدود رہے ۔ اگر نیچر ہر ایک انسان کی ضروریات کو بلا تفریق و تخصیص پورا کرنے کے لئے خلق کی گئی ہے ۔ تو کیا وجہ ہے کہ روحانی سلسلہ کا قانون اس کے خلاف عملدرآمد کرتا ہو ۔ اس حقیقت کا انکشاف خدا کی اس آخری کتاب کا کام تھا جو دنیا کے تمام طبقات انسانی کے لئے ایک ہدایت اور ایک روشنی لیکر آئی ۔ اسلام نے تو اس حد تک اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ اپنے لئے کسی جدید حیثیت کا دعویٰ ہی نہیں کیا ۔ بلکہ مصدقاً لما بین یدیہ کے دعویٰ پر ہی اپنی سچائی کی بنیاد رکھی اور اس طرح اس پرانے عہد نامے کی تجدید کی جو آدم سے لیکر مسیح تک بنی اسرائیل کی ہر ایک قوم سے ہوتا رہا ۔

قل اٰمنا باللّٰہ وما انزل علینا وما انزل
علیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب
والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ و
النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم
ونحن لہ مسلمون

اے مسلمانو تم لوگوں کو کہہ دو کہ ہم اس پر بھی ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہؤا - اور اس پر بھی جو ابراہیم اسمٰعیل اسحٰق یعقوب اور اُن کی اولاد پر نازل ہؤا - ہم وہ بھی مانتے ہیں - جو موسیٰ اور عیسیٰ اور ان کے سوا کل دُنیا کے انبیاء کو دیا گیا - ہم تو کسی رسول کے ساتھ بھی فرق نہیں کرتے - ہم تو ماننے والے ہیں +

یہ آیات نہ صرف رسُول اکرمؐ کی اتّباع کا سبق دیتی ہیں - بلکہ بنی اسرائیل کے تمام انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کا جوا مسلمانوں کی گردن پر رکھ دیتی ہیں - اسلام ایک سچا مذہب ہے - اور سچّائی جہاں کہیں سے ملے - جس مذہب میں پائی جائے - ایک مسلمان اس کا حقیقی حقدار ہے +

## مذہب اور عملی زندگی

دوسری خصوصیّت جو لازماً اسلام ہی کا خاصہ ہے یہ ہے کہ مذہب کی حقیقت کو ایک نہایت ہی عجیب رنگ میں پیش کرتا ہے - اسلام نے چند رسمیات اور چند عبادات اور قربانیوں کا نام مذہب نہیں رکھا - بلکہ ان پرُانی مذہبی رسمیات و عبادات کے انوکھے قواعد اور ان سب مشکلات سے نجات دیدی - ایک طرف اگر وہ رہبانیت کی عزُلت پسند زندگی کے برخلاف ہے - تو دوسری جانب

وہ محض خشک دُنیاداری کے اصُول سے بھی نفوُر ہے۔ اسلام عملی زندگی کے سہل قواعد ہی کا نام ہے۔ ہر ایک قول و فعل یہاں تک کہ ایک مسلمان کا تصوّر و تخیل بھی مذہبی رنگ سے رنگین ہونا چاہئیے۔ اسی غرض کو پوُرا کرنے کے لئے اسلام نے انسانی زندگی کی ہر ایک راہ اور ہر ایک پہلوُ کے لئے قواعد مُرتّب کئے۔ کیا ہماری روزانہ زندگی ہماری اخلاقی اور رُوحانی زندگی کوئی علیحدہ زندگی ہے۔ نہیں بلکہ رُوحانیت کو اگر کسی نے اخلاقی جذبات میں تعدیل اور خواہشات میں اعتدال کے سوائے کسی اور چیز میں سمجھ رکھا ہو۔ تو وہ انسانی فطرت سے محض ناآشنا اور مذہب کے مفہوم سے بالکل بے بہرہ ہے۔ ایک مسلم کی رُوحانیت اسلئے اس کے معبد (مسجد) کی چاردیواری کے اندر ہی محدُود نہیں۔ نہ ہی اُسے اُن خاص اوقات کی انتظار رہتی ہے۔ جن میں اسے رُوحانی فیوض کا مُنہ تکنا پڑے۔ بلکہ زندگی کے ادنےٰ سے ادنےٰ اعلےٰ سے اعلےٰ کاموں میں اُسے یہی تعلیم دیگئی ہے۔ کہ وہ ایک علیم اور بصیر خدا کے زیرِ نگرانی رہتا ہے۔ رسُول اکرم سے استفسار ہوُا۔ کہ اسلام کیا ہے۔ انھوں نے ایک مختصر جُملہ میں کیا ہی جامع تعریف کر دی۔ اسلام فرمایا۔

اللہ کی اطاعت اور خلق اللہ سے شفقت ہی کا نام ہے۔ (تعظیم لامر اللہ شفقت علی خلق اللہ) اور میرے خیال میں یہی مذہب ہے۔ جو آیندہ نسل انسانی کا مذہب قرار پا سکتا ہے۔ اس بات سے ہرگز انکار نہیں۔ کہ اسلام نے بھی چند ایک عقاید اور عبادات کی تعلیم دی ہے لیکن اس لئے کہ ان احکام ہی کو غلطی سے اصل اسلام نہ سمجھ لیا جائے۔ ان کو ایک محدود نام دیا۔ اور ارکان اسلام سے انہیں موسوم کیا۔ اُن کی ضرورت اور فوایدسے بھی انکار نہیں۔ کیونکہ سچے عقاید ہی عملی صورت اختیار کر کے انسان کے کمالات کا انکشاف کرتے ہیں۔ اس حقیقت کو کہ ایمان عمل صالحہ کے سوا ایک نئے حیثیت شئے ہے مفصلہ ذیل آیت میں نہایت ہی خوبی سے بیان فرمایا:۔

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب
ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر ۔۔۔ الی اخرالایۃ

## اسلام میں عبادت کی حقیقت

اس مقام پر مجھے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام نے عبادت کی حقیقت پر جو تعلیم فرمائی ہے۔ اس کا ذکر کر دوں۔ خدا کی ہستی اس سے بہت ہی بالاتر ہے۔ کہ اسے محض اس

بات میں خوشی حاصل ہو۔ کہ انسان اپنا کبر و نخوت ترک
کر کے اس کے سامنے عجز و انکساری کے ساتھ جھکے
اور تذلیل اختیار کرے۔ انسان کی فرمانبرداری یا نافرمانی
سے خدا کا کچھ بن یا بگڑ نہیں جاتا۔ وہ سب سے لوث
ہستی اپنی ذات اور صفات میں کامل اور مکمل ہے
اسلئے اسلام کے نکتۂ خیال سے ان اللہ غنی عن العلمین
خداوند کریم کا جلال یا اسکی تقدیس اس میں نہیں۔ کہ
اس کے جلال یا خدائیت کے گیت گائے جائیں۔ اور
اس کے آگے سر بسجود ہوں۔ بلکہ اسلام میں خدا کا جلال
یہ معنی رکھتا ہے۔ کہ انسان کی کمالات کی تکمیل ہو۔
اسکی تقدیس سے یہ مطلب ہے۔ کہ انسان کا تزکیہ ہو۔
قرآن میں عبادت کا لفظ ہی اِن معانی پر دلالت کرتا
ہے۔ عبادت کے معنے راستے کے ہیں۔ اور عمل کے بھی
یعنے یہ وہ راستہ ہے۔ کہ جس پر چلکر انسان کے پوشیدہ
کمالات کا اظہار ہوتا ہے۔ اسلئے عبادت کا مدعا ہی
ٹھیرا ہے۔ کہ مضمرہ کمالاتِ انسانی کا اظہار ہو اسکے
قوائے ارتقاء کی صورت حاصل کر کے خارج میں ظاہر
ہوں۔ ہاں ان پوشیدہ کمالات کو جس ہستی نے ہم
میں ودیعت کر رکھا ہے۔ وہی اُن کی تکمیل کی راہوں کا

رازدان ہے۔ اسی سے ہم کو وہ راستہ (عبادت) اور وہ طریق عمل سیکھنا ہے۔ جس سے یہ مقصد عظمیٰ حاصل ہو۔ اسلئے اس کے حکموں پر چلنا ہی ہماری عبادت ہے۔ تعظیم لامر اللہ کا نام عبادت ہے۔ ہاں ہم میں یہ استعداد پیدا کرنے کے لئے کہ ہم اس کے اوامر کی عزت و تعظیم کریں۔ ہم طبعاً اس کے قوانین پر چلیں ہم چند ایک ایسی عملیات کے محتاج ہیں۔ جن کو اپنا شعار بنا کر ہم آہستہ آہستہ کامل عبودیت و فرمانبرداری اپنے اندر پیدا کریں۔ اسلئے چند شعار کی ضرورت پیدا ہوئی۔ اور یہ شعار اسلام میں نماز۔ حج۔ روزہ اور زکوٰۃ ہیں۔ اور اسلئے ان شعار کا اختیار کرنا بھی عبادت ہو جاتا ہے۔ اس عبادت کی جڑھ بھی ہے۔ کہ انسانی کمالات ظہور پذیر ہوں۔ اور اس طرح انسان کے خالق کا جلال ظاہر ہو۔ اور اسکی تقدیس ہو۔ عبادت کے اس مفہوم کو مدنظر رکھ کر جو ایسے تزکیہ سے قاصر رہا۔ اس نے عبادت کا حق ادا نہیں کیا یہ امر تعلیم توحید کی ضرورت کو بھی کھول دیتا ہے۔ ہمارا اللہ کوئی حاسد خدا تو نہیں۔ کہ جسے دوسروں کے معبود بن جانے سے کوئی گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے۔ اسلام نے جو توحید پر اتنا زور دیا۔ تو صرف

اسلئے کہ یہی ایک قانون ہے۔ جو انسان کو کمال تک پہنچا سکتا ہے یہی ایک سحر ہے۔ جو احسن التقویم کے سربستہ راز کو کھول دیتا ہے۔ وہ خالق انسان وغیرہ ہے۔ اور وہی ان کمالات سے واقف ہے جو اُس نے اِنسان میں اور صحیفۂ قدرت کے مادہ میں پوشیدہ ودیعت کر رکھے ہیں۔ اور وہی ارتقاء کے ان تمام قوانین کا عالم ہے۔ جن کے ماتحت ان پوشیدہ کمالات کا خارج میں نشوونما اور ظہور ہو سکتا ہے۔ اِس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے کمالات تک پہنچنے کے لئے وہ راہیں ایک ہی خدا سے لیں۔ ایک ہی خدا کے حکم تلے ہو آجائیں۔ والا ہم اپنی حقیقت کو گنوا بیٹھیں گے۔ چنانچہ قرآن نے اس طرف اشارہ کیا۔ لو کان فیهما الهة الا الله لفسدتا۔ اور اگر دو خدا ہوتے تو پھر فساد ہی ہوتا۔ اس صورت میں توحید نہ صرف فساد کے لئے ایک سدِّ راہ ہے۔ بلکہ انسان اور نیچر کے درمیان ایک حقیقی تعلق قائم کر کے دونوں کے کمالات کے انکشاف کی ایک صحیح اور مستقیم راہ کھول دیتا ہے[1]۔

---

[1] دیکھو لیکچر توحید آلہی سلسلہ خطبات غربیہ ع۲

# زندگی کا ایک مکمل ہدایت نامہ

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے۔ کہ عبادت کو واقعی ہماری تکمیل اور تزکیہ میں اتنا بڑا دخل ہے تو معاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا ہمیں کسی ہدایت نامہ یا ضابطۂ قانون کی ضرورت ہے یا نہیں۔ یہ ایک بدیہی امر ہے۔ کہ ہمارے جسمانی حالات ہمارے اخلاق پر بہت گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ اسی طرح ہماری تہذیب اخلاق اور تمدن کے اصول ہماری رُوحانی زندگی کو ڈھالتے رہتے ہیں۔ ہمارے گرد و پیش کے تاثرات سے بھی ہمیں گریز نہیں۔ ہمیں ان سے اور انہیں ہم سے ایک وابستگی ہے۔ جس سے دونوں کو کوئی نہیں۔ پھر ان سب میں ایک اعتدال کی صورت قائم کرنا سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اس ضرورت کا احساس پھر ایک مکمل ہدایت نامہ کو چاہتا ہے۔ جو ایسے ہدایت نامہ کی ضرورت سے انکار کرے۔ اور رُوحانیت کے اصول کو بدنی اور خانگی تعلقات سے باہر تلاش کرے۔ وہ در اصل روحانیت کے اصل منشاء سے ناواقف اور زندگی کے اصول سے ناآشنا ہیں۔ اسی ضرورت کو پُورا کرنے میں اسلام کو ایک اور خصوصیت حاصل ہوئی۔ اور وہ یہ کہ زندگی کے ہر طبقہ اور ہر درجہ کیلئے اس نے قواعد مرتب کئے۔ ہر حیثیت کا انسان قرآن سے اپنی

ہدایت کیلئے قوانین اخذ کر سکتا ہے۔ اسطرح اسلام نے اس مشکل کو حل کیا جس کے سامنے اور مذاہب عاجز ہے۔ قرآن میں ایک وحشی کی کیحالت سے لیکر تمدن کے اعلے مراتب پر پہنچے ہوئے انسان تک ہر مرتبہ اور ہر حیثیت کے لوگوں کیلئے مختلف قوانین اور ہدایات موجود ہیں خانہ داری کے ابتدائی ہدایات سے لے کر تہذیب کے اعلے مراتب کے اصول تک اس میں درج ہیں۔ الغرض یہی ایک کتاب ہے جو انسان کو پستی سے بلندی کی طرف زمین سے آسمان کی طرف انسانوں سے خدا کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اور آخرالامر انسان اور خدا کے درمیان ایک وحدت کا تعلق قائم کرا دیتی ہے۔ اور انسان کو خدا سے ملا دیتی ہے۔ یہی تعلیم ضمناً انسان کو اس الزام سے بھی بری کرتی ہے جو فطری گناہ کے رنگ میں انسان کے گلے کا ہار ہو رہا تھا۔ انسان کی فطرت سلیم ہے۔ اسلئے اسلام نے اسے مسلم کا نام دیا۔ وہ طبعاً قانون کا پابند ہے۔ وہ فطرتاً خدا کا فرمانبردار ہے۔ گناہ کیا ہے؟ نافرمانی۔ اور اس طرح ہر ایک مسلم یعنی ہر ایک فرمانبردار معصوم یعنی بیگناہ پیدا ہوتا ہے۔ گناہ ایک انسانی مرض ہے۔ امراض کی مانند اس کی اصلاح بھی ہو سکتی ہے۔ انسان فطرتاً معصوم ہے۔ اور اسلئے سورۂ فاتحہ میں سکھایا۔ کہ وہ اپنے ہی عمل سے منعم علیہ یا

مغضوب علیہ ہو جاتا ہے۔ مجھے یہ بات ہرگز سمجھ نہیں آتی۔ کہ انسان فطرتاً خطا کار رہ کر کس طرح منعم علیہ کے مدارج کو حاصل کر سکتا ہے۔ اس گناہ کی غلامی سے بھی اسلام ہی نے انسان کو آزادی دی۔ یہ ایک احسان ہے۔ جو قرآن کریم نے ہم پر کیا۔ کہ نہ صرف ہمیں معصوم ٹھیرایا۔ بلکہ ہمارے سامنے ترقیات کا ایک غیر منتہی سلسلہ پیش کر دیا۔ چنانچہ فرمایا :-

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین الا الذین امنوا وعملوا الصلحت فلھم اجر غیر ممنون ٭

یعنی ...... ہم نے انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ استعداد پر پیدا کیا پھر اس میں ارذل سے ارذل مقام پر پہنچنے کیلئے استعداد رکھ دی لیکن جو لوگ صداقتوں کو قبول کر کے اس پر عمل پیرا ہوں۔ ان کی ترقی لامحدود ہے ٭

کیا یہ خیال کہ انسان لامحدود ترقیات کی قابلیت رکھتا ہے۔ آج ریشنلزم کا مائیہ ناز نہیں مسٹر لیکی اپنی ایک تصنیف میں فرماتے ہیں :-

یہ لاانتہا اور غیر منقطع ترقیات کا خیال ہماری موجودہ زندگی کے تمام تخیل میں جاری ہے کسی مضمون پر کوئی مستند کتاب اٹھالو یہی خیال کسی نہ

کسی رنگ میں موجود ہوگا۔ اِس خیال نے لٹریچر کی تواریخ میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے +

لیکن ترقی کے اِس زریں اصُول کو کس نے پہلی مرتبہ دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ آؤ تمھیں ہم بتائیں۔ کہ ریشنلزم پر تو ابھی بچپن کا زمانہ بھی نہیں گذرا۔ اور یہ خیال دنیا میں تیرہ صدیوں سے موجود ہے۔ اور جس مکمل صُورت میں اسے قرآن کریم نے پیش کیا ہے۔ وہ قرآن ہی کا خاصہ اور حق ہے۔ فرمایا کہ ہم میں دونوں قسم کی استعدادیں موجود ہیں۔ احسن التقویم پر تو واقعی ہماری تخلیق ہُوئی لیکن ساتھ ہی ایک متضاد امر کا ذکر بھی کر دیا۔ اور وہ اسفل سافلین سے ظاہر ہے کیا ہی سچّا اصول ہے۔ ہماری روزانہ زندگی نہایت کھلے طور پر اس کا ثبوت پیش کرتی ہے۔ دو انسان ایک ہی قسم کی استعدادیں پاکر دنیا میں آتے ہیں۔ تقریباً مساوی حالات کے ماتحت ان کی پرورش ہوتی ہے لیکن ایک دِن بدن ترقی کرتا ہے۔ اور دوسرا روز بروز گرتا چلا جاتا ہے! اور یہ کیوں محض اس لئے کہ ایک نے سیدھی راہ تو اختیار کیا اور دوسرے نے اس کے برعکس کو ترجیح دی۔ یہ خیال ریشنلزم کے خیال سے کہیں بڑھ چڑھ کر صفائی سے اس حقیقت کو کھولتا ہے۔ ریشنلزم صرف ترقی کی راہ کو پیش نظر رکھتا

ہے۔ اسلام اس کے مخربات سے بھی آگاہی دیتا ہے۔ مقدم الذکر اس زریں اصول کی تہ کو نہیں پہنچ سکا۔ اور اسلئے ناقص صورت میں اسے پیش کیا۔ اسلام نے جو فطرت کے قوانین کا رازدان تھا۔ اسی اصول کو کامل اور مکمل صورت میں کھولکر بیان کردیا۔ اور اس کے حصول کی راہ بھی کھول کر بیان کردی۔ چنانچہ فرمایا۔

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین ... الیٰ آخر السورۃ

وہ جو راہ مستقیم کو اختیار کر کے اس پر ثابت قدم رہتے ہیں اُن کے لئے لاانتہا ترقیات کا وعدہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا انعام یہی ہے۔ کہ پوشیدہ استعدادیں اپنے پورے کمال میں ظہور پذیر ہوں۔ جو ان ہی استعدادوں کو الٹی راہ چلکر نے موقعہ استعمال کر کے اسفل السافلین کے گڑھے میں گرتے ہیں۔ ان کی حالت کو مغضوب علیہم اور ضال کے نام سے تعبیر کیا۔ انعمت علیہم کا جملہ کیا ہی پُرمعنی ہے ہر قسم کے انعامات کا جامع ہے۔ ہر ایک ترقی پر محیط ہے اور قرآن کی اصطلاح میں سب انعامات سے بڑا انعام یہ ہے۔ کہ انسان خدا کا مقرب ہو جائے۔ اللہ اسکی دُعا کو سُنے۔ اور اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالے۔ اور یہ کوئی ناممکن امر نہیں۔ خداوند کریم کی صفات کبھی معطّل نہیں رہیں

اگر خدا نے گذشتہ زمانے میں کبھی انسانوں سے کلام کیا تو یہ گمان کہ اب وہ تکلّم پر قادر نہیں ایک بیہودہ خیال ہے اسی طرح اگر انسان کبھی اس قابل تھا۔ کہ خدا کا کلام اسکے مُنہ میں ڈالا جاتا تو کیا اب اس کی وہ استعدادیں سوگئی ہیں۔ اگر مادّی دُنیا آئے دن نیوٹن اور ایڈیسن جیسے انسانوں کو جنم دیتی ہے۔ تو کیا اسی بات میں امکان کے لئے روک ہے۔ کہ مسیح۔ کرشن اور بُدھ جیسے پاک انسان پیدا ہوں۔ کیا جسمانی مساوات رُوحانی مساوات کی مقتضی نہیں۔ اس امکان کو بھی قرآن کریم نے کھولکر بیان کیا۔ قرآن کے باہر بھی ہمیں اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ کرشن۔ بُدھ اور مسیحؑ نے اپنی بازگشت کی پیشگوئیاں اپنے اپنے وقت پر کیں۔ مسیح نے بھی کسقدر وضاحت سے اس بازگشت کی تفصیل فرمائی۔ چنانچہ یوحنا کی بعثت کو الیاس کی بازگشت قرار دیکر ہمیں یہ سمجھایا کہ خود اس کی بازگشت بھی کسی اور انسان کی صورت میں زمانہ کی ضروریات کے مطابق ہوگی۔ چنانچہ جب کبھی میں سُورۂ فاتحہ کا ورد کرتا ہوں۔ مجھے کبھی بھی کسی ایسے انعام کی طرف توجّہ نہیں ہوتی۔ جس سے مجھے دُنیاوی وجاہت اور بزرگی کا خیال ہو۔ میری خواہشات کا نصبُ العین ہرگز

یہ نہیں ۔ میں اِس دُعا میں انبیاء کی وراثت کا دعویدار ہوں ۔ میں کسی چیز کا سائل نہیں ۔ میں تو ہدایت چاہتا ہوں ۔ مجھے اپنی استعدادوں پر اعتبار ہے ۔ دُعا کی قبولیت کی شرط ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہر ایک اِنسان اپنی استعدادوں اور کمالات کے مطابق سن سکتا ہے

اسلام کی ایک اور خصوصیت یہ ہے ۔ کہ وہ اپنی تمام سچائیوں کی بناء عقل کے اصُول پر قائم کرتا ہے ۔ وہ کونسی بات ہے جو موجودہ تہذیب کو مذہب کے تعلق سے باز رکھتی ہے ۔ صرف یہی کہ دنیا کے مذہب ایسے عقاید پر قائم نہیں جو عقل کو اپیل کریں ۔ ہر ایک مذہب بعض امور کو عقائد کی صورت میں پیش کرتا ہے ۔ ہستی باریتعالےٰ ۔ ملائک جزا و سزا ایسے چند مسائل ہیں جنہیں مختلف مذاہب نے مختلف صورتوں میں پیش کیا ۔ یہی مسائل اسلام نے بھی اپنے عقاید نامہ میں رکھے ۔ کیونکہ یہی ہر ایک سچے مذہب کے اصل اصُول ہیں لیکن ایک امر میں اسلام اور مذاہب پر سبقت لے گیا ۔ اور وہ یہ ہے ۔ کہ اس نے تمام مسائل کو عقلی رنگ میں پیش کیا ۔ منطقی دلائل پر اُن کی سچائی کو ہمیشہ کے لئے قائم کردیا ۔ اور اس پر بھی اکتفا نہیں کیا ۔ صحیفۂ قدرت سے زندہ مثالیں لے کر اُن کی سچائی کو

تمثیلی رنگوں میں ہمیشہ کے لئے دِل نشین کردیا۔ اس روش پر چل کر ہمیں اور حقیقت سے بھی آگاہ کردیا۔ اور وہ یہ کہ آسمانی کتاب کو ہرگز اس بات کی احتیاج نہ ہونی چاہئے۔ کہ اس کا مُبلّغ اس کے لئے دلائل ڈھونڈتا پھرے۔ بلکہ الہامی کتاب کے لئے لازم ہے کہ اپنی سچائی کے لئے خود دلائل قاطعہ پیش کرے۔ اور اپنی سچائی کے ثبوت کے لئے کسی دوسرے کا دست نگر نہ ہو۔ یہ دولت بھی قرآن کریم ہی کا خاصہ ہے۔ انبیاء نے اپنے اپنے رنگ میں اپنی قوموں کو سمجھایا۔ مسیح نے بھی اپنی قوم سے علےٰ قدر عقولہم تمثیلی رنگ میں گفت وگو کی۔ کیونکہ ان کی بابت لکھا ہے۔ کہ وہ ایک نادان قوم تھی۔ لیکن اسلام نے انسان کو اپنے مقابل ایک معقولیت پسند اور مدلّل باتوں کو قبول کرنیوالی جماعت ٹھیرا کر ہر تعلیم کو معقولیت کا جامہ پہنایا +

# اِسلام کی اخلاقی تعلیم

تہذیب واخلاق پر ہر مذہب نے اپنے اپنے رنگ میں بہت کچھ سکھایا۔ علمی مذاق کے مطابق بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ لیکن انسانی فطرت کا جو باریک علم

اسلام کی تعلیم سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ کسی اور کی تعلیم میں نہیں پایا جاتا۔ ہم بہت سی استعدادوں کے مالک ہیں۔ رحم۔ محبت۔ حلم اور اسی قسم کے بہت فطرتی تقاضے ہمارے اندر ہیں۔ ان سب کو اکثروں نے غلطی سے اخلاقی محاسن سمجھ لیا ہے۔ اسلام نے اس امر سے انکار کیا ہے۔ اور یہ سکھلایا ہے کہ یہ طبعی تقاضے ہیں۔ اور قوتیں ہیں۔ بذات خود کوئی خوبی یا برائی نہیں اگر عقل اور ضمیر کے احکام کے ماتحت ان طبعی قوتوں سے کام لیا جائے۔ تو یہ محاسن ہو جاتے ہیں۔ ورنہ یہی قوتیں جن کو بعض نے اخلاق سمجھ لیا ہماری ترقی کے لئے روک ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ اخلاق ہیں تو پھر بعض حیوانات میں بھی تو یہ باتیں پائی جاتی ہیں۔ پھر وہ تو محاسن نہیں کہلا سکتیں۔ مثلاً کیا بکری میں کمال درجہ کی اطاعت۔ کمال حلم اور انکسار نہیں لیکن پھر کیا یہ صفات بکری میں اخلاقِ حسنہ کی حیثیت رکھتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ لیکن یہی صفات ہیں۔ جو عقل کی معیّت سے ان روحانی ترقیات کے پیدا کرنے میں ممد ہوتی ہیں۔ جن کا ذکر ہم انعمت علیھم کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ انسان کی ان طبعی قوتوں اور اخلاقی محاسن میں یہ باریک تفریق بھی اسلام ہی نے کی

اس نے اور کتب کی مانند صرف اسی پر اکتفا نہیں کہ اخلاقی خوبیوں کی ایک لمبی فہرست تیار کر دی - بلکہ اس نے نہایت باریک بینی سے ایک جامع اصول قائم کر کے اُن کے استعمال کا موقع اور محل ہمیں سکھایا - اور اس بات کو قرآن نے کھول کر بیان کیا - کہ ایک ہی امر ایک وقت میں نیکی اور دوسرے وقت میں متضاد حالات کے ماتحت بدی ہو جاتا ہے - ایک مجرم کو بعض حالات میں معافی دیدینا مفید اور دوسری حالت میں مکافات کو پہنچانا سلامتی اور امن سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے - اسی ضمن میں ایک اور غلطی کا ازالہ بھی قرآن کریم نے کر دیا - اور وہ اس طرح کہ بعض سخت اور کڑی خصلتیں بھی انسان کی طبیعت میں داخل ہیں - جن کو اکثروں نے بیجا طور پر بدیوں کے ضمن میں رکھا - انھوں نے انکے موقع اور بے موقع استعمال میں کوئی تفریق نہیں کی - گویا کہ خداوند کریم نے غلطی کی تھی - کہ غصّہ حسد بُغض اور عداوت کو ہماری طبائع میں جگہ دے رکھی تھی - جہاں قرآن کریم نے سچائی - حلم - احسان - مروت - جبارت وغیرہ کی اخلاقی قدر و قیمت کو تسلیم کیا - وہاں ساتھ ہی غصّہ - حسد - عداوت وغیرہ کے باموقعہ استعمال کو بھی نیکیوں میں شمار کیا اور مستحسن قرار دیا لیکن اس تیز جذبات کی تعدیل و تہذیب کے لئے

بھی ہمیں قواعد کی ضرورت تھی۔ اور اُن سے بھی قرآن کریم نے ہمیں محروم نہیں رکھا ٭

دراصل جسمانی اور رُوحانی زندگی کو ایک دوسرے کے متبائن سمجھنا ایک بڑی غلطی کا ارتکاب ہے۔ کوئی اعلٰے اخلاقی یا رُوحانی کیفیت ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی جبتک کہ رُوحانی اور جسمانی قویٰ کی باقاعدہ تربیت نہ ہو۔ یہ امر نہایت ہی تشریح طلب ہے۔ لیکن وقت اجازت نہیں دیتا۔ کہ اس پر شرح اور بسط کے ساتھ بحث کیجائے۔ ہاں میں یہ کہتا ہوں۔ کہ قرآن نے اس پر نہایت شرح و بسط سے روشنی ڈالی ٭

## عورتوں کی حالت

عورتوں کیحالت کے متعلق میں نہایت ہی مختصر الفاظ میں کچھ عرض کرونگا۔ قبل از اسلام عورت ہر قسم کے حقوق سے محروم تھی یہاں تک کہ اسکی شخصیّت کو بھی تسلیم کرنے میں توقف تھا اسلام نے آن کر عورت کو اس غلامی سے آزاد کیا مساوات کی تعلیم دی۔ یہاں تک اُن کی حالت کو سنوارا کہ آج کل کی تہذیب بھی باوجود مہذب اور روشن اصولوں کے عورت کی اس منزلت اور مقام کو تسلیم نہیں کرسکی۔ جو اسلام نے اُسے

دے رکھی ہے۔ اگر عورت پر مرد کی طرف سے بعض فرائض کا بار ڈالا گیا۔ تو اس کے مقابل میں مرد پر بھی عورت کے حقوق کا بوجھ لادا گیا۔ اِس طرح اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان مساوات قائم کر دی۔ عورت کے لئے ترقی کی تمام راہیں کھول دیں۔ اُسے جدا گانہ شخصیت دی۔ اور اس قعرِ مذلت سے اسے نکال دیا جسمیں غلط عقائد کی غلامی کی وجہ سے وہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال تک کس مپرسی کیحالت میں پڑی رہی +

# اسلام عیسائیت اور دیگر مذاہب

یہ اس معرکۃ الآرا انگریزی تقریر کا ترجمہ ہے جو بمقام (لنڈن) اڈنبرا سین کی گئی +

اسلام جس کے معنے اپنے ہر ایک چال و چلن اور عمل و حرکت کو اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری کے نیچے کر دینے کے ہیں۔ جو چاہتا ہے کہ انسان اپنی تمام ضروریات سب قسم کی خواہشات اور ہر ایک ارادہ اور رائے کے بالمقابل ان قوانین کا نہایت سختی اور درشتی کے ساتھ پابند رہے ان سب مذاہب کو تسلیم کرنا اور ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیتا ہے۔ جنہیں مختلف زمانوں اور مختلف ممالک میں مختلف پیغمبران الٰہی نے تلقین کیا ہے۔ قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے کہ قولوا امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق ولیعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم **ترجمہ**۔ کہو ہم ایمان لائے اللہ پر۔ اور جو کچھ نازل ہوا ہماری طرف۔ اور جو اترا ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر

اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اُن کی اولاد پر۔ ہم ایمان رکھتے ہیں اس پر جو دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور ان سب نبیوں کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے۔ ہم اِن سب کو خدا تعالیٰ کے سچے نبی یقین کرتے ہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک میں بھی (بحیثیت رسالت) فرق نہیں کرتے +

قرآن کریم کے نزول سے پیشتر دُنیا کی کسی قوم نے جو کسی الہامی مذہب سے تعلق رکھتی تھی۔ تمام دوسری اقوام کے عقاید کے متعلق ایسے آزادانہ اعتراف کا برتاؤ جائز نہیں سمجھا۔ مثلاً یہودی اور عیسائی آج تک یہی خیال جمائے ہُوئے ہیں۔ کہ دنیا کے تمام پیغمبر اور مُرسلانِ الٰہی نسل انسانی کی صرف ایک ہی شاخ یعنی بنی اسرائیل ہی سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور کہ اللہ تعالیٰ دُنیا کی دیگر اقوام کے ساتھ ہمیشہ ہی ایسا سخت ناراض رہا۔ کہ انہیں غلطیوں اور جہالت میں مبتلا دیکھ کر بھی اس نے اُن کی ایک ذرہ برابر بھی پروا تک نہیں کی +

دوسروں کو خدا تعالیٰ کے افضال واکرام سے باہر سمجھنے کے اس طریق نے جو کہ عیسائی مذہب یا اسرائیلیوں کے لئے کوئی تعجب خیز امر نہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے۔ کہ دُنیا کے قریباً تمام مذاہب نے اسی طریق کو اختیار کر رکھا ہے ایکدوسری

اقوام میں تعلّی شیخی - غرور اور آپس میں نفرت کے جذبات پیدا کرنے کا موجب ہُوا - اور اسکی وجہ سے خداتعالےٰ کے اس عظیم الشان کُنبہ کے متعدّد ممبروں میں نااتّفاقی اور جھگڑا برپا ہوگیا - اپنے اس خیال کو کسی ایک قوم نے بھی اس الٰہی فعل سے مطابق کرنا جائز نہ سمجھا - جو روز انہ ہمیں صحیفۂ قدرت میں نظر آرہا ہے - ہمارے خُدا نے تو لوگوں کے اندر کسی قسم کی تفریق نہیں کی - اس کی پرورش کا دائرہ کسی خاص زمانہ یا ملک تک محدُود نہیں - وہ تو تمام لوگوں کا پالنے والا یعنی سب زمانوں کا سردار - کُل ممالک اور سب جگہوں کا بادشاہ - تمام افضال کا سرچشمہ - ہر ایک جسمانی و رُوحانی طاقت اور قوّت کا ماخذ حقیقی - تمام مخلوق کا روزی رساں - اور موجودات عالم کا سہارا دینے اور قائم رکھنے والا ہے - اللہ تعالیٰ کے افضال تو تمام دُنیا پر محیط اور سب لوگوں اور تمام زمانوں پر حاوی ہیں - اُس نے تو تمام وہ قوٰے اور استعدادیں جو ہندوستان کے قدیم باشندوں کو عنایت کیں - وہی عربوں - جاپانیوں اور اہل امریکہ کو بھی عنایت فرمائیں - خدا کی سرزمین تو سب کے لئے ایک ہی جیسا فرش کا کام دیتی ہے - اور اس کے سُورج - چاند اور ستارے سب کو ایک ہی جیسی روشنی دیتے - اور ان اثرات سے

متاثر کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ودیعت کر رکھے ہیں۔ ہوا۔ پانی۔ آگ۔ زمین اور دیگر اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی اشیاء سے سب لوگ یکساں طور پر مستفید ہوتے۔ زمین کی پیداوار۔ اُس کے اناج۔ گھاس پھوس اور میوے وغیرہ کو تمام انسان استعمال کرنے کا برابر حق رکھتے ہیں۔ الٰہی انعامات کی یہ وسعت ہمیں یہ سبق دے رہی ہے۔ کہ اگر پانی۔ زمین۔ ہوا۔ اور قدرت کے دیگر افضال واکرام سے دنیا کی کوئی قوم یا بنی نوع انسان کا کوئی حصہ محروم نہیں رکھا گیا۔ تو یہ سب کے ساتھ ایک ہی جیسا سلوک روا رکھنے والا بے طرفدار خدا اپنے کلام سے جو کہ درحقیقت انسانی قابلیتوں کے نشوونما کے اسباب کا سب سے زیادہ ضروری اور لابدی حصہ ہے۔ بنی نوع انسان کو مشرف فرماتے وقت ایسا لاپرواہ اسقدر غیر منصف مزاج اور اپنی کروڑ ہا مخلوق پر ایسا ناراض کیوں ہو گیا۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسا سمجھنا اور خدائے تعالےٰ کے جسمانی و روحانی افعال میں ایسا بین تفاوت قرار دینا ایک قیاس باطل اور غلط خیال تھا۔ یہ ایک ایسی غلطی تھی۔ جو بنی نوع انسان کی باہمی اخوت کے لئے ایک زہر قاتل کا حکم رکھتی ہے۔ ہاں یہ وہ باطل عقیدہ ہے۔ جس کی ترویج وتلقین میں صدیوں

تک قوموں کی قومیں سر توڑ کوششیں کرتی رہیں ۔ حتّٰے کہ خدا تعالیٰ کا آخری کلام دنیا پر نازل ہؤا ۔ جس نے سب سے پہلے اس متفاوت سلوک کے غلط عقیدہ کو رد کیا +

ہماری پاک اور مقدس کتاب قرآن کریم اس خدا کی حمد و ثنا سے شروع ہوتی ہے ۔ جو نہ صرف ہندوستان یا عرب ۔ ایران ۔ شام ۔ یورپ اور امریکہ کا ہی پیدا اور پرورش کرنے والا ہے ۔ بلکہ تمام جہانوں کا خالق اور اُن کو پالنے والا ہے ۔ وہ پاک الفاظ جو یہاں استعمال کئے گئے ہیں "الحمد للہ ربّ العلمین" اس قدر وسیع ہیں ۔ کہ تمام مختلف انسانوں ۔ مختلف اوقات اور مختلف ممالک پر محیط ہیں ۔ قرآن کریم کا ایسے وسیع الفاظ سے شروع ہونا صاف طور پر ثابت کرتا ہے ۔ کہ یہ پاک اور مقدس کتاب اس غلط عقیدہ کی تردید کرتی ہے ۔ جو اللہ تعالیٰ کے وسیع اور غیر محدود افضال کو محدود اور اسکی پاک صفات کے فیوض کو کسی ایک قوم کے لئے مختص کرنا چاہتا ہے ۔ اور دوسروں کو اسکی عنایات کے دائرہ سے اس طرح سے باہر نکال دیتا ہے ۔ کہ گویا وہ اسکی پیدائش ہی نہیں ۔ یا اللہ تعالےٰ نے انہیں پیدا کرکے قطعاً بھلا دیا ۔ یا ایک ردی اور فضول چیز کی طرح باہر پھینکدیا ہے ۔ قرآن کریم کی یہ پہلی آیت ایک مسلمان کو سکھاتی ہے ۔ کہ

جس خالق و قیوم خدا نے تمام انسانوں کے جسمانی نشو و نما کے لئے یکساں سامان مہیا کئے ہیں۔ وہی ہماری روحانی پرورش کے سامان بھی پیدا کرتا ہے۔ یہ عالیشان عقیدہ جو قرآن نے تعلیم کیا ہے۔ بنی نوع انسان میں مساوات اور باہمی محبت و شفقت کو رواج دیتا ہے۔ اور اس تنگدلی کا قلع قمع کر دیتا ہے۔ جو نسل انسانی کے ڈھانچہ اور ساخت کو بکھیر کر رکھ دیتا اور خدا تعالیٰ کی عالمگیر ربوبیت کے باوجود بھائی کو بھائی سے جدا کر دیتا ہے۔ قرآن کریم کی یہ فیاضانہ تعلیم جناب موسیٰ اور عیسیٰ کی محبت میرے قلب میں پیدا کرتی اور ان کی تعظیم و تکریم پر دل کو ابھارتی ہے۔ اس تعلیم کی وجہ سے میں جناب رامچندر جی مہاراج اور جناب کرشن کی عزت کرنا اور ان پر ایمان لانا ضروری سمجھتا ہوں۔ قرآن کریم کے ساتھ اگر ایک طرف ہم بائیبل کے مصدقہ حصص کو بھی کلام الٰہی تسلیم کرتے ہیں۔ تو ساتھ ہی ہم گیتا اور ہندوستان کی دیگر مقدس کتب کو بھی اپنے ہندو برادران وطن کی شمولیت میں اپنی ہی ملکیت سمجھتے ہیں۔ لہٰذا قرآن کریم کی تعلیم کی رو سے اسلام ہر ایک اس مذہب اس عقیدہ اور اس صداقت کا نام ہے۔ جو کہ وقتاً فوقتاً مختلف ممالک اور اکثر قبائل میں ملہمان الٰہی نے تلقین کی ہے۔ وہ یکساں اور ایک ہی سرچشمہ سے تعلق

رکھتے تھے۔ ایک ہی ہستی کی طرف سے وہ دنیا میں بھیجے گئے۔ وہ یکساں اور ایک ہی صداقت کو انہوں نے تلقین کیا لیکن آہ! ازمنۂ سابقہ میں ایسے مؤثر اور کارگر ذرائع کے جو ابتداء سے الٰہی تعلیمات کو زمانہ کے تاثرات سے صحیح و سلامت اور محفوظ رکھنے فقدان کی وجہ سے ایک زمانہ گذرنے پر انسانی الحاقات و تحریفات کے مواقع اور سامان پیدا ہو گئے۔ برخلاف اس کے وہ زبانیں جن میں یہ کتب مقدسہ الہام کی گئیں متواتر تبدیلیوں کی مورد ہونے کے باعث قطعی طور پر متروک الاستعمال ہو گئیں۔ اور آئندہ نسلوں کے لئے اصل الفاظ کے صحیح مطلب تک پہنچنے کے لئے نا قابل عبور مشکلات اور رکاوٹیں پیدا ہو گئیں۔ علاوہ ازیں انسانی قواء اور استعدادوں کے نشو و نما اور کاروبار کی پیچیدہ صورتوں اور حالتوں کی وجہ سے جو دنیوی تہذیب کا ایک لازمی نتیجہ ہیں ایسی نئی ضروریات پیدا ہو گئیں۔ جو نئے احکام اور تعلیمات کی متقاضی تھیں ان پیدا ہونیوالی مشکلات کو حل کرنے کے لئے نبی پر نبی آتے رہے۔ جنہوں نے آکر ان پرانی تعلیمات کو دہرانے کے ساتھ حسب تقاضائے وقت بعض نئے اور ضروری احکام بھی تلقین کئے۔ انسانی گروہ کی مختلف شاخیں قدرتی

حدبندیوں کے باعث جتنی جتنی ایکدوسری سے دُور اور الگ الگ رہتی تھیں۔ اور آپس کے تعلقات اور میل جول کیلئے جس قدر کم وسائل اُن کو حاصل تھے۔ اتنے ہی ہر ایک قوم کو اپنے لئے علیحدہ علیحدہ پیغمبروں کی ضرورت تھی اور وہ ان میں مبعوث کئے گئے۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ وان من امة الاخلا فیھا نذیر۔ اور پھر فرمایا ولکل قوم ھاد۔ پھر فرمایا۔ ولقد بعثنا فی کل امة رسول ترجمہ۔ کوئی ایسی قوم نہیں جسمیں کوئی نذیر نہ آیا ہو۔ ہر ایک کیلئے ایک ہادی ہے۔ اور ہم نے ہر ایک قوم میں ایک رسول مبعوث کیا +

اگر ہندوستان میں ویدک رشی نیز جناب کرشن رامچندر اور گوتم بُدھ جیسے پاک انسان مبعوث ہوئے۔ تا کہ ان کی اطاعت اور پیروی سے ان اعلےٰ مراتب کو حاصل کیا جائے جو قُرب ووصالِ الہیٰ کا نشان ہیں۔ تو چین میں جناب کنفیوشس کی شکل میں ایک ایسا ہی زبردست رہنما پیدا ہؤا۔ اگر جناب زرتشت ایران میں مقدس رُوحانی آگ کے روشن کرنے کے لئے کھڑے کئے گئے تو شام کی سرزمین بھی اس الٰہی چشمہ سے سیراب کی گئی۔ جو کوہ طور سے رُشدوہدایت کا آب صفا لیکر بہ نکلا۔ اسی طرح سے جب کبھی اور جہاں

کہیں بدیوں کا غلبہ ہوا۔ اور لوگ بدکاریوں میں مبتلا ہوئے۔ تو وہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نہ کسی انسان کو کھڑا کر کے اُس کے ذریعہ اسلام کی بجھتی ہوئی شعاعوں کو دوبارہ روشن کیا۔ اسی تسلسل واقعات کے دوران میں دُنیا پر ایک اور حالت کا ظہور ہوا۔ اور بالکل نئے حالات پیدا ہو گئے۔ قوانین الٰہی کی خلاف ورزی دُنیا کے ہر ایک گوشہ میں کی جانے لگی۔ اور الٰہی حُدود و قواعد تمام کرۂ ارض پر یک مرتبہ توڑ ڈالے گئے۔ تاریکی۔ جہالت۔ کفر و الحاد بددیانتی۔ فواحش اور ناواجب آزادی جیسی بدترین خصائل تمام دنیا پر بادلوں کی طرح چھا گئیں۔ ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم رذالت اور کمینگی میں حد درجہ پر پہنچ گئی۔ اور نیکی یہاں تک معدوم ہو گئی۔ کہ گناہ اکثر مواقع پر گناہ نہیں بلکہ ایک قابل تعریف فعل سمجھا جانے لگا۔

ہمارا یہ بیان شاید بہت سے کانوں کے لئے ایک بالکل نئی بات ہو۔ لیکن ہمارا مطلب اس سے صرف ان تاریخی واقعات کا حوالہ دینا ہے۔ جن سے اس حالت کا پتہ لگ سکتا ہے۔ جو بعثت مسیح سے چھ سو سال بعد تمام سطح ارض پر مسلط تھی۔ اور جو اس بات کی کافی شہادت ہے کہ ارتقائے انسانی کے اس زمانہ میں نسل انسانی اخلاقی و

روحانی تنزل سے انتہائی گڑھے میں گر چکی تھی ایسی بدیوں کی فراوانی کے وقت میں ہی ہمیں مذہبی تاریخ کا وہ زمانہ دکھائی دیتا ہے کہ جب کوئی پیغمبر الٰہی دنیا میں مبعوث کیا جاتا ہے۔ بعینہ اسی طرح جیسے قانون قدرت میں اندھیرے کے بعد روشنی کے نمودار ہونے۔ خشکی اور امساک باراں کے بعد مینہ کے برسنے کا قاعدہ عام طور پر رائج ہے۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ یا تو مختلف ممالک میں کثیر التعداد پیغمبر مبعوث ہوتے۔ یا ایک ہی پرشوکت اور سب پر حکمران انسان دنیا میں آکر قدیم مذہب اسلام کو اپنی کامل اور مکمل شکل میں قائم کرتا۔ مگر اس وقت تاریخ عالم نے ایک نیا رنگ بدل لیا تھا۔ ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے۔ جنکی وجہ سے دنیا کی مختلف اقوام کے درمیان باہمی تعلقات کے قیام اور میل جول کا سلسلہ جاری ہونے میں بہت سی آسانیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ انسانی سوسائٹی کے مختلف افراد جو قدرتی اور مصنوعی حدود کی وجہ سے ایکدوسرے سے بالکل الگ تھلگ تھے۔ اس قدر ایکدوسرے کے نزدیک ہو گئے۔ اور ان کا باہمی رشتہ ارتباط اس قدر بڑھ گیا۔ کہ گویا وہ سب کے سب ملکر ایک ہی کے حکم میں ہو گئے۔ دنیا کا یہ اس قدر وسیع اور طویل و عریض خطہ ایسا ہو گیا۔ کہ گویا یہ ایک ملک ہے۔ تمام ممالک شہر ہو گئے۔ اور شہر بمنزلہ بازاروں کے ہو گئے۔ مختلف

اقوام اور مختلف طبقوں کے انسان بالکل قریب تھا کہ ایکدوسرے سے ملجائیں - ایک ایسے موقع اتصال وبیل ملاپ پر مختلف ہدایات بھیجنا بالکل گڑبڑ اور بیقاعدگی پیدا کرنا تھا - لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک آخری پیغمبر اس جگہ مبعوث فرمانا پسند کیا - جو اس وقت معلومہ دُنیا کا گویا مرکز تھی - جیسا کہ اس زبان کے لئے جس میں خدائیتعالےٰ کا آخری الہام نازل ہو - ضروری ہے وہاں کی زبان الفاظ اور ان کے مفردات کے معانی کے لحاظ سے کسی تبدیلی کے ہرگز متحمل نہیں - زبانیں آئے دن بدلتی ہیں - اور بہ سبب اُن متواتر تبدیلیوں کے جو اُن کے الفاظ اور معانی میں آئے دن ہوتی رہتی ہیں کچھ عرصہ کے بعد مُردہ زبان کے ہم آغوش ہو جاتی ہیں - جس کی وجہ سے پرانے مقدس صحائف بالکل ناقابل فہم اور سخت مشکل ہو جاتے ہیں - سطح زمین پر کی تمام زبانیں اسی نتیجہ کی مورد ٹھیر چکی ہیں اور آئے دن موت کا شکار ہوتی رہتی ہیں - اور اگر اس عام قاعدہ کے لئے کوئی استثنا ہے - تو وہ جیسا کہ پروفیسر وہٹنی اور دیگر یورپین ماہران علم الالسنہ (فلالوجسٹ) کو بھی اعتراف ہے - زبان حجازہی کے لئے ہے جس میں کہ قرآن نازل ہوا - عربی زبان کی یہ ناقابل تبدیل خاصیت

جس کی وجہ سے اسمیں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔ اسکو خدا تعالےٰ کے آخری الہام کی سخنگاہ بننے کی حقدار بنا دیتی ہے۔ عربی زبان میں ایک اور عجوبہ اور خصوصیت اس کے الفاظ کی وسعت معانی اور کثرت مطالب پر حاوی ہوتا ہے۔ عربی الفاظ اپنے اندر از حد فصاحت و بلاغت کو لئے ہوئے ہیں۔ اس زبان کا ایک ایک لفظ ان تمام مطالب کو واضح کر دیتا ہے۔ جن کیلئے کسی دوسری زبان میں ہمیں صفحوں کے صفحے سیاہ کرنے پڑتے ہیں۔ اس لئے بھی دینی و مذہبی عقاید و احکام کی تلقین کے لئے ان سے زیادہ موزوں اور کسی زبان کے الفاظ نہیں لیکن تو یہ امر بجائے خود ایک مستقل مضمون کو چاہتا ہے لیکن ہم چاہتے ہیں۔ کہ یہاں اس بات کے ثبوت میں ایکدو مثالیں ہی پیش کر دی جائیں۔ تاکہ ہمارا یہ دعوےٰ نرا ہماری خوش فہمی اور حسن عقیدت پر ہی مبنی خیال نہ کیا جائے۔ مثال کے طور پر ہم یہاں لفظ "گناہ" کو لیتے ہیں مختلف مذاہب اور فرقوں کے دینیات میں گناہ کی کیفیت اور تعریفات ایکدوسری سے بالکل مختلف ہیں لیکن کیا مختلف زبانوں کے تمام وہ الفاظ جو گناہ کے مترادف سمجھے جاتے ہیں۔ گناہ کے متعلق مذہب کی

صحیح منشاء کو ٹھیک ٹھیک بیان کرنے پر قادر ہیں - کیا انگریزی لفظ سن (Sin) یا یورپ کی کسی اور زبان کا کوئی لفظ جو اس کے مترادف ہو گناہ کے متعلق عیسائیت کے بیان کردہ خیال کو ٹھیک طور پر ظاہر کر دیتا ہے - ایسا ہی کیا فارسی لفظ "گناہ" زرتشتی مذہب کے اسبارہ میں صحیح اعتقاد کی وضاحت کے لئے کافی ہے یا کیا سنسکرت کا لفظ "پاپ" اس کیفیت اور منشا کو بیان کر دیتا ہے - جو دیدوں کے نزدیک برائی اور بدی سے متعلق ہے - ہم ان الفاظ سے ان معانی کو سمجھنے سے قاصر ہیں - جو ان تمام مذاہب نے تجویز کئے ہیں - لیکن آؤ - ہم تم پر عربی زبان کے الفاظ کی اس نادر خصوصیت کو منکشف کریں - اور دکھائیں کہ اس پاک زبان میں گناہ کے ہم معنی جو الفاظ ہیں - وہ ان تمام مطالب کو ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں جو ہمارے مذہب میں گناہ کے متعلق بیان ہوتے ہیں - قرآن کریم کی تعلیم کے بموجب کوئی چیز بحیثیت خود صحیح یا غلط کچھ بھی نہیں - ہر ایک چیز جو مخلوق الٰہی ہیں وہ اصل ہے اپنے خاص فواید کو لئے ہوئے ہے - ان اغراض سے علاوہ ان سے کوئی کام لو - پس حسب ارشاد قرآن کریم یہی گناہ ہے گناہ کے اس مفہوم کو عربی الفاظ جناح - ذنب - آثم

اور جرم باحسن وجوہ ادا کرتے ہیں۔ ہر ایک چیز جو اپنے مناسب موقع کے خلاف استعمال کی جائے۔ اس کا نام جناح ہے۔ ہر ایک خلاف قاعدہ فعل کا نام ذنب ہے ہر ایک چیز جسے اس کے اصل سے علیحدہ کردیا جائے جرم ہے اپنے اس بیان کو زیادہ مضبوط ثابت کرنے کے لئے ہم یہاں لفظ توبہ کو جو کہ رجوع کا مترادف عربی لفظ ہے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ توبہ کے لغوی معنے کسی کا اس جگہ کو واپس لوٹنا ہے جہاں سے اس نے انحراف کیا تھا۔ اس لحاظ سے گناہ کے معنے اسلام میں کسی جگہ یا کام یا چیز سے پھرنا اور توبہ کے معنے اس طرف رجوع کرنے کے ہیں۔ یہ تو لفظ جناح اور توبہ کے لغوی معنے ہیں۔ اور بھی کئی ایک صداقتیں اسلام کے اندر پائی جاتی ہیں۔ خدا تعالے کی ذات وصفات کے متعلق قیاس۔ الہام فرشتہ۔ نبوت۔ برائی نیکی۔ دوزخ آسمان اور اور ایسی ہی اکثر چیزوں کی ماہیت جو مذہب نے بتائی ہے عربی زبان کے الفاظ ہی اس کو ٹھیک طور پر بیان کرسکتے ہیں۔ دوسرے مذاہب میں ان تمام مذاہب کو سمجھنے کیلئے ہمیں بہت سی کتابیں اور رسالے پڑھنے پڑتے ہیں۔ لیکن اسلامی مسائل کو سمجھنے کے لئے صرف عربی الفاظ

کو سمجھ لینا ہی کافی ہے۔ دوسری کوئی ایسی زبان ہمارے علم میں نہیں۔ جس کے الفاظ میں یہ وسعت معنوی پائی جاتی ہو۔ اور اس لئے ہمارا یہ کہنا بے جا نہیں۔ کہ اگر دنیا کے تمام مختلف حصص کے اکٹھے ایک ملک کے حکم میں آجانے سے کسی عالمگیر زبان کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اگر وہی قدیم مذہب اسلام اپنی کامل اور مکمل صورت میں ہمیشہ کیلئے دنیا میں بھیجا جانا ضروری ہے۔ تو سوائے عربی زبان کے اور کوئی دوسری زبان اسکی تبلیغ کا ذریعہ بننے کے قابل نہیں

قرآن نے نازل ہو کر اس قدیم اسلام کو پھر تلقین کیا۔ جو اس سے پیشتر دیگر ملہمان الٰہی تلقین کر چکے تھے۔ اس پاک کتاب میں ان ہی گزشتہ صداقتوں کو تمام الحاقات اور غلط بیانیوں سے پاک کر کے دُہرانے کے ساتھ بعض نئی اور ضروری تعلیمات بھی سکھائی گئیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ رسول من اللہ یتلوا صحفا مطہرۃ فیہا کتب قیمۃ +

قرآن کریم اُن صداقتوں کو جو وید مقدس بائبل اور گیتا میں بیان ہوئی ہیں یا جن کا پتہ جناب رامچندر جناب بدھ اور دیگر انبیاء کرام کے اقوال سے چلتا ہے دُہراتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس موجودہ وقت کے

حسب حال جبکہ خدا تعالیٰ کی وہ تمام مخلوق جو گذشتہ صحف و الہامات کے موقعوں پر بالکل جدا جدا اور ایکدوسرے سے الگ الگ رہا کرتی تھی ایکدوسرے کے بالکل قریب آگئی۔ اور اس کا رشتہ ارتباط بہت بڑھ گیا ہے۔
قرآن کریم ان تمام قوانین کو بیان فرماتا ہے جو ہماری روزمرہ کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے والے ہیں۔ اگر کوئی چند اخلاقی باتوں اور رسومات کا ہی مجموعہ نہیں بلکہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق ہمارے لئے صحیح معلومات فراہم کرتا اور فرشتہ۔ الہام۔ نبوت۔ اُخروی زندگی۔ آسمان اور دوزخ وغیرہ جیسی بڑی بڑی اور اعلےٰ صداقتوں پر بھی روشنی ڈالتا ہے تو دوسری طرف اس نے ہمارے لئے بہت سے ایسے قوانین وضع فرمائے ہیں۔ جو سیاسی روحانی معاشرتی اور خانگی معاملات میں ہماری پوری رہبری کرتے ہیں۔ جن پر عملدرآمد کرنے سے تمام ہی نوع انسان کمال انسانی کو پا لیتے ہیں +

قرآن کریم صرف نماز۔ روزہ اور قربانی یا زکوٰۃ کے احکام تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ یہ زندگی کا ایک کامل ضابطہ ہے۔ اگر ایک بادشاہ کیلئے اسمیں ملک پر

حکومت کرنے کے لئے چند ایک قوانین دیئے ہیں۔ تو
رعایا کو بھی بادشاہ وقت کی خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم
فرمانبرداری کا اس نے حکم دیا ہے۔ اسی طرح ایک واضح
قوانین۔ ایک وزیر۔ ایک جج۔ ایک فوجی افسر۔ ایک
سوداگر۔ ایک پیشہ ور۔ ایک بیٹا۔ ایک باپ۔ ایک بھائی۔ ایک
خاوند۔ ایک بیوی۔ ایک ہمسایہ۔ ایک دوست۔ امیر اور
غریب۔ الغرض زندگی کے مختلف مراحل اور واقعات
میں انسان کو اس مقدس کتاب سے اپنی ہدایت رہبری
کا جس سے وہ انسانی برادری کا ایک مفید عنصر اور ایک
اعلےٰ درجہ کا شہری بن سکتا ہے۔ کافی سامان مل سکتا ہے
یہ کامل تعلیم صرف قرآن کریم میں ہی ہمیں مل سکتی ہے۔ اور
اس لئے ہم مسلمانوں کا یہ ایمان ہے کہ وہ پرانا اور قدیم
مذہب اسلام جو انبیاء کی کثیر التعداد نسلوں نے
تلقین کیا تھا۔ قانون کے لحاظ سے اس آخری الہام
کی شکل میں اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ جیسا کہ قرآن کریم
کا ارشاد ہے۔ الیوم اکملت دینکم و اتممت
علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ۔ حسبِ
عدم گنجائش صفحات اجازت نہیں دیتی۔ کہ ہم ان مباحث
کو تفصیل کے ساتھ لکھیں۔ جن کا ہم نے مختصراً اوپر ذکر

کیا ہے۔ لیکن اسلام کے بارہ میں یہ سخت ناانصافی ہوگی اگر ہم ان بیسیوں ضروری دلائل میں سے جو اُس کے نزُول کی ضرورت کو ثابت کرتے ہیں۔ اس ایک نہایت ضروری بات کا حوالہ نہ دیں۔ جس کا خود قرآن کریم نے یوں ذکر فرمایا ہے۔ کہ وما انزلنا علیک الکتٰب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ وھدًی ورحمۃ لقوم یؤمنون۔ اور ہم نے تجھ پر یہ کتاب صرف اسلئے اُتاری تاکہ تو ان تمام اختلاف کو جن میں کئی ایک فرقے اور جماعتیں مُبتلا ہیں کھول کر بیان کر دے۔ تاکہ وہ ایمان لانیوالوں کے لئے باعث ہدایت ورحمت ہو۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کہ ایک ہی مذہب کے مختلف فرقوں کے درمیان سخت اختلاف واقع ہو چکے ہیں اختلاف آرا مختلف مزاجوں اور طبیعتوں کے اختلاف کی وجہ سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ جس سے بہت سے خیالات قائم ہو جاتے ہیں۔ یہ اختلاف ہمارے خیال میں کسی مذہب کے لئے ہرگز مضر نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کے بنیادی اصول ٹھیک طور پر سچائی کے ساتھ تعلیم وتلقین ہوتے رہیں اور ان میں کوئی اختلاف اور تغیر وتبدل واقع نہ ہو جیسے کہ اسلام کے مختلف فرقوں کی حالت سے ظاہر ہوتا ہے مسلمانوں

کے تمام فرقے اسلام کے بنیادی اصولوں کو ایک ہی طرح پر مانتے اور اُن پر پختہ ایمان رکھتے ہیں۔ باقی ان اصولوں سے نیچے اتر کر دیگر فروعی مسائل چھوٹے چھوٹے اختلافات کا اصل مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا لیکن دوسری طرف دیگر اکثر مذاہب کے اندرونی فرقہ جات کی حالت پر ذرا نظر کرو۔ ان کے بنیادی اصول بھی ایکدوسرے فرقہ سے بالکل مختلف ہیں۔ اور باوجود اس کے ہر ایک فرقہ اپنے خیال کی تائید میں اصل کتاب سے ہی سند لاتا ہے۔ حالانکہ ظاہر ہے۔ ان تمام کے خیالات ہرگز صحیح نہیں ہو سکتے ایک ہی اعتقاد بہرحال صحیح ہو سکتا ہے۔ رومن کیتھولک اور ...... چرچ ان دونوں عیسائی فرقوں کے اعتقادات کو صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ ان دونوں میں سے کوئی اور صرف ایک کو ہی مسیح کی صحیح تعلیم کہا جا سکتا ہے۔ بدھوں کے ہاں بھی دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں۔ اور دوسرے جو نہیں۔ ان دونوں میں سے ایک ہی صحیح راہ پر ہو سکتا ہے۔ یہی حال دیگر مذاہب کا ہے ان سب کے اصول ایمانیات شاخ در شاخ ہو کر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہو چکے ہیں۔ اور یہ ایک کی اور اظہر من الشمس بات ہے۔ کہ سچائی بہرحال ایک ہی

پہلو رکھتی ہے۔ نہ کہ بہت سے پہلو۔ اگر خدا تعالیٰ ہی تمام مذاہب کا سرچشمہ اصلی ہے۔ اگر وہ ازراہِ شفقت وقتاً فوقتاً اپنی صحیح منشا کو دُنیا میں ظاہر کرتا رہتا ہے۔ اگر اُسنے ہمیشہ کسی ایک انسان کو اپنی باتوں کے منوانے کے لیئے دُنیا میں ایک واسطہ ٹھیرایا ہے۔ اور اگر اسکی بتائی ہُوئی راہیں اور اس کے قوانین کبھی بھی تبدیل نہیں ہو سکتے۔ تو جناب مسیح کی بعثت کے بعد مختلف مذاہب پر جو انقلاب آیا ہے۔ اور اُن میں جو اختلافات واقع ہو گئے ہیں۔ اُن کے رُو سے اب ہر ایک مذہب کے صحیح اعتقادات کے متعلق ایک آخری فیصلہ ہونا چاہیئے ایک مسیحی اور غیر مسیحی کے درمیان نہیں بلکہ عیسائی کا خود عیسائی کے ساتھ فیصلہ ہونا ضروری ہے۔ نبیٔ عرب صلعم کی بعثت سے پہلے یہ تمام فرقہ جات موجود تھے۔ اب اُس وقت یہ ضرورت لاحق ہو چکی تھی۔ کہ کوئی ایک شخص دُنیا میں آئے اور وہ مذہب کی پُرانی اور اصلی شکل کو پھر رواج دے یہ عظیم الشّان کام دُنیا کے آخری نبی حضرت محمد صلعم نے ہی سرانجام دیا۔ اسی لئے قرآن کریم نے اپنے آپ کو حَکَم کے نام سے پُکارا ہے۔ یعنے یہ پاک کتاب فیصلہ کر دیتی ہے ایک مسیحی کا دوسرے مسیحی کے ساتھ۔ ایک ہندو

کا دوسرے کے ساتھ۔ ایک بُدّھ مذہب کے پیرو کا اس کے دوسرے ہم مذہب کے ساتھ۔ پس اس لحاظ سے ایک مسلم اللہ تعالیٰ کے ان دس احکام کی جو حضرت موسیٰ کی معرفت تلقین ہوئے۔ اور اسکے قانون مکافات کی جائز حدود کے اندر پیروی کرنے کی وجہ سے اسرائیلی بھی ہے۔ وہ بسبب ان تمام ظاہری رسوم اور قیود کے انسداد کی وجہ سے جو فریسیوں کی ایجاد کردہ ہیں۔ اور ان کی ظاہر پرستی اور مکارانہ چالوں سے انحراف کے باعث مسیحی بھی ہے۔ ایک مسلمان ان رحم آمیز ہدایات کو بھی نگاہ رکھتا ہے جو پہاڑی تعلیم کے نام سے مشہور ہے۔ بشرطیکہ وہ صحیح اور اصلی ثابت ہو۔ مسلمان کا دوسروں کے ساتھ رحم کا برتاؤ یا ان سے بدلا لینا حسب تقاضائے وقت ہوا کرتا ہے۔ ہاں ایک مسلمان بُت شکن ہونے کے سبب ایک آریہ ہندو بھی ہے۔ اور ہر ایک قوم اور مذہب کے پاک اور مقدس لوگونکی جنہیں اوتار کہا جاتا ہے عزت و تکریم کرنیکے باعث سناتن دھرمی بھی۔ وہ بسبب نروان یعنے فنا فی اللہ کی تعلیم پر مائل ہونیکے ایک بدھ اسٹ بھی ہے۔ اور توحید باریتعالیٰ کا اعتقاد قائم کرنیکے سبب سے ایک یونی ٹیرین عیسائی بھی۔ الغرض ایک مسلمان قرآن کریم کے ذریعہ تمام مذاہب کی ہر ایک خوبی کو لیتا اور ان تمام باتوں کو ترک کردیتا ہے جنمیں کوئی انسانی ملاوٹ ہو۔ اور اسی کا نام اسلام ہے *

# عیسائیت اور دیگر مذاہب کی موجودگی میں

# ضرورتِ اسلام

یہ اس انگریزی لیکچر کا ترجمہ ہے جو ۱۹ اپریل سنہ ۱۹۱۲ء کو بمقام لندن دیا گیا

---

وَمَآ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا

**ترجمہ** ۔ اور اے محمد ہمنے یہ کتاب تم پر اس لئے نازل کی ہے کہ (یہ دیگر مذاہب والے) جن اختلافات میں پڑے ہوئے ہیں ان کو مٹا دے +

قرآن کریم نے اپنی ضرورت بیان کرتے ہوئے مختلف دلائل دیئے ہیں۔ ان دلائل میں ایک دلیل آیت بالا میں دیگئی ہے۔ تمام مذاہب ماقبل اسلام اگرچہ منجانب اللہ ہی تھے۔ لیکن وہ اپنے بانیوں کے چلے جانیکے بعد ہی اپنی اصلیت کو قائم نہ رکھ سکے ہر ایک مذہب میں مختلف فرقے پیدا ہو گئے۔ اور یہ فرقے ایکدوسرے سے اصولی اختلاف رکھتے تھے۔ حتٰے کہ کسی مذہب کے مختلف فرقوں میں یہ دریافت کرنا مشکل ہوگیا۔ کہ حقیقی مذہب کی شکل

کیا تھی - اسلام کے نازل ہونے پر ہر مذہب کی یہ شکل تھی - اور ایک طرح آج بھی وہی حالت ہے کسی مذہب کو لیلو - ایسی فرقے در فرقے پاؤ گے - تام ان سب فرقوں کا ایک ہی مذہب تلے آجاتا ہے لیکن بنیادی اصولوں میں بھی یہ فرقے ایکدوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں - اور پھر ان متضاد اصولوں کا سر چشمہ وہ ایک ہی کتاب ٹھیراتے ہیں - ہمارے ما فی الضمیر کی بہترین تشریح ہندو مذہب ہے - جس طرح ایک سمندر مختلف رنگوں کے پانی اپنے اندر سنبھال لیتا ہے اسی طرح ہندو مذہب ہے اور اسکی مقدس کتاب وید ہے - اور اسی میں سے مختلف شاخیں نکلی ہوئی ہیں - مثلاً ہستیٔ خدا کا قائل یا ہستیٔ باری سے منکر یا متشکک - توحید کا قائل یا بہت سے خدا ماننے والا مشرک - انسانوں میں خدا کے اوتار ماننے والا یا ایسے اوتاروں سے انکار کرنیوالا - ایک بت پرست یا بت شکن - الہام الٰہی کا قائل یا منکر الہام الٰہی - تناسخ پر ایمان رکھنے والا یا اس مسئلہ کو جھوٹا سمجھنے والا - ایک پرہیزگار وشنو کا پجاری یا ایک اباحتی شاکتک - یہ سب کے سب ہندو ہیں - یہ اپنے اصولوں اور ایمانیات میں ایکدوسرے سے اسقدر متضاد ہیں جیسے دو قطبین لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہ سب کے سب اپنے عقاید اور ایمانیات کو ایک ہی کتاب یعنے وید سے اخذ کرتے ہیں - اسلام سے پہلے دوسرے مذاہب بھی یہ نقشہ پیش کرتے ہیں - چنانچہ مذہب میں بعض دہریہ ہیں اور

بعض خدا کی ہستی کے قائل - آخر الذکر فرقہ پھر دو فرقوں میں تقسیم ہو جاتا ہے - ایک وہ جو خدا تعالیٰ کی ذات کو انسانی جذبات سے متصف خیال کرتا ہے - اور دوسرا وہ جو اس کے اُلٹ خیال کرتا ہے - اب عیسائیت کو ہی دیکھ لو - اس کا بھی یہی حال ہوا - اسکی ابتداً ہی میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے - ارین نسطوری - ابیونائٹ - مالونٹی - سابلی - مریمی یہ فرقے ابتدا ہی میں پیدا ہو گئے تھے - اور اپنے عقائد میں ایکدوسرے کے مخالف اور ایکدوسرے کے دست بگریبان - نائیس کے مقام پر جو کونسل ہوئی وہ دراصل اس لئے جمع ہوئی تھی کہ ان فرقوں کی متضاد تعلیم میں سے کونسی تعلیم عیسائیوں کو اختیار کرنی چاہئے - گویا ایمانیات کیا تھے ایک انسانی تجویز تھی - اس کونسل میں مسئلہ تثلیث کو فضیلت دی گئی اور اتھنوشین عقاید لکھے گئے - پوپ ان کے بعد کچھ صدیوں تک عیسائیت پر حکمران رہا - لیکن آخر کار اس کے مضمون عن الخطاء ہونے پر ایمان متزلزل ہونے لگا - اس پر فرقہ پراٹسٹنٹ پیدا ہو گیا جس کی پھر اس قدر شاخیں ہو گئیں - جس قدر انسان

تصور میں لا سکتا ہے۔ اور آج تک نئے فرقوں کا پیدا ہونا ختم نہیں ہوا۔ یہ سارے کے سارے فرقے عیسائی کہلاتے ہیں۔ لیکن ان کے اصولوں میں مشرق و مغرب کا بُعد ہے۔ تو پھر کیا یہ سب کے سب فرقے سچے ہیں۔ خصوصاً اختلافی امور میں صداقت تو دو جہین نہیں کسی مضمون پر سچی رائے تو ایک ہی ہو گی۔ اب اصل مذہب کی صحیح شکل کیا تھی۔ یہ ایک سوال ہے جو مشکلات کو پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً مسیح کو خدا ماننا صحیح ہے یا اُس کو انسان ماننا۔ پھر اس کے علاوہ مختلف امور ایمانیات میں ان مختلف فرقہ جات کا مذہب عیسائی کی تعلیمات میں ایک دوسرے کے سخت مخالف ہے مثلاً مسئلہ بخشش گناہ۔ مسئلہ ضرورت اعمال مسئلہ ابدیت جہنم مسئلہ عشائے ربانی۔ مسئلہ تقدیر۔ مسئلہ بپتسمہ اور اسی طرح اور بہت سے امور۔

سوال یہ ہے کہ مسائل بالا پر جناب مسیح کی تعلیم کیا تھی وہ کون ہو گا۔ جو ان اختلافات کو مٹائے جس طرف کہ قرآن آیت بالا میں اشارہ کر رہا ہے ہمیں جواب میں کہا جاتا ہے۔ کہ ان اختلاف کے مٹانے میں اصلی حکم کلیسیا ہے۔ جو روح القدس سے بھرپور ہو۔ لیکن

کون کلیسیا ؟ یا انگلیکن ۔ کلیسیا اعلےٰ یا اسفل اور ان سب کے مقابل بلحاظ قدامت کیوں یونانی کلیسیاء کو ترجیح نہ دیجائے ۔ اس کے علاوہ ایک غور طلب سوال بھی ہمارے سامنے آجاتا ہے ۔ کلیسیا کیا ہے ؟ چند مُقدّس علماء کا جمع ہوکر ایک مسئلہ پر رائے دینا۔ کیا خدائےتعالیٰ نے مذہبی امُور پر اپنی منشاء اور ارادہ کو ظاہر کرنے کے لئے کبھی کسی کونسل کو یا جماعتِ علماء کو اپنا ذریعہ ٹھیرایا ۔ یا اس نے اپنی صداقتوں کو ہمیشہ ایک انسان پر الہام کیا ۔ اور ہمیشہ ایک اور صرف ایک ہی انسان اس ضرورت کے دفعیہ کے لئے مبعوث ہوا ۔ کسی مذہب کو دیکھ لو اسکی شروع ایک ہی انسان سے ہوتی ہے ۔ ہر ایک مذہب کے ماتحت کئی ایک انبیاء نظر آتے ہیں ۔ وہ ایکدوسرے کے بعد آئے ۔ کسی نے ان میں سے قدیم مذہب کی تجدید کی ۔ کبھی کسی نے قدیمی مذہب کو انسانی آلائش سے پاک کیا ۔ کبھی کوئی پرانے مذہب پر کوئی نئی تعلیم حسب ضرورتِ مکان و زمان ازاد کرنے آیا ۔ ہمیشہ ایک ہی انسان مقدس انسان وقتاً فوقتاً مبعوث ہوتا آیا ۔ اگر الٰہی سُنن لا تبدیل ہیں ۔ اور

اسکی ربوبیّت کے راستے یکساں چلے آئے ہیں۔ تو
اُسکی وہ سُنّت جو مذہب کے متعلق قدیم سے چلی آئی
ہے کیوں بدل جائے۔ صحیفۂ قدرت میں جب کبھی کسی
چیز کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ تو اس کے پیدا کرنے
کے لئے وہی اسباب ظاہر ہو جاتے ہیں۔ جن سے وہ
چیز پہلے پیدا ہوئی۔ قانونِ الٰہیہ کے لاتبدیل
ہونے کی یہ خاصیّت ہی ذمّہ وار ان سب علوم کی
ہے۔ جن کو سائنس احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور یہی
بات ہم رات دن فطرت میں مشاہدہ کرتے ہیں۔
اگر مادّی دُنیا میں ایک قسم کا نتیجہ پیدا کرنے کیلئے
ایک ہی قسم کے اسباب ضروری ہیں۔ تو روحانیات
میں کیوں نئی تبدیلی تسلیم کیجا سکتی ہے۔ اب اگر
ہمیشہ ایک ہی انسان مبعوث ہوا۔ جو الٰہی مذہب
کو اسکی اصلی شکل وصورت تک پہنچاتا رہا ہے۔ اگر جب
کبھی مذہب انسانی آلائش سے خراب ہو گیا۔ تو ایک
ہی انسان ایک وقت میں اس کو اصلی شکل پر لانے
کے لئے پیدا ہوا۔ تو پھر اسلام کے آنے کے وقت
جب سب کے سب مذہب اپنے حلقہ میں مجموعہ تضاد
بن رہے تھے۔ تو قرآن کا اپنی ضرورت کو بیان کرتے ہوئے

یہ کہہ دینا کیا سُنن الہیہ کے مطابق نہیں۔ کہ میری غرض آنے کی ان اختلافات کو مٹانا ہے۔ جو اس وقت ہر مذہب میں دائرو سائر ہیں۔ اگر مسیح کے آنے کی غرض بھی اسی قسم کی ہے۔ تو پھر قرآن کے متعلق اس سے کیوں انکار کیا جائے۔ یہ امر تو ثابت ہے کہ اسلام کے پیدا ہونے پر اختلاف تھے۔ ایسے وقت میں قرآن کا نازل ہونا کوئی تعجب ہے۔ ضرورت تھی۔ اور ضرورت کا علاج بھی وہی ہے۔ جو ہمیشہ ہوتا رہا۔ یعنے کسی ایک کتاب کا کسی نبی پر نازل ہونا۔ ہاں سوال یہ ہوسکتا ہے۔ کہ عرب کا نبی کیوں اس مقصدِ اعظم کے لئے چنا گیا۔ اس کا جواب بھی کوئی چنداں مشکل نہیں۔ محمد (صلعم) کے سوائے کسی اور کا نام لے لو۔ جو مدعی نبوّت بھی ہو یا جس نے اس ضرورت کے دفعیّہ کے اسباب پیدا کئے ہوں۔ کیا کبھی خدا تعالےٰ نے اس قدر دیر لگائی۔ کہ مذہب تو بگڑا ہوا اور پیغمبر نہ آئے اگر محمد (صلعم) وہ نبی نہیں تو کیا یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ڈیڑھ ہزار برس سے تو ہر مذہب مجموعۂ تضاد ہو رہا ہے۔ اور خدا خاموش بیٹھا ہے۔ یہ تو کبھی بھی نہیں ہوُا۔ کسی مذہب کی تاریخ دیکھ لو۔ جب ربانی مذہب

کی شکل بگڑ ہی خدا کی طرف سے اسکی اصلاح ہوگئی ظہور اسلام کے وقت انسان ہدایت کا محتاج تھا - محمد (صلعم) نے ہادی ہونے کا دعویٰ کیا - اور اس کے مقابل تو ایک بھی مدعی نہیں نکلا - جو ہمیں دو مدعیوں کے متقابلہ دعویٰ پر غور کرنے کا موقعہ ملے مسیح نے الفاظ ذیل میں جس کی طرف اشارہ کیا ہے - کہ وہ رُوح القدس سے معمور ہو کر حق و راستی کو سکھلائیگا اور اس کمی کو پورا کریگا جو مسیح خود نہ کر سکا - وہاں بھی تو کسی جماعت یا کونسل کلیسیا کا ذکر نہیں - وہاں بھی تو صرف ایک ہی انسان کی پیشگوئی کی گئی ہے وہ الفاظ یہ ہیں :-

لیکن میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے کیونکہ میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا تمہارے پاس نہ آویگا لیکن اگر جاؤنگا تو اُسے تمہارے پاس بھیجدونگا (یوحنا باب ۱۶ آیت ۷)

میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں پر اب تم اُنکی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنے روح حق آوے تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائیگی - اس لیے کہ وہ اپنی نہ کہیگی لیکن جو کچھ وہ سنیگی وہ کہیگی - اور تمہیں آیندہ کی خبریں دیگی

(یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۲ و ۱۳)

اِن الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنیوالا ایک انسان ہے نہ کوئی جماعت۔ اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ جس کا ذکر مذکورہ بالا پیشگوئی میں ہے وہ انسان نہیں۔ بلکہ خود رُوح القدس ہے۔ اور اس رُوح القدس نے کلیسیا میں نازل ہوکر لوگوں کو ہدایت کرنی تھی۔ اگر یہی مراد اس پیشگوئی سے ہے تو اس کے الفاظ صاف کہتے ہیں۔ کہ اس وقت تک رُوح القدس نازل نہیں ہوا اور خود مسیح رُوح القدس سے خالی تھا۔ اور اگر رُوح القدس مسیح میں تھا۔ تو پھر یہ الفاظ کس طرح اسکے منہ سے نکل سکتے ہیں۔ اور

"اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا نہیں آئیگا۔ یا جب میں جاؤنگا تو میں اُسے تمہارے پاس بھیجونگا"

یہ الفاظ بالکل صاف ہیں۔ اس بالکل کسی ابہام کی گنجائش نہیں۔ ان سے پایا جاتا ہے۔ کہ آنے والا اس وقت تک جب یہ لفظ بولے گئے نہیں آیا۔ اور مسیح کے جانے تک واپس نہیں آسکتا۔ آنے والے سے مراد رُوح القدس لینا خود تسلیم کرلینا ہے۔ کہ مسیح ساری زندگی میں رُوح القدس نہ تھا۔ تو پھر اس مقدس کبوتر سے کیا مراد لیجائیگی۔ جو مسیح کے یوحنا کے ہاتھ پر بتسمہ

لینے کے وقت آسمان سے اُترا - اگر یہ ایک حقیقی واقع اور اس کبوتر سے مُراد رُوح القدس ہے - تو پھر مذکورہ بالا پیشگوئی میں جس کا ذکر ہے - وہ رُوح القدس نہیں ہوسکتا علاوہ ازیں کلیسیا رُوح القدس سے بھرپور ہوکر بھی اس پیشگوئی کا مصداق نہیں ہوسکتا - کیونکہ اس میں جناب مسیح نے خود تسلیم کرلیا ہے - کہ ابھی بہت سی باتیں اس کو جو حواریوں کو کہنی تھیں نہیں کہیں اُس نے تسلیم کیا ہے - کہ وہ اپنی تعلیم کو ناقص چھوڑ گیا - آنیوالے کو تو نسل انسانی کو بہت سی حق درراستی کی باتیں سکھلانی تھیں - اسے مسیح کی تعلیم پر بہت کچھ ایزاد کرنا تھا - اور اس کے نقصوں کو رفع کرتا تھا - کیا کلیسیا نے تعلیم مسیح پر کوئی امر ایزاد کی؟ کیا جو کچھ مسیح ناقص چھوڑ گیا اس کی تکمیل کلیسیا نے کی؟ کیا کلیسیا کا کوئی بڑا افسر یا فاضل مسیحی ہمارے اس سوال پر روشنی ڈال سکتا ہے - کہ کونسی نئی بات ہے - جو جناب مسیح کے بعد کلیسیا نے اور بڑھائی؟ پھر محولہ بالا پیشگوئی میں یہ الفاظ بھی ہیں :-

"وہ اپنی طرف سے نہیں کہیگا۔ وہ وہ کہیگا جو باپ کی طرف سے سُنیگا"
کیا کبھی کلیسیا نے یا کلیسیا کے کسی مُعزّز ممبر نے
آج تک کوئی بات رُوح القدس یا باپ سے سُنی؟
میں کہتا ہوں کہ کیا کسی کلیسیا کے ممبر کو اس بات کا
کبھی بھی تجربہ ہؤا ہے۔ کہ انبیاء پر رُوح القدس
کس طرح نازل ہؤا کرتی ہے۔ پھر اسی پیشگوئی
میں لکھا ہے کہ آنیوالا انہیں آیندہ باتوں کی خبر
دیگا۔ کیا کلیسیا نے کبھی آیندہ واقعات کی
پیشگوئی کی؟ یہ ہمارے مطالبات ہیں جو پیشگوئی
سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن کلیسیا ان کو پُورا
نہیں کر سکتا۔ تو پھر یہ الفاظ جو جناب مسیح نے فرمائے
کیا یہ جھوٹے ہیں۔ یہ وعدہ جو آپ نے کیا محض
ایک مذاق تھا۔ خدا نہ کرے کہ میں ایسے الفاظ
کہوں۔ الفاظ صحیح ہیں اور وعدہ بھی سچا۔ اور
عیسائیوں کا فرض ہے۔ کہ ان الفاظ کے پورا ہونے
کی کہیں نہ کہیں تلاش کریں۔ کلیسیا ان الفاظ
کو فے الواقعہ اپنی ذات سے پورا نہیں کر سکتا
ہاں وہ رُوح حق محمد (صلعم) ہے۔ اس نے جو کچھ
کہا اپنی طرف سے نہیں کہا۔ اس نے پیشگوئیاں

بھی کیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے اسی یوحنّا والی
پیشگوئی کی طرف ذیل کی آیات میں اشارہ کیا ہے:
جآء الحق وزھق الباطل ؕ ان الباطل کان زھوقاo
وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ o واذ قال
عیسی بن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم
مصدقاً لما بین یدی من التورٰۃ ومبشراً برسول
یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ ترجمہ۔ حق آیا اور
باطل بھاگ گیا۔ باطل بھاگنے ہی والا تھا۔ وہ جو کچھ
(محمد صلعم) کہتا ہے۔ وہ اپنے ہوا وہوس سے نہیں
کہتا۔ بلکہ خدا کی وحی سے کہتا ہے۔ اور جب مسیح
ابن مریم نے کہا۔ کہ اے بنی اسرائیل! فی الحقیقت
میں تو خدا کا مرسل تمہاری طرف ہوں۔ میں اسی
شریعت کی تصدیق کرتا ہوں جو تمہارے پاس
ہے۔ اور میں تمہیں آنیوالے رسول کی خوشخبری
دیتا ہوں اس کا نام احمد ہوگا +

# اِسْلام اور عُلُومِ جدیدْہ

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران)
اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ.... وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ۚ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (پ ۳ ع ۱۷)

دین کیا ہے؟ زندگی چلانے کا بہترین طریقہ اور خدا کے نزدیک وہ طریق کیا ہے؟ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَام وہ تو اسلام ہے۔ یعنی قوانین الہٰیہ کی کامل اطاعت اور ایسے دین کے سوا کوئی اور طریق زندگی اختیار ہی کیسے ہو سکتا ہے۔ جبکہ زمین اور آسمان اور جو کچھ ان میں ہے۔ سب کے سب خدا کے مقابل اس ایک اسلامی طریق اطاعت کو اختیار کئے ہوئے ہیں لَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ

والارض طوعاً وکرھا۔ اور اگر اس دین اسلام کے ماسوا کوئی اور طریق اختیار کرتا ہے۔ تو یاد رہے کہ یہ امر مقبول نہ ہوگا۔ اور بروقت نتیجہ یقیناً یقیناً نقصان اور خسران دیکھنا ہوگا۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ ان مختلف آیات ہیں جن کا مفہوم ہیں نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ خدا کی آخری کتاب نے اس دین کی حقیقت اور اس پر چلنے یا اسے چھوڑنے کے نتائج بیان کر دئیے ہیں جس کا نام اسلام ہے کُل دُنیا کے مُقدّس لٹریچر میں قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب مجھے نظر آئی ہے۔ جس نے لطیف حقائق اور باریک مسائل اور نظری امُور کے سمجھانے کے لئے موقعہ بموقعہ صحیفۂ قدرت اور اسکے مظاہر کی طرف انسان کو متوجہ کیا۔ چنانچہ اس جگہ بھی دین اسلام کی حقیقت اور اس کو ترک کرنے کے نقصان مبرہن کرنے کیلئے فرمایا۔ کہ تمام کے تمام مظاہر قدرت جن کی طرف الفاظ من فی السمٰوٰت والارض بہ تصریح اشارہ کرتے ہیں۔ اور جو اس قدر خوبصورت اسقدر دلکش

ایسے نفع رساں اور ایسے راحت بخش ہر نہج اور ہر پہلو سے نظر آ رہے ہیں۔ ان سب پر غور کرو۔ یہ سب کے سب طوعاً و کرہاً اسلام یعنی قوانین الٰہیہ کی اطاعت کی مضبوط زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہیں۔ ان کا اپنا وجود اور ان کا انسان کیلئے مفید ہونا اسی حد تک ہے جب تک انہیں قوانین الٰہیہ کی انقیاد اور اطاعت ہے۔ یہ سورج اور چاند یہ سیارے اور ستارے یہ ہوا اور بادل یہ زمین اور پانی یہ شجر اور حجر جن کے ساتھ ہماری زندگی وابستہ ہے۔ ان میں سے کس کی مجال ہے۔ کہ وہ اس قانون سے ذرّہ بھر بھی ادھر یا اُدھر ہو سکے جن پر قدرت کا زبردست ہاتھ ان کو چلا رہا ہے۔ کیا ابتدائے آفرینش سے آج تک سورج ایک لمحہ بھر کے لئے اپنے طلوع اور غروب کے وقت سے ادھر اُدھر ہوا کیا چاند نے اپنے مقررہ دوائر کو کبھی چھوڑا۔ کیا سورج کبھی چاند کے راہ میں آگیا۔ کیا دن نے رات پر یا رات نے دن پر کبھی ایک ثانیہ کیلئے سبقت کی۔ کیا اسلام ہے اور کیسے مطیع اور منقاد ہو کر یہ سب کے سب ان قوانین کی پابندی کر رہے ہیں۔ کہ جو خالق حقیقی نے انکے

لئے بنا رکھے ہیں۔ یہ وہ اسلامی کیفیت ان مظاہر قدرت میں ہے۔ جس سے نتائج اخذ کرنے کے لئے خدا کی کتاب نے ایک اور موقعہ پر فرمادیا۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝ (پ ۲۳ ع ۳) یہ سورج بمعہ اپنے کل نظام شمسی کے ایک مستقر کی طرف بڑھا جارہا ہے۔ اور یہ وہ مستقر ہے۔ جس کو ایک غالب اور علیم خدا نے اس کے لئے مقرر کردیا ہے۔ اور چاند کیلئے بھی ہم نے خاص منازل مقرر کر دیئے ہیں جن کو طے کرکے آخر کار وہ ہلالی شکل میں نظر آتا ہے۔ ان کی کیا مجال ہے کہ یہ اپنے مقررہ طریقوں کو چھوڑ کر ایک دوسرے سے مداخلت کریں۔ نہ تو سورج کے اوقات ہی چاند کے اوقات میں دخل دیتے ہیں۔ اور نہ رات کی گھڑیاں کبھی دن پر سبقت لیجاتی ہیں۔ یہ کل کے کل نورانی کرے اپنے اپنے مقررکردہ دائروں اور محوروں میں گھوم رہے ہیں +

اللہ اللہ کیا اسلامی انقیاد اور مسلمانہ اطاعت ہے۔ جو ان مظاہر قدرت میں نظر آرہی ہے۔ یہی ان کا اسلامی طریق ہے جو ان سے مفید نتائج مترتب کرا رہا ہے۔ اور اگر ایک لمحہ بھر کیلئے بھی یہ اسلامی فطرت چھوڑ دیں تو یہ نفع رساں کائنات خطرناک نقصان اور ہلاکت کا موجب ہو جائے۔ ہیلی کے دمدار ستارہ کے قریب آجانے پر کیا زمین کی تباہی قیاس نہ کیجاتی تھی۔ لیکن یہ دمدار ستارہ خواہ کیسے ہی اپنی چال میں سخی اور ہماری نگاہ میں بیقاعدگی رکھتا ہے۔ لیکن اسکی کیا مجال تھی کہ اپنے مقررہ مقام رجعت سے ایک انچ بھر بھی آگے آتا۔ اسی لئے تو فرمایا۔ لہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا۔ زمین اور آسمان اور جو کچھ ان میں ہے طوعاً و کرہاً اسلامی فطرت پر ہیں اور اگر یہ فطرت چھوڑ دیں تو نتیجہ اس کا خسران ہوگا۔ الغرض یہ ساری کی ساری کائنات خدا تعالےٰ کے مقرر کردہ قوانین پر چل رہی ہے۔ اور اس صورت میں نفع رساں ہو سکتی ہے۔ جب کوئی اُن سے ان قوانین کے مطابق فائدہ لینا چاہے۔ لہذا جو شخص

ان قوانین سے واقف ہو کر ان قوانین کے ذریعہ
ان پر حکومت کرنا چاہے۔ تو ان کی مجال نہیں کہ
یہ مظاہر قدرت اس سے انحراف کر سکیں۔ ہاں
اگر کوئی ان قوانین کے خلاف ان سے کام لینا
چاہے تو یہ ہرگز فائدہ نہ دیں گے۔ بلکہ وہ خود ضائع
ہو جاوینگے یا خلاف قانون کام لینے والے کو نقصان
پہنچا وینگے۔ دُور کیوں جائیں ان اپنے اعضاء
اور جوارح میں بھی ہمیں ہر روز یہی صداقت
ظاہر ہوتی نظر آتی ہے۔ یہ میرے اعضاء کس قدر
مُسلّم طریق پر میرے مطیع و منقاد ہیں۔ جن جن
کاموں کے لیے یہ بنے ہوئے ہیں۔ اگر میں وہ کام
ان سے لینا چاہوں تو ان کی کیا مجال کہ یہ جوارح
میری اطاعت نہ کریں۔ اگر میں کسی چیز کو دیکھنا
چاہوں تو آنکھ کی اصلاحی فطرت اُسے مجبور کرتی
ہے۔ کہ وہ اس طرف دیکھے جس طرف میرا ارادہ
ہو چکا ہے یہی حال میرے دیگر اعضاء کا ہے۔ لیکن
اگر میں پیاس بجھانے کے لئے پانی اپنے کان میں
ڈال دوں اور نمک چکھنے کے لئے کوئی نمکین چیز
اپنی آنکھ میں ڈال دوں یا کسی آواز سننے کیلئے منہ

کو پھاڑ پھاڑ کر کھولوں تو کیا یہ طریق جسمیں ان جوارح کے متعلق مقرر کردہ قوانینِ آلہیہ کا انحراف ہوتا کبھی مفید و مقبول ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں اس کا لازمی نتیجہ نقصان اور خسران ہے۔ دیکھو وہی صداقت ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخسرین کس طرح ہر طرف اور ہر طرح ثابت ہوتی نظر آتی ہے +

الغرض اسلام کی اس حقیقت نے ہم پر متحقق کر دیا۔ کہ تمام کی تمام کائنات جو انسان کے فائدہ کے لئے اُس مبداءِ فیوض نے بنائی۔ وہ سب کی سب ایک نہ ایک قانون کی زنجیر سے جکڑی ہوئی ہیں۔ جن کا انحراف ان کی فطرت میں ہی نہیں۔ اس لئے یہ ہوا یہ آگ یہ پانی یہ گاسیں یہ دریا یہ الکٹرسٹی یہ شجر یہ حجر یہ نباتات یہ معدنیات الغرض یہ سارے کے سارے عناصر اسی وقت اور اسی صورت میں انسان کے مفید ہو گئے۔ جب انسان یہ سمجھ کر کہ یہ سب چیزیں اپنے اپنے قوانین مقررہ کے ماتحت ہی نفع رساں ہیں۔ انکے

مختلفہ قوانین سے واقف ہو جب وہ مظاہر قدرت کے
خواص اور ماہیت سے آگاہ ہو۔ اور جب اُن کے متعلقہ
قوانین کے مناسب حال اپنا طریق عمل اختیار کرے
یا بالفاظ دیگر علوم جدیدہ سیکھ کر ان پر کاربند ہو۔
ہاں اگر یہ قوانین انسانی قوانین کی طرح ناپایدار اور
متلون الحال ہوتے تو ان قوانین کے علم کی نہ ہمیں
چنداں ضرورت ہوتی نہ ان کی اطاعت کی
حاجت۔ لیکن موجودہ سائنٹیفک تحقیقات نے ہی
نہیں۔ بلکہ صدیوں پہلے خدا کی کتاب نے ہم کو
سکھلایا خلق کل شیئ فقدرہ تقدیراہ
لا تبدیل لخلق اللہ ۔ ولن تجد لسنت اللہ
تحویلا۔ خدائیتعالی نے تمام چیزوں کو پیدا کیا۔
اور ان کے متعلق اندازے اور قوانین باندھ دیئے
خدائیتعالی کی بنائی ہوئی فطرت کو مت بدلو +
خدائیتعالی کے قوانین حتمی طور پر اَن ٹل ہیں
اگر ان سے فائدہ ہو سکتا ہے تو ان قوانین کو ماننے
اور ان کی اطاعت کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ اور یہ
تب ہوگا جب ہم کو ان کا علم ہوگا۔ ان کے خلاف جو
کریگا نقصان اُٹھائیگا۔ یہ وہ صداقت تھی جس کو

کتاب حکیم نے مسئلہ تقدیر سے تعبیر کیا تھا۔ اور ہمیں والقدر خیرہٖ وشرہٖ من اللہ تعالیٰ کی حقیقت پر ایمان لانے کے لئے مجبور کیا۔ جس کا یہ مطلب تھا کہ نیک وبد جو ظاہر ہو گا وہ اَن ٹل قوانین کے ماتحت نیک یا اور بد اسباب کے مقابل بطورِ نتیجہ ہو گا۔ وہ بطور اتفاق یا چانس ( chance ) یا اچانک حادثات کی شکل میں نہ ہو گا۔ بلکہ ہر ایک واقع علت و معلول کے رشتہ سے مربوط اور اسباب و نتائج کے قوانین میں جکڑا ہُوا ہے۔ اگر بُرے کام کرو گے تو یاد رکھو بُرے پھل پاؤ گے۔ اگر نیک اسباب مُہیّا کرو گے تو نیک پھل کاٹو گے۔ تمہاری غفلتوں اور لاپروائیوں اور سہل انگاریوں اور لاعلمیوں سے خدا کے بنائے ہُوئے قوانین اپنے نتائج دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اگر تم اُن کو اپنے مفید کرنا چاہتے ہو تو ان قوانین کا علم حاصل کرو۔ اور اپنے حالات کو ان کے مطابق کرو۔ اس سے بڑھ کر ہماری اور کونسی بدنصیبی اور بدقسمتی ہو گی۔ کہ یہی مسئلہ تقدیر جو ہمیں محتاط کر کے ہماری ترقیوں کا زینہ ہو جاتا۔ ہم کو صحیفۂ قدرت کے اَن ٹل تقدیر کردہ قوانین سے واقفیت پیدا

کرنے کا محرک ہوتا ہے ہمیں علوم جدیدہ کے سیکھنے کیلئے رغبت دلاتا ہے ہمیں اتفاقات اور چانسس کی تصویروں سے متنفر کر کے ہمیں کارزار زندگی کیلئے مردانہ وار طیار کرتا۔ آج یہی مسئلہ ہماری غفلتوں کے بدنتائج کی سپر ہماری ناواقفیت قوانین قدرت کا عذر اور ہماری خود پیدا کردہ تکالیف کی تشریح ہو جاتا ہے۔

الغرض اسلام کی اس حقیقت نے ہم پر ظاہر کر دیا۔ کہ یہ خاکی پتلا جو کل کائنات کا حکمران اور زمین پر جامع مظاہر اسمائے الٰہیہ سمجھا جاتا ہے۔ اسکی حکومت اور خلافت اس کائنات پر اسی صورت میں ہو سکتی ہے۔ جب اسمیں خود اسلامی فطرت پیدا ہو جائے۔ یعنی جب انسان ان تمام قوانین الٰہیہ کی جو اس سے متعلق ہوں یا صحیفۂ قدرت کے کسی جزو عنصر کے متعلق ہو عزت کرنے اور ان قوانین پر چلنے کے لئے مستعد ہو جائے۔ جب یہ اپنے حالات اور طریق زندگی کو ان قوانین کے مناسب حال کرلے اور یہ اس وقت ہو گا۔ جب ان قوانین کا کماحقہ علم اُسے ہو گا۔ اسلئے اسلام اگر ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہم ان تمام قوانین کی اطاعت اور عزت کریں۔ جو ہماری

روح اور جسم کے فائدہ کے لئے قادر مطلق نے بنائے تو ساتھ ہی اسلام ہمیں اس طرف بھی متوجہ کرتا ہے۔ کہ ہم ان تمام قوانین کے متعلق تحقیقات کریں اور اپنے علم میں لائیں جو ربّانی حکماء نے اس قدیر اور علیم سے الہام پائے۔ یا مادّی حکماء نے اس کی عملی کتاب یعنی صحیفۂ قدرت سے مطالعہ کئے۔ کیونکہ اسلام یعنی اطاعت قوانین الٰہیہ کے علم کے بغیر ہو ہی کیسے سکتی ہے؟ اگر ربّانی حکماء نے جن کا نام نبی ہے (اللہ تعالیٰ کا اُن پر سلام اور درود) ہماری روح ہمارے اخلاق ہمارے تمدّن اور ہماری معاشرت کی اصلاح اور تہذیب کے متعلق ہمیں ان قوانین کا پتہ دیا۔ جن کو خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے مقرر کیا۔ تو مادّی حکماء یعنی محققان سائنس کی کوششوں کی انتہا بھی کوئی اختراعی قوانین نہ تھے۔ بلکہ انہیں قوانین کی تلاش اور دریافت تھی۔ جو خدا تعالیٰ نے کائنات اور اس کے عناصر کے متعلق ازل سے بنا رکھے تھے۔

لہٰذا اسلام ہم کو سکھاتا ہے کہ جہاں ہم ان علوم سے اطلاع پائیں جو خدا کے انبیاء (علیہم السلام) نے خدا

کے قول کے ذریعہ سے پالے۔ جس کا نام علوم دین ہے۔ ویسے اسلام ہمیں تاکید کرتا ہے کہ ہم ان علوم کی بھی تحصیل کریں جو زمانہ کے حکماء نے خدا کے فعل یعنی صحیفۂ قدرت سے اخذ کئے جن کا نام بالفاظ دیگر علوم جدیدہ ہیں۔ کیونکہ اسلام کیا ہے۔ قوانین الٰہیہ کی اطاعت اور ان قوانین میں جیسے قوانین متعلقہ جسم و رُوح آجاتے ہیں۔ ویسے ہی ان تمام چیزوں کے متعلق قانون بھی آجاتے ہیں۔ جن کا اثر رُوح اور جسم پر ہے۔ اور کون نہیں جانتا۔ کہ کائنات کے ذرّہ ذرّہ کا اثر ہماری رُوح اور جسم پر ہے۔ لہٰذا اگر خُدائے اسلام نے تمہارا یہ فرض کر دیا ہے کہ تم تہذیب نفس کیلئے علوم دین سے واقفیت پیدا کرو۔ اور اُن پر چلو تو میں کہتا ہوں۔ اسی خدا نے تمہارا یہ اسلامی فرض بھی کر دیا ہے۔ کہ تم علم دین کے بعد علوم جدیدہ کو بھی حاصل کرو۔ اور ان سے فائدہ اُٹھاؤ۔ اور یہ بات دوستو! میں نہیں کہتا خود قرآن تمہیں کہتا ہے۔ جاؤ قرآن کو دیکھو وہ اولوالالباب کی تعریف کیا کرتا ہے:۔

الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم

ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ما خلقت
ھذا باطلاً ۔ وہ اولو االالباب جنمیں انبیاء علیہم السلام
کا گروہ بھی شامل ہے ۔ وہ کون ہیں وہ وہ ہیں جو
ایک طرف تو اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوتے جاگتے
الغرض ہر حال میں خدا کے ذکر میں لگے رہتے ہیں
اور اُسے یاد کرتے ہیں ۔ اور دوسری طرف زمین اور
آسمان اور جو کچھ ان میں ہے ۔ ان سب کی بناوٹ
اور ان کے قیام بقا اور ان کے مفوّضہ کاموں کو
دیکھتے اور جانچ پڑتال کرتے اور ان سے نتائج اخذ
کرتے یا بالفاظ دیگر اشیائے کائنات کی ماہیت اور
خواص دریافت کرتے ہوئے اس نتیجہ پر آجاتے ہیں
کہ ربّ العالمین کی پیدا کردہ چیزوں میں کوئی چیز بھی
فضول اور بیکار نہیں ۔ کیا یہ تفکر فی خلق السمٰوٰت
والارض سائنٹیفک تحقیقاتِ جدیدہ نہیں تو اور کیا
ہے ۔ مقام غور ہے کہ خدا کی کتاب تو ہمارے لئے وہ دین
تجویز کرے ۔ جس کا نام اسلام رکھے یعنی قوانین الٰہیہ کی
اطاعت اور یہ نام رکھ کر ہمیں رُوحانی اور مادّی کل
کے کُل قوانین الٰہیہ کے جاننے اور سمجھنے کی رغبت دلائے
اور خُدائے تعالےٰ ہمیں اولوالالباب کے شاندار خطاب کا

مستحق اس وقت بنائے جب ہم علوم دینیات کے ساتھ علوم مادیات یعنی علوم جدیدہ سے حظ وافر حاصل کر چکے ہوں۔ اور ہم اس زمانہ کی جہالت کے باعث نہ اُن علوم سے ہی محروم رکھے جائیں بلکہ جو ہم میں سے ان کے حصول کی کوشش کریں۔ وہ زندیق اور ملحد کا خطاب حاصل کریں۔ اور دوستو! کبھی آپ نے غور کیا کہ یہ علوم جدیدہ جن کے ذریعہ حکمائے مغرب اور اُن کے طفیل یورپین اقوام ہم پر بلکہ ایک حد تک کُل کائنات عالم پر انسانی حیثیت میں حکومت کر رہے ہیں۔ ان علوم کے سیکھنے اور ان سے مستفید ہونے کی طرف سب سے پہلے کس کتاب اور کس مذہب نے انسان کو رغبت دلائی۔

دُنیا پر ایک زمانہ گذرا ہے جب دُنیا کا زیادہ حصّہ کائنات اور اس کے عناصر کو اپنا معبود قرار دے رہا تھا۔ انسان نے مختلف وقتوں میں شجر۔ حجر۔ سورج چاند۔ ستارے۔ ہوا۔ پانی۔ آگ۔ بادل۔ عالم کے مختلف عناصر اور قوے کی۔ اور سب کے بعد انسان کی پرستش کی۔ یہ ایک فطرتی امر ہے۔ کہ ہم اپنے معبود کو ہمیشہ عزّت اور ادب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اسلئے

ایسے وقت میں ان عناصر اور ان مظاہر قدرت کے متعلق کسی قسم کی چھان بین کرنا یا ان کو معرض تحقیقات میں لانا لازماً ایک گناہ عظیم تھا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جبتک کل کائنات اور اس کے عناصر معبود کے رنگ میں انسان پر حکمران رہے۔ انسان نے کوئی علمی اور سائنٹیفک ترقی اور تحقیق نہیں کی۔ اس قسم کی ترقی کی طرف انسان کی توجہ تو اسی وقت منعطف ہوگی۔ جب انسان ان تمام چیزوں کو اپنا معبود نہیں بلکہ اپنا خادم اور نوکر سمجھے۔ جب اس پر یہ حقیقت کھل جائے۔ کہ یہ سب چیزیں جو خدائیتعالےٰ نے بنا رکھی ہیں۔ یہ سب میرے خدا نہیں بلکہ غلام ہیں۔ جس طرح ایک انسان اپنے نوکر کی مزاج شناسی اور اسکی استعداد اور جوہر کا علم حاصل کرنے پر طبعاً مائل ہوتا ہے۔ اسی طرح موجودات عالم کے متعلق اس حقیقت کے کھلنے پر کہ موجودات عالم میرے خادم ہیں قدرتاً انسان قوائے عالم کی تحقیقات میں لگ جاویگا ÷

الغرض علوم جدیدہ اور سائنس کی ترقی کا زمانہ کسی ملک میں اس وقت شروع ہوسکتا ہے۔ جب انسان کائنات اور اس کے عناصر کی عبادت کے جوئے سے نکلکر ان کو

اپنا غلام اور خادم سمجھے۔ لیکن اے تاریخ عالم کے واقف کارو مجھے بتلاؤ کہ کس زمانہ تک یہ مظاہر قدرت اور عناصر دُنیا کے معبود بنے رہے۔ اور پھر کس کتاب نے نہایت نہایت شرح وبسط کے ساتھ ان کی اس حکومت کو خاک میں ملا کر مذہبی رنگ میں انسان کو یہ یقین دلایا کہ یہ اگنی یہ وایو یہ جل یہ اکاش یہ سمندر یہ پھل یہ درخت۔ یہ سورج یہ ستارے یہ سب کے سب مظاہر قدرت تمہارے خدا نہیں تمہارے غلام ہیں جاؤ وید۔ ژند وستا۔ انجیل۔ توریت۔ بُدھ کے صحائف کنفیوشس کی وصایا چھان مارو یہ تعلیم ہرگز ہرگز نہ پاؤ گے ہاں وہ خدا کے کامل ومکمل اور ناطق الہام کی آخری تحتگاہ کتاب حکیم تم کو یہ صداقتیں کھلے الفاظ میں سکھلائیگی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جب تک وہ کتاب نازل نہ ہوئی۔ زمانہ نے سائنٹیفک تحقیقات کی طرف رُخ نہ کیا جو علوم ذہنی امور سے تعلق رکھتے تھے وہ بے شک زیر تحقیق رہے ؛

اللہ الّذی خلق السمٰوٰت والارض وانزل من السمآء ماءً فاخرج بہٖ من الثمرات رزقًا لکم ج وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامرہٖ ج وسخر لکم الانھٰر ج وسخر لکم الشمس والقمر دآئبین ج و

سخر لکم الیل والنھار ج ۱۳ پ ۵/۱۳ ع سورۂ ابراہیم) اور
پھر اور ایک جگہ فرمایا۔ وسخر لکم ما فی السمٰوٰت و ما
فی الارض جمیعاً۔ **ترجمہ**۔ اے انسان دیکھ
تو کن چیزوں کی پرستش کر رہا ہے۔ اور انہیں اپنا معبود
بنا رہا ہے۔ ان چیزوں کو جو تیری خادم اور غلام ہیں۔
پرستش کے قابل تو وہ اللہ ہے جس نے زمین اور
آسمان کو اور جو کچھ ان میں ہے۔ اور جنہیں تو معبود
بنا رہا ہے پیدا کیا۔ کیا تو ویدک رچاؤں میں اِندر کا نام
لیکر اس اکاش کی پرستش کر رہا ہے۔ جہاں سے پانی
اُترتا ہے۔ وانزل من السماءِ ماءً یہ پانی تو وہ خدا
تیری خاطر اُتار کر تیرے رزق کیلئے مختلف پھلوں کو پیدا
کر دیتا۔ کیا تو ویدک زمانہ کے **درونا** یعنی سمندر دیوتا
کے آگے سر جھکا دیتا ہے۔ اور اس لئے تو نے سمندر
سے پار جانے کی کوشش نہ کی۔ کہ مبادا سمندر دیوتا تیرے
پاؤں تلے آ جائے +

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهٖ ط

ہم نے تو اس سمندر دیوتا کی چھاتی پر کشتیوں اور
جہازوں کو چلا کر اسے تیرا خادم کر رکھا ہے۔ کیا دریا
سندھو کے شفاف پانیوں نے تجھے اس کا اس قدر

پرستار بنا رکھا ہے کہ تو وید میں اس کے گیت گاتا کیا تو گنگا اور جمنا سے منتیں مانگتا ہے وسخرلکم الانھار یہ دریا تو تیرے غلام ہیں۔ کیا تو سورج اور اسکی مختلف کیفیات کو دیکھ دیکھ کر اُسے اریمان لپشان نواشرے وغیرہ کے نام سے یاد کر کے اس کے آگے سربسجود ہو رہا ہے۔ یہ ہے کیا وسخرلکم الشمس والقمر دائبین یہ سورج اور اسکے ساتھ ہی چاند بھی تیری خدمت میں کمربستہ ہو کر چکر لگا رہے ہیں۔ ہمنے دن اور رات تک تیرے لئے مسخر کر دیا ہے۔ الغرض جو کچھ تجھے زمین پر نظر آتا ہے۔ اور جو کچھ تو اس میں پاوے یاد رکھ یہ سب تیرے ہی خدمت کیلئے ہے +

پیارو! اسمیں شک نہیں کہ ان آیات نے کُل دُنیا جہان کے معبُودوں کو تختِ الوہیت سے اتارنے کیلئے ایک کامل توحید کو سکھلایا ہے۔ لیکن کیا ان آیات میں علمی ترقی اور سائنٹیفک تحقیق کیلئے ایک زبردست تحریک نہیں۔ غور تو کرو کہ جس دن سے انسان نے یہ سمجھا کہ یہ چارپائے۔ یہ مویشی یہ سواری کے جانور اس کی خدمت کیلئے مامُور ہیں۔ کیا وہ ان کو قبضہ میں لانے ان سے خدمت لینے ان کو مفید بنانے کیلئے

مختلف طور پر ان جانوروں کی مزاجی شناسی اور
ان کی طبیعت کا حال دریافت نہیں کرتا۔ تو پھر جب
ان آیات میں موجودات عالم کا ذکر کر کے تمہیں بتلایا گیا
ہے کہ یہ تمہاری ہی خدمت کیلئے پیدا ہوئے ہیں تمہارا
فرض نہیں کہ تم ان قواعد اور ضوابط سے اطلاع پاؤ کہ
جن سے یہ مظاہر قدرت فی الواقعہ تمہارے مسخر ہو جائیں
تیرہ سو برس ہوئے۔ کہ ان چیزوں کے بنانے والے
نے تم کو یہ خوشخبری دی کہ یہ تمہارے غلام ہیں تم بتلاؤ
کہ تم نے ان کو مسخر کرنے کی طرف کس قدر توجہ کی۔ کیا
یہ خبر سنکر کہ آسمان سے پانی کا اترنا تمہاری ہی خاطر ہے
تا کہ تم زمین سے طرح طرح کے ثمرات پیدا کر لو۔ تمہارا
فرض نہ تھا۔ کہ تم یہ اشارہ پا کر علم فلاحت علم زراعت
علم نباتات میں ترقی کرتے۔ تم کو تو بتلایا گیا تھا۔ کہ تمہاری
ہی خدمت کیلئے کشتیاں اور جہاز سمندر میں چلتے ہیں
تم نے اگر یہ خبر سنکر فن جہازرانی میں یدطولی حاصل کیا
ہوتا تو خیر جو تجارتی تمدنی اور اقتصادی فوائد
تمہیں ہوتے سو ہوتے۔ آج جنگ ٹریپولی میں تم کو ندامت
اٹھانی نہ پڑتی +

کیا تسخر لکم الانہار کا مژدہ سنکر تمہارا فرض نہ تھا

کہ تم فن آبپاشی کے کُل شعبوں کا علم حاصل کرتے آبپاشی کی کلوں اور مشینوں سے واقف ہو جاتے - یہ سورج دیوتا اور یہ چندر ما اور ان کے ساتھ کُل کے کُل ستارے تو تمہارے بے دامو ں غلام تھے - تم نے جب قرآن میں یہ یہ بشارت پڑھی تھی تو تم نے اسٹرانومی سیکھ کر اُن سے خدمت نہ لی - الغرض قرآن بھیجکر خداتعالےٰ نے تم کو اطلاع دی تھی - کہ جو کچھ زمین میں ہے وہ سب تمہارے لیے ہے - پھر کیوں تم نے باٹونی جی آلوجی ذوالوجی سرولوجی کیمسٹری فزیکس اور وہ تمام کے تمام علوم جن کو نیچرل فلاسفی سے ملقب کیا گیا ہے نہ پڑھے - خدا را کسی

## علم جدیدہ

سائنس کی شاخ کا نام لو جس کے دریافت ہونے پر یورپ نے کائنات کے کسی عنصر سے کام لیا ہو - اور ان آیات میں ان کی طرف اشارہ نہ ہو - کیا آپ الکٹرسٹی (بجلی) کی طرف اشارہ کرتے ہیں - آؤ میں آپ کو ایک جامع آیت سُناتا ہوں جسمیں نہ صرف الکٹرسٹی ہی شامل ہے بلکہ آیندہ بھی جس قدر موجودات کا پتہ لگے اور ان کے متعلق علوم دریافت ہوں وہ سب اسمیں آجاتے ہیں فرمایا ہے

سخّر لکم ما فی السمٰوٰتِ وما فی الارض جمیعًا

جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے۔ وہ سب کے سب تمہارے خادم ہیں ۔ یہ اب تمہارا اختیار ہے۔ کہ ان راہوں کو کو اختیار کرو یا نہ کرو۔ ان علوم کو سیکھو یا نہ سیکھو۔ ایسی تحقیقاتوں میں پڑو یا نہ پڑو جن سے تم کائنات کے کُل قوائے فطریہ سے واقف ہو جاؤ۔ کائنات اور اسکے عناصر کو اپنا خادم بنالو ۔ دیکھو ایک قوم نے آج ان علوم میں ترقی کی ۔ اور ان آیات کی حقیقت کو واقعات کے رنگ میں لاکر ان کی صداقت پر مہر لگادی ۔کیا ایک حد تک مغربی اقوام نے سمندروں کو دریاوں کو ہوا کو بادلوں کو بجلی کو زمین اور اس کے قوائے کو اپنی حکومت تلے نہیں کر لیا؟

بتلاؤ تم کو اپنے اسلام پر بڑا ناز ہے ۔تم کو قرآن کے احکام پر چلنے کا بڑا فخر ہے ان وصایا کو جو ان آیات میں ہیں تم نے قبول کیا یا یورپ نے ؟ ان اشارات کو جو ان مقدس کلمات میں تھے ۔تم نے اپنا ہادی راہ کیا ۔یا ان لوگوں نے جن کو تم ملحد دہریہ بے ایمان کافر اور مشرک قرار دیتے ہو۔ ہاں ایک تم کو فخر ہے تو اپنی توحید پر ۔ اے کاش اس توحید کی حقیقت کو ہی سمجھا ہوتا اور کبھی تھوڑا سا وقت اس سوال پر ہی غور کیا ہوتا کہ ہمیں

شرک سے کیوں روکا گیا۔ اور خدا کی کتاب نے کیوں یہ سکھلایا کہ خدا تعالیٰ سب گناہ معاف کردے گا۔ مگر شرک کی اسکی جناب میں معافی نہیں۔ کیا تم نے اس رب العالمین کو دو بادشاہ در اقلیمے نگنجد کا مصداق سمجھ کر یہ خیال کرلیا ہے۔ کہ وہ دیکھ نہیں سکتا۔ کہ اسکے مقابل تم اور خدا بنالو۔ یاد رکھو وہ حمید خدا نہ تمہاری حمد کا محتاج نہ تمہاری تسبیح کا خواہشمند +

ومن یشکر فانما یشکر لنفسہ ومن کفر فانّ اللہ غنی حمید (لقمان) ان تکفروا انتم و من فی الارض جمیعاً فان اللہ لغنیٌ حمید (ابراہیم) تم ایک نہیں لاکھ خدا بنالو اسکی سلطنت میں ایک انچ بھر کمی نہ آویگی تم رات دن اسکی حمد میں لگجاؤ۔ اس کی سلطنت میں ایک جو کے برابر زیادتی نہ ہوگی۔ یہ توحید کی تاکید اور شرک کی ممانعت تو محض تمہارے ہی فائدہ کیلئے ہے۔ تاکہ تم جن کو خدا بنا رہے ہو ان کو خادم سمجھ کر ان راہوں کو دریافت کرو۔ کہ جن سے یہ تمہاری خدمت کرسکیں +

دوستو! میں نے ابھی آپ کیخدمت میں عرض کیا ہے کہ انسان جب ماسوائے اللہ کی پرستش کرتا ہے۔ اور وہ چیزیں

ہیں - جو اس کے فائدے کے لئے بنائی گئی تھیں تو ان کو معبود
بنا کر ان کو معرض تحقیق میں نہیں لاتا - اور اسلئے
کسی قسم کی سائنٹیفک ترقی نہیں کر سکتا - دیکھ لو
اسلام کے آنے تک دنیا میں اگر کوئی ترقی ہوئی تو وہ بالکل
ذہنی علوم کے متعلق تھی - جو بعض وقت اور شرک کے
پھیلانے میں مؤید ہوئی - دنیا مادیات میں قطعاً
قطعاً کوئی ترقی نہ کر سکی - اور اسکی وجہ وہ شرک تھا
جس کے ماتحت قوائے فطریہ اور اس کے عناصر
مختلف شکلوں میں ہمارے مخدوم نہیں بلکہ معبود
بن رہے تھے - ہاں جب دنیا ان معبودوں کی حکومت
سے آزاد ہوئی تو یہ معبود معرض تحقیقات میں آئے
اور یاد رہے یورپ جس نے علوم جدیدہ میں آج
اس قدر ترقی کی - یہ کسی کلیسیا کی طفیل سے نہیں
یہ ترقی بقول پادریاں ان ملحد انسانوں کی طفیل
ہوئی جنہوں نے عملاً انسان پرستی کو جواب دیا -
کس قدر مقام حیرت ہے - کہ وہ قوم جس کو کائنات
اور ما فیہا کے متعلق کامل علم حاصل کرنے کے لئے کامل
توحید کا سبق دیا گیا - اور جس کو مخاطب کر کے کہا گیا
وسخر لکم مافی الارض جمیعاً (پ ۲۵ ع) وہ تو آج

تیرہ سو برس سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے ہیں۔ اور وہ قوم جس کا زیادہ حصّہ آج تک بھی انسان پرستی جیسے شرک کے اندھیرے میں ہو۔ اور جس اندھیرے نے چودہ پندرہ سو برس تک ان کو ہر قسم کی علمی ترقی اور تحقیق سے دور رکھا ہو ان میں سے چند افراد اس انسان پرستی کو خیر باد کہ کر ہمارے ہی بزرگوں یعنی قرونِ اولے کے مخاطبین قرآن کی علمی تحقیقات کو پڑھیں اور اس میں سخر لکم ما فی السمٰوات وما فی الارض جمیعاً کی صداقت کو ایک حد تک حقیقت کی شکل میں دیکھیں۔ اور پھر اس کی علمی چاشنی کے کچھ ایسے گرویدہ ہو جائیں کہ آج اپنی تحقیقات سے علوم جدیدہ پیدا کر کے سخر لکم ما فی السمٰوات وما فی الارض جمیعاً کو سچ کر دکھائیں۔ اور دوستو یہ امر بھی آپ یاد رکھیں۔ کہ ان تسخیر کائنات کی آیات سے جو میں یہ استنباط کر رہا ہوں کہ ان میں قرآن کے مخاطب کے لئے سائنٹیفک تحقیقات کرنے اور علوم مادیہ کے حاصل کرنے کی ایک زبردست تحریک ہے۔ اگرچہ یہ استنباط کسی تصنّع اور تکلّف کے ماتحت نہیں۔ لیکن یہ ایجاد سے نہیں۔ بلکہ خود قرآن نے ان امور کو ہم پر ظاہر کیا ہے

اگر ایک طرف ان آیات کے ذریعہ ہم پر یہ ظاہر کیا ہے
کہ ہم ہی کائنات اور اس کے عناصر کے حکمران
ہیں تو دوسری طرف قرآن نے مختلف پیرایوں میں
ہم کو یہ بھی سکھلایا ہے ۔ کہ اگر تم کائنات اور اس کے
عناصر پر حکمرانی کرنا چاہتے ہو ۔ اگر تم اس زمین پر جامع
مظہرِ اسمائے آلہیہ اور اس کے نائب ہو کر اس عالم پر
نافذ الامر ہونا چاہتے ہو تو اس کا طریق یہی ہے ۔ کہ تم
اُن علوم کو حاصل کرو جن کے ذریعہ تم کو موجوداتِ عالم
کے خواص ان کے فوائد اور ان کی قوتوں کا علم حاصل ہو
بالفاظ دیگر تم ان علوم کو سیکھو ۔ اور ان میں چھان بین
کرو ۔ کہ جن کا نام آج زمانہ نے علوم جدیدہ رکھا ہے
کیا آپ نے اُن آیات پر کبھی غور کی ۔ جو عموماً ایک طرف
نو تعلیم یافتہ اصحاب کے لئے اور دوسری طرف ہمارے
سماجی مہربانوں کیلئے ذریعہ مضحکہ ہوا کرتی ہیں میرا
مطلب پہلے سیپارہ کے پہلے رُبع کی ان آیات سے ہے
جن میں آدم کی پیدائش کا ذکر فرشتوں کا پیدائش آدم
کی ضرورت کے متعلق استفسار ۔ خدا تعالیٰ کا ضرورت
پیدائش آدم بتلانا اور ملائکہ کا سجدہ اطاعت کرنا وغیرہ
وغیرہ ہے ۔ اگر آپ غور فرمائیں تو ان میں بھی تو یہی حقیقت

کھولی گئی ہے۔ یہ وقت نہیں۔ اور نہ میرے مضمون کے
مناسب حال ہے۔ کہ میں ملائکہ کے وجود پر اس جگہ
بحث کروں۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ یہ اس قسم
کی گولی ہے۔ جو انگریزی خوان حلق میں کسی قدر دقت سے
اُترتی ہے۔ یہاں میں صرف اس حقیقت کا خلاصہ
بیان کر دیتا ہوں۔ جو کہ ملائکہ کے متعلق حکمائے اسلام
میں سمجھی گئی ہے۔ بعض متکلمین اسلام ملائکہ کو قوائے
فطریہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ انکے نزدیک خواص الاشیاء
کا نام ہی ملائکہ ہے یعنی ملائکہ سے مراد وہ تمام قوتیں
ہیں جو آگ پانی ہوا۔ بادل سورج وغیرہ عناصر
کائنات اور مظاہر قدرت میں فرداً فرداً اور مشترکہ
موجود ہیں۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ اس
کائنات میں کوئی چیز نہیں جس پر کوئی مَلک مامور
نہیں لیکن قرآن میں ان فرشتوں کے متعلق ایسی
آیات بھی موجود ہیں جن سے ایک طرف قرآن ملائکہ کا
ذی علم ذی عقل اور ذی تدبر ہونا نظر آتا ہے جیسے
فرمایا۔ والمدبّرات امراً۔ اور دوسری طرف انکی
ماموریت صرف قوائے مادیہ پر ہی نہیں بلکہ ان قوائے انسانی
کے متعلق بھی پائی جاتی ہے جو اخلاق اور روحانیت کی

ذیل میں آتے ہیں۔ لہٰذا ملائکہ سے وہ ذی عقل ذی تدبیر نفوس مراد ہیں جو خدا کے امر سے ان تمام قوائے فطریہ کو فعل میں لانے کے محرک اور مُدعی ہوتے ہیں جو موجودات عالم میں ودلیعت شدہ ہیں وہ کائنات اور اس کے عناصر میں بمنزلہ جان اور روح کے ہیں وہ جس امر پر مامور ہیں اس کو بلا تامل وقت پر فعل میں لے آتے ہیں۔ اس لئے ان کے متعلق قرآن کہتا ہے یفعلون ما یؤمرون ملائکہ کی اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد اب ہم ان آیات پر غور کرتے ہیں جن میں ملائکہ نے سوال پر ہماری پیدائش کا ایک راز ہم پر کھولا جاتا ہے۔

آدم سے پہلے کُل کائنات موجود ہے۔ اس کائنات کے عناصر میں اور اجزا میں قوتیں بھی موجود ہیں۔ ان قوا کو فعل میں لانے کے لئے ملائکہ بھی مامور ہیں۔ جن کی نگاہ میں کائنات ہمہ وجوہ مکمل ہے۔ ہر ایک ذرہ ذرہ کائنات کا وہ کام دے رہا ہے جس کے لئے وہ بنایا گیا ہے ہر ایک شے ملکی تحریک پر اپنی اپنی قوتوں کے نتائج مرتب کر رہی ہے۔ کوئی قوت کسی کی خارج نہیں متضاد عناصر ایکدوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔ ہر طرف امن و آرام

سلامتی اور صلاحیت ہے کہ اتنے میں ملائکہ پر کائنات کے ایک حکمران کے پیدا ہونے کا ارادہ ظاہر ہوتا ہے وہ دیکھتے ہیں۔ کہ کائنات کی ذرہ ذرہ کی غرض پیدائش ہمارے ذریعہ پوری ہو رہی ہے۔ اب جو ایک نئی مخلوق آنیوالی ہے جو بظاہر کسی عنصر کائنات سے فرداً فرداً مجانست نہیں رکھتی وہ بجز اس کے کہ فساد اور ہلاکت کا باعث ہو اور کیا ہو سکتی ہے۔ اسلئے خداوند کے اس ارشاد پر کہ انی جاعل فی الارض خلیفۃ وہ عرض کرتے ہیں۔ اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفك الدماء ونحن نسبح بحمدك ونقدس لك حضور والا جو کچھ کائنات میں حضور نے اپنے جلال اور قدوسیت کے شایان حال بنایا اسکے متعلق عملاً حمد اور تسبیح تو ہم ہر وقت کر رہے ہیں۔ تو پھر اس نئے وجود کو کیوں بنایا جاتا ہے جو غالباً زمین پر فساد یا قتل مقاتلہ کرے۔ ملائکہ کی اس غرض پر حضرت احدیت مآب نے کیا کہا۔

وعلم آدم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملئکۃ فقال انبئونی باسماء ھؤلاء ان کنتم صدقین

(پ ۱ ع ۴) خدا تعالے نے آدم کو موجودات کے نام بتلائے اور کل اشیاے کائنات کے اسماء اور ان کے خواص جاننے

کی استعداد اسمیں رکھ دی۔ کیونکہ ناموں کے ذریعہ ہی مختلف اشیاء میں تمیز ہُوا کرتی ہے۔ اور یہ مختلف ناموں کا مقرر کرنا مختلف خواص کے معلوم ہونے پر منحصر ہوتا ہے۔ اور اس طرح ملائکہ کو جتلایا کہ جن قوائے فطریّہ کو فعل میں لاتے کے تم محرک اور داعی ہو۔ وہ آخر کسی فائدہ کیلئے بنائے گئے ہیں ان کا کوئی مصرف ہے۔ اس مصرف اور فائدہ کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام قوائے فطریّہ کا کماحقّہ کسی کو علم ہو جو تم میں نہیں۔ تم اس طرح اسے اس کائنات کے خلیفہ (سردار) نہیں ہوسکتے۔ اس کائنات پر اور اس کی قوتوں پر تو وہی حکمران ہوگا جو تمام قوائے فطریہ کے اسماء اور خواص سے واقف ہوگا۔ تم تو صرف ان قوتوں کو فعل میں لانے کیلئے مامور ہو لیکن تمہاری اس ماموریت اور تمہاری تحریک سے فائدہ تو وہ اُٹھاویگا۔ جن کو ان قوتوں کا علم ہوگا۔

انی اعلم غیب السمٰوٰت والارض

اِس تمام کی تمام کائنات میں جو قوتیں چھپی ہوئی ہیں ان کو میں ہی خوب جانتا ہوں۔ اور تم کو ان کا علم نہیں میرا نائب فذالامر خلیفہ وہ ہوگا جو ان قوتوں کا علم رکھیگا۔ اسلئے تم جو کُل

مظاہر قدرت اور عناصر کی قوتوں کو فعل میں لانے کے محرک اور داعی ہو تم ان چھپے ہوئے قویٰ کے علوم سے باخبر آدم کے آگے سجدہ کرو۔ یعنی تمہیں اسکی اطاعت کرنی ہوگی۔ جب اس کو ضرورت ہو۔

اللہ اللہ یہ کیسی سچی اور واقعات پر مبنی حقیقت ہے جو ان آیات میں ظاہر کی گئی ہے۔ ایک طرف تم کو مخاطب کرکے یہ کہا کہ سخر لکم مافی السموٰت والارض جمیعًا یعنی آسمان اور زمین میں کی کُل کی کُل چیزیں تمہاری خادم ہیں۔ دوسری طرف یہ اطلاع دی کہ ہم نے تمہارے جدِ اوّل میں قوائے عالم کے متعلق علم حاصل کرنیکی استعداد رکھ دی۔ اور پھر اس علم کی وسعت کے متعلق فرمایا۔ انی اعلم غیب السموٰت والارض۔ دوسری طرف ملکوت السموٰت والارض کو تمہاری اطاعت پر مامور کرنے کی خبر تم کو دی۔ بتلاؤ اس سے بیّن اور روشن طریق پر کس کتاب نے تمہاری فطرت اور استعداد کو بلند کیا۔ کس نے تم کو بتلایا کہ یہ زمین اور آسمان کی قوتیں تمہارے منشاء کو پورا کر سکتی ہیں۔ اگر تم ان کا علم حاصل کرو۔ بالفاظ دیگر علوم جدیدہ جن کی غرض اس زمین اور آسمان وما فیہا

کی قوتوں کو دریافت کرنا ہے۔ اسکی طرف کس کتاب نے انسان کو ایسے صاف اور بیّن طریق پر مائل کیا۔ اس میں شک نہیں کہ اور کتابوں نے بھی آدم کو خدا کی تصویر کہا۔ آدم اور ملائکہ کے تنازع اور اُن کے سجدہ کا ذکر کیا۔ لیکن وہ تو کہانیاں ہی کہانیاں تھیں۔ جن کی طرف معقول پسند طبائع نے کبھی توجہ نہ کی۔ ہاں قرآن نے اس واقعہ کی علمی حقیقت سے دنیا کو اطلاع دی۔ کہ زمین اور آسمان کے فرشتے اس آدم اور اس کی اولاد کے آگے سجدہ کرینگے۔ جو زمین اور آسمان کے مضمر قوے کا علم حاصل کرینگے۔ اور کیا واقعات عالم نے ان قرآنی حقائق کو آج سچ کر نہیں دکھایا۔ کیا اولاد آدم کے ایک طبقے نے اپنے اس علم کے ذریعہ جو اس نے سائنٹیفک تحقیقات کے ذریعہ قوائے عالم کے متعلق حاصل کیا ہے فرشتوں سے ایک حد تک سجدہ نہیں کروا لیا کیا بقدر علم و تحقیقات سمندروں کے ہواؤں کے آگ کے پانیوں کے بادلوں کے بجلی کے معدنیات کے نباتات کے شجر کے حجر کے ملائکہ ان کے آگے سجدہ اطاعت نہیں کر رہے۔ لیکن اے قرآن کے پڑھنے والو تیرہ صدیں ہوئے آپ کو اس صداقت سے اطلاع دی گئی آپ نے اس سے کیا فائدہ اٹھایا۔ قرون اولے کے مخاطبین

قرآن نے اس حقیقت کو سمجھا ۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں دنیا کے مالک ہو گئے ۔ کیا تم ان کے خلف الصدق کہلانے کے مستحق ہو ۔ جنہوں نے ان کی علمی تحقیقات کو خاک میں ملا یا یا ان کے سچّے خلف الصدق ان علمی معاملات میں وہ اصحاب مغرب ہیں جنہوں نے ہمارے بزرگوں کی علمی تحقیقات سے اس ملکوت السمٰوٰت والارض کے سجدہ کے راز کو سمجھا اور پھر علم آدم الاسماء کلھا کے مصداق بننے کی کوششیں کیں ۔ افسوس اور ہزار افسوس وہ قوم جن کی کتاب میں آدم اور سجدہ ملائکہ کی حکایت ایک کہانی سے زیادہ وقعت نہ رکھے ۔ جس پر عقلائے روزگار کو ہنسی آوے ۔ اور جنکے علمائے الٰہیات اس درخت کا نام درخت علم رکھیں کہ جس کے چکھنے سے آدم بہشت سے نکالا گیا ۔ یعنی جن کے نزدیک ایک طرح علم کا حاصل کرنا بہشت کو گنوانا ہو ۔ وہ اس قصے کی علمی حقیقت کو ہمارے بزرگوں سے سمجھ کر آدم کا اصلی ورثہ ہم سے چھین لیں ۔ اور وہ قوم جن کو ملکوت السمٰوٰت والارض کا مسجود بنانے کے لئے اس قصہ کا علمی رنگ

تعلیم کیا گیا۔ وہ اس پُر معارف واقعہ کو ایک قصہ کہانی سمجھے۔ الغرض قرآن کریم نے پیدائش آدم اور سجدہ ملائکہ کی حقیقت بیان فرما کر دراصل ہمیں سائنٹیفک تحقیقات کی طرف متوجہ کیا۔ ان آیات نے نہ صرف ہمارے نصبُ العین کو ہی انتہائی مقام تک بلند کر دیا۔ بلکہ ہم کو تحریک کی کہ ہم ہر قسم کے علوم عالیتہ ہیں جن میں علومِ جدیدہ بھی شامل ہیں علےٰ وجہ الکمال ترقی کریں۔ قرآن کریم میں لاتعداد ایسی آیات ہیں جن سے نظر آتا ہے۔ کہ اسلام کی مہتم بالشان غرض یہ تھی۔ کہ دنیا میں

## احیاء علوم

ہو۔ گھر گھر علم کا چرچا پھیلے۔ انسان پر وہ علوم کھولے جائیں جن سے پہلے انسان ناآشنا تھا۔ قلم کی حکومت دنیا پر ہو۔ اور آیندہ اشاعت علوم کا ذریعہ قلم ٹھہرے۔ یہ تو درست ہے کہ اسلام سے پہلے بھی درس تدریس تھی۔ لیکن یہ کون نہیں جانتا کہ اس درس تدریس کا ذریعہ قلم و کاغذ نہ تھے اس کا ذریعہ زیادہ تر سننا اور بولنا تھا و سینہ بسینہ علم اور اس کی سینہ بسینہ اشاعت جو اگر تھی تو انہیں

ایام کے موزوں حال تھی - اور دراصل انسان مجبور بھی
تھا - کاغذ کا قائمقام تو ہندوستان میں بھوج پتر اور
اَور ممالک میں خال خال طریق پر چمڑا تھا - کامل
اشاعت علم تو اس وقت تک نہ ہو سکتی تھی جب تک
دنیا کاغذ کے استعمال سے آگاہ نہ ہوتی - اور یہ کون
نہیں جانتا کہ دنیا پر یہ خدا تعالیٰ کی رحمت جس کا
نام کاغذ ہے یہ بھی رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے غلاموں کی طفیل بغرض استعمال موجودہ دنیا کے
علم میں آیا - چنانچہ کل دنیا کا پرانے سے پرانا مسودہ
جو کاغذ پر محفوظ ہے وہ ایک کتاب موسوم بہ غریب الحدیث
ہے - جو سنہ ۸۶۶ عیسوی میں لکھی گئی - اور جو اس وقت
لیڈن کی یونیورسٹی میں محفوظ ہے - علاوہ ازیں
علم کے خلاف عَلَمِ جنگ تو خود ان بزرگوں نے اٹھا رکھی
جن کے گھر میں علم کی ایک دھندلی سی جھلک تھی
ہندوستان میں برہمنوں کے سوا کس کی مجال تھی - اور
ان میں سے بھی خاص الخاص افراد جن کے کانوں
میں اس وقت کے معلومہ علوم کے اسرار نہایت
احتیاط کے ساتھ ڈالے جاتے تھے - یہی حالت ایران
کی تھی - یورپ میں کنیسوں اور خانقاہوں سے باہر

علم کا لیجانا پاپائے اعظم کے ارشاد کے ماتحت قریب قریب جرم تھا۔ اور پاپائے مقدس ایک حد تک حق بجانب بھی تھے۔ آخر اس علم کے درخت کا ایک دانہ چکھ کر جب آدم پر بہشت حرام ہوئی۔ اور دُنیا سیاہ کار ہوگئی اور خود خدا کو (معاذ اللہ) جس کے عوض میں صلیب پر چڑھنا اور تین دن دوزخ میں رہنا پڑا تو پھر اگر سارے کا سارا درخت علم کا انسان چٹ جاتا تو پھر نہ معلوم کس قدر زبردست کفارہ کی ضرورت پڑتی۔

الغرض وہ زمانہ کہ جسمیں اشاعت علم کا ذریعہ کتاب یعنی قلم اور کاغذ ہو اس کو دُنیا میں اسلام لایا اسلام آیا۔ اور اپنے ساتھ قلم کی حکومت لایا جس سے انسان نے وہ سیکھا جو اُسے پہلے معلوم نہ تھا۔ یہ میرا خالی دعویٰ نہیں بلکہ زمانہ کی تاریخ اور واقعات عالم اس کے شاہد ہیں جو میں اس جگہ عرض کر رہا ہوں کیونکہ اگر علم کا مذاق تمہارے اسلاف نے دُنیا میں پیدا کیا۔ اور دوسری قوم نے اس کو ترقی دی۔ تو در اصل یہ ایک ہی سلسلہ ہے۔ اور میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ حسن اتفاق ہے بعثت اسلام اور اشاعت علوم کیا یہ محض coincidence ہے۔ جیسا کہ بعض

مادہ پرست طبائع خیال کرینگی - یا خاص ارادہ خداوندی ہے - مَیں تو اسے ارادہ خداوندی ہی کہونگا - اور خدارا میرے اس کہنے کو ایک ڈھل مل یقین طبیعت کا نتیجہ نہ سمجھنا - نہیں نہیں جب بعثت محمدیہ کی ایک زبردست غرض خود قرآن ایسے وقت قلم و علم بتلائے - جب علم و قلم الناد ر کالمعدوم ہوں - تو پھر یہ کیسے اتفاق کا نتیجہ ہوسکتا ہے - یہ تو اس علیم و قدیر کی ہستی اور اس کے پاک ارادوں کا ایک عملی ثبوت ہے - کہ وہ پیشگوئی کے رنگ میں بعثت نبوی کی ایک غرض قلم اور علم بتلائے اور پھر واقعات عالم اس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدام کے ذریعہ اس کو پورا کر دکھاویں جانتے ہو وہ کون سے صداقت بھرے الفاظ تھے جو غار حرا میں رُوح الامین نے دنیا کے سب سے بڑے محسن اور سب سے زیادہ خیر خواہ اور بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کی شان والے انسان کے قلب مطہر پر القاء کئے

اقرا باسم ربك الذى خلق خلق الانسان من علق - اقراء وربك الاكرم - الذى علم بالقلم - علم الانسان ما لم يعلم - (پ ۳۰ ع) +

اس رب کے نام سے پڑھ جس نے تجھے پیدا کیا۔ وہ وہ ہے جو ایک جمے ہوئے قطرہ خون سے ایک انسان بنا دیا کرتا ہے۔ وہ تیرا ربّ اکرم ہے۔ وہ تیری ایسی بڑی ربوبیت کریگا۔ کہ تو دنیا میں اکرم اور مکرّم ہو جاویگا اور یہ کوئی مشکل نہیں۔ دیکھ کہاں خون کا جما ہوا بے حیثیّت قطرہ اور کہاں وہ ہیولی جس کا نام انسان ہے۔ اگر وہ چھوٹی چیز ربوبیّت الٰہیّہ سے ہی ایسی اکرم ہو جاتی ہے۔ کہ جس کا نام انسان ہے تو وہی تیرا ربّ ہے تو بھی دنیا میں اکرم اور مکرم ہونیوالا ہے۔ اور تو ہی اکرم نہیں بلکہ وہ رب تیری طفیل انسان کو اکرم کرنیوالا ہے۔ کیونکہ اُس نے ارادہ کر لیا ہے۔ کہ انسان کو قلم کے ذریعہ علوم سکھلائے۔ اور انسان پر وہ علوم کھول دے جو اُسے معلوم نہ تھے۔ کہ الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم انسان قلم کے ذریعہ سکھلایا جاوے گا انسان وہ سیکھیگا جس کا اس کو علم نہ تھا۔ یہ لفظی معنے ان آیات کے ہیں۔ نہ کوئی تکلف اور نہ کوئی تصنع بلکہ علم الانسان مالم یعلم میں لفظاً اور معناً پیشگوئی علوم جدیدہ کی ہے۔ علوم جدیدہ کیا ہیں

وہ علوم جو پہلے معلوم نہ تھے۔ اس آیت کے لفظی معنی کیا ہیں۔ انسان وہ علم پڑھیگا جو اُسے پہلے معلوم نہ تھے۔ کیا یہ زبردست سے زبردست پیشگوئی نہیں۔ کیا یہ الفاظ ایسے وقت نہیں بولے گئے۔ جب انسان قلم کے پُورے استعمال سے واقف نہ تھا۔ کیا وہ علوم دنیا میں تھے۔ جو اسلام کی دنیا نے دیکھے۔ فرمایا۔ اقرأ وربك الاکرم۔ فرمایا پڑھ اور تیرا ربّ اکرم ہے۔ کیا اس علم سے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اکرم نہیں ہوئے۔ اور اس کے اتّباع میں انسان۔ کیا پڑھنے کی برکات کا اسمیں کھلا کھلا اشارہ نہیں۔ کہ پڑھنے سے دُنیا میں لوگ مُکرّم ہُوا کرتے ہیں۔ کیا انسان جو کُل دنیا کا مُکرم ہے۔ انسان جو خدا کی تصویر ہے۔ انسان جو خدا کا خلیفہ اور اور کائنات کا باز ہے کس کی طفیل قلم کی طفیل۔ اور اُن علوم کی طفیل جو اسے ان آیات کے نزول سے پہلے معلوم نہ تھے۔ یہ الفاظ جو برنگ پیشگوئی ہیں۔ یہ اس علیم اور قدیر خدا کی ہستی کا پتہ دیتے ہیں۔ جس کے علم میں ایک زمانہ کا علم آئیوالا ہے۔ جب انسان قلم و کاغذ کے ذریعہ علمی فتوحات حاصل کرکے کُل کائنات میں مکرم ہوگا

وہ علیم خدا ان اسباب سے واقف ہے کہ جو دنیا میں ہیں اور جن کے جمع ہونے پر وہ نتائج مرتب ہونیوالے ہیں۔ اور وہ قدیر خدا بھی ہے۔ جس کے حیطہ قدرت میں ان اسباب کو جمع کرنا ہے۔ کہ جس سے انسان قلم اور علم کے ذریعہ کائنات کا مالک ہو جاویگا۔ اور آج زمانہ نے دیکھا کہ جو الفاظ اس علیم اور قدیر خدا نے تیرہ صد برس پہلے کہے وہ آج کیسے پورے ہوئے۔ دراصل یہ امر ہستی باریتعالیٰ کا خود ایک ثبوت ہے۔ اور پیشگوئیاں خدا کے نبی اسی لئے کیا کرتے ہیں +

مبارک ہے وہ دین جس کا نام اسلام ہے یعنی قوانین الٰہیہ کی متابعت اور اطاعت۔ جس کے نام میں اشارہ ہے کہ اسلام کے نام لیوا قوانین الٰہیہ کی واقفیت کے لئے علوم جدیدہ سیکھیں۔ مبارک ہے وہ مکرم معظم انسان علیہ الف الف صلوٰۃ والسلام جس کی تشریف آوری کی ایک غرض علم الانسان مالم یعلم یعنی تعلیم **علوم جدیدہ** ہوں۔ مبارک ہے وہ کتاب جس نے پیدائش آدم کی ایک زبردست غرض **علوم جدیدہ** کا حاصل کرنا اور ان کے ذریعہ مسجود ملائکہ کائنات ہونا بتلایا۔ پرانے قرآن پڑھنے والوں کی اولاد کیا کل دنیا میں سب سے اول تم ان آیات

سے مخاطب نہ تھے۔ تم نے قرآن میں نہ دیکھا تھا کہ آدم مسجود ملائکہ اگر ہوسکتا ہے تو علم کے طفیل۔ آدم کا اگر حقیقی ورثہ ہے تو علم۔ خدا کی اگر تمہیں بنانے کی منشا ہے تو علم لیکن تم بتلاؤ تم نے منشاء خداوندی کو پورا کیا۔ کیا تم علم حاصل کر کے زمین پر اسکے خلیفہ بنے۔ پر خیر تم نے خدا کی منشاء نہ سہی فرشتوں کا خیال تو پورا کر دیا +

آدم کی پیدائش سے متعلق دو باتوں کی توقع دو طرفوں سے کی گئی تھی۔ اگر خدا تعالے اس امر کا آدم سے متوقع تھا کہ اولاد آدم فرشتوں کی مسجود ہوگی تو ملائکہ کی توقع وہ تھی جو ان کے اس قول سے ظاہر ہوئی +

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ

کیا آدم کو اسلئے بنایا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں موجب فساد اور قتل مقاتلہ کرے۔ چلو خلیفۃ الارض کی حیثیت میں مسجود ملائکہ نہ سہی مفید زمانہ سہی۔ یہ ہم سے کب ہوسکتا تھا۔ کہ ملائکہ جیسے وجود ہم سے ایک توقع رکھیں۔ اور ہم اسکو پورا نہ کریں کونسا فساد ہے جو ہم نہیں کرتے۔ کونسی مفسدہ پردازیاں ہیں جو ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل نہیں ہیں۔ کونسی اصلاح ہے۔ کہ جس کے مطابق عملِ مخالفت ہم بلند نہیں کرتے۔ ہم ہیں کہ قعر ذلت میں روز بروز گرتے جاتے ہیں۔ جاہلانہ زندگی سے ہمکو

غار نہیں۔ اخلاق ہمارے تباہ ہو رہے ہیں معاشرت ہماری
بگڑی ہوئی ہے۔ سوسائی ہماری بدکرداریوں کا پردہ فسق و
فجور کے ہم بادشاہ۔ جائداد یں ہماری نیلام۔ وثیقہ ہمارے
رہن۔ نہ غربت کا احساس نہ شرافت کا خیال۔ حوالات
ہیں تو ہم سے معمور جیل میں شاہی مہمان ہیں تو ہم۔ شراب خانہ
کے مربی ہیں تو ہم۔ قمار خانہ کی باعث رونق ہیں تو ہم۔
جائداد یں بکتی ہیں تو ہماری۔ وثیقوں پر ادھار کھاتے
ہیں تو ہم۔ اچھا یہ تو وہ باتیں ہیں۔ جن کے متعلق آپ
میں سے تعلیمیافتہ طبقہ یہ فرمائے۔ کہ یہ باتیں ان سے
تعلق رکھتی ہیں جو شاید ہماری قوم میں سے زیور علم سے مُعرا
ہیں لیکن مجھے آپ معاف فرمائیں۔ اگر میں اپنے ہمچشم
تعلیمیافتہ اصحاب سے دریافت کروں کہ کیا آپ ایکدوسرے
کے مقابل پر آج برسر پیکار نہیں۔ کیا آئے دن انجمنوں
میں کمیٹیوں میں مجلسوں میں ہماری ذاتی غرضیں ہمیں ایکدوسرے
کے مقابل نہیں لا رہی ہیں۔ کیا ہم ایکدوسرے پر
الزام لگانے میں مشتاق نہیں۔ اگر اتفاقاً ہم میں سے
کوئی قومی خدمت کا ذمہ لیلے تو کیا ہم اس پر نفسانیت
کا الزام دینے کو طیار نہیں۔ ہم نہ خود کوئی کام کرتے ہیں اور
جو کر رہے ہیں۔ چلو ذاتی غرض سے ہی سہی انکو کرنے نہیں دیتے

کیا اگر ہم میں کوئی محض فضل ربی سے صف اول میں آجاوے
اور گورنمنٹ کے مراحم خسروانہ کا مورد ہونے لگے تو ہم
میں حسد نہیں بھڑک اُٹھتا - اور اسکی پبلک میں تضحیک و
تذلیل کے ہم درپے نہیں ہوجاتے - کیا بعض وقت افیشل
سرکل میں عزت پانے کے لئے ہم قوم فروشی دین فروشی
دوست فروشی نہیں کیا کرتے - اسمیں شک نہیں کہ ہمارے
باغ روشن ہیں - اور ہم اصلاح کیلئے آئے دن انجمنوں
اور ایسوسی ایشنوں کی بُنیاد ڈالتے ہیں لیکن خدارا
بتلاؤ وہ انجمنیں جو ہم بناتے ہیں قوم کو فائدہ پہنچانے کیلئے
یا اپنے کلاہ عزت میں ایک پر اور لگانے کے لئے یعنی اُن دو
تین چوٹی کے عہدوں کو حاصل کرنے کے لئے کہ جس سے
ہم دنیا میں فلاں انجمن یا ایسوسی ایشن کے پریزیڈنٹ
یا سکرٹری کہلائیں کیا اگر چلتی ہوئی انجمنوں میں
ہمیں عہدہ نہ ملے تو ان انجمنوں کی بیخکنی کرنے کیلئے
ہم نئی انجمنیں نہیں بنا لیا کرتے - بسا اوقات قومی
مفاد اور قومی انٹرسٹ کو ہم نے نفسانیت کے نیچ
پر قربان نہیں کیا - ہم میں کون ہے جس نے قوم کی خدمت
کی - لیکن خطاب حاصل کرنے معزز عہدہ پانے اور بڑے
آدمی کہلانے کے خیال کو سر سے نکال دیا - ہم تعلیم پا کر

بیشک چار پیسے کما لیتے ہیں۔ ہم اور ہمارے خاندانی تعلق والے خوشحال زندگی بسر کرتے ہیں۔ لیکن کیا اس روپیہ میں قوم کا بھی کوئی حصّہ ہے؟

ہم کو اپنی ڈگریوں اور اعلٰے تعلیم پر تو بڑا دعوٰی ہے لیکن حقیقی کام اگر تعلیم کا معیار سمجھا جائے۔ اور اس معیار پر ہمیں پرکھا جائے۔ تو گذشتہ پچاس سالوں میں ہماری تعلیمیافتہ جماعت نے کتنے نورالدین کتنے اسمٰعیل شہید۔ کتنے سیّد احمد کتنے نذیر احمد کتنے مہدی علی کتنے مشتاق حسین پیدا کیئے اوہو یہ تو بڑا مطالبہ ہے۔ ہم تو اُس جوش کو بھی قائم نہیں رکھ سکتے۔ اور اس سے فائدہ اُٹھانا نہیں جانتے جو بعض تحریکات سے ہمارے بزرگ ہم میں پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ جوش اور سرگرمی کا دریا جو سر آغاخان نے اگلے دن ہماری قوم میں بہا دیا۔ جس کی موجوں کو دیکھ کر ایک زمانہ دریاء حیرت میں غرق ہو گیا جس پر کُل دُنیا پُکار اُٹھی کہ مسلمان زندہ ہیں۔ افسوس اس سرگرمی اور اُس زندگی پر ایک سال بھی نہ ہُوا کہ اوس پڑ گئی۔ ایک لہر زندگی کی تھی جو اُٹھی اور بیٹھ گئی پھر وہی مُردنی وہی سراسیمگی وہی سہل انگاری

وہی غفلت کیوں اسلئے کہ ہم میں عقد ہمت نہیں ہم میں استقامت نہیں ۔ ہم میں قوت فیصلہ نہیں ۔ ہم میں استقلال نہیں ۔ ہم قول مرداں جاں وارد سے قائل نہیں ۔ ہم میں ایفائے عہد نہیں ۔ ہم میں مروت نہیں ہم میں قدر دانی کا مادہ نہیں ۔ ہم میں شجاعت نہیں ہم میں صبر نہیں ۔ کسی قانون مذہبی اور عرفی کے ہم پابند نہیں اِلّاماشاء اللہ ۔ اور میں فی الجملہ کہتا ہوں ۔ کہ ہم میں تقویٰ و طہارت نہیں ۔ اور یہ وہ اخلاق ہیں جو قوم بنانے کیلئے ضروری تھے ۔ یہ کیوں ؟ یہ اس لئے کہ ہم نے ان علوم سے منہ موڑا جن کے حاصل کرنے پر ہم میں یہ اخلاق فاضلہ پیدا ہوتے ۔ ہم نے اس کتاب کو پس پشت کیا ۔ جو انسان کو انسان بنانے کے لئے دنیا میں آئی ۔ کیا مراکو طرابلس اور ایران کے معاملات نے اسلام کی حالت کو زیادہ مخدوش کردیا ہے ۔ میں کہتا ہوں نہیں ۔ اگر اس زمانہ نے غلبت الروم فی ادنی الارض کے واقعات کو دہرایا ہے تو وھم من بعد غلبھم سیغلبون کا مژدہ بھی عنقریب دہرایا جائیگا ۔ اصلی اور حقیقی خطرہ میں تو اسلام کو یورپین اقوام نے نہیں بلکہ انگریزی خوانوں نے خود ڈال رکھا ہے ۔ اور بالفرض اگر عیسائی اقوام نے

ہمارے بھائیوں سے کچھ ملک چھین لیا تو کیا ہوا۔ تلک الایام نداولھا بین الناس (پ ۴ ع ۵) لیکن ہم انگریزی خوان تو اپنے بھائیوں کا دین و ایمان تک چھین کر رہینگے۔ کون نہیں جانتا۔ کہ قوم کی آنکھ اس وقت انگریزی خوان جماعت پر ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ہمارے افعال و اقوال ہمارے متعلقین پر کس قدر اثر ڈال رہے ہیں۔ وقار الملک اور اس کے معاصرین بڈھوں کو گذر نے دو تو پھر کُل کی کل قوم ہمارے رنگ میں رنگین ہونیوالی ہے لیکن کیا ہم خود اسلامی رنگ میں رنگین ہیں یا کعبہ چھوڑ کر کلیسا کو جار ہے ہیں۔ اگر بعض یورپین اقوام اسلام کے لئے شرمسار نہیں تو ہم کہاں سے خیر خواہ ہیں۔ اگر یہی اسلام ہے۔ جو ہم میں ہے تو بتلاؤ کتنے دن کا یہ مہمان ہے۔ او کامریڈ والے خدا تیرا بھلا کرے کیا سچ تو نے کہا ہے۔ کہ اسلام اقوام یورپ سے بلکہ تعلیمیافتہ مسلمانوں سے زیادہ خطرہ میں ہے۔ آخر اسلام کس کا نام ہے۔ بخشش اور دین کا جزو نام ہوتا اگر یہی ہے تو کیوں تم کو گنگا دین۔ مانا دین اور دیبی بخش کا بھائی نہ سمجھا جائے۔ اور اگر اسلام کی تمیز کے لئے

شعار اسلام ہونے چاہییں تو بتلاؤ وہ ہم میں کہاں ہیں؟ خدا کی کتاب ہے تو پس پشت - فرائض اسلام ہیں تو متروک سنت نبوی ہے تو ناقابل توجہ - کیا جس طریق اباحت کو ہم نے اختیار کر رکھا ہے - یہ پچاس سال میں اسلام کی ہیئت کو نہ بگاڑ دیگا - دیکھو اسلام کا ایک نشان اسلامی نماز ہے - بتلاؤ ہم میں سے اس کے کتنے پابند ہیں - کیا یہ ڈل ایجز (ایام وسطی) کی وحشیانہ رسوم کا بقیہ ہے جو ہمارے گلے میں اٹکتا نہیں یا اُس حکمت و فضیلت کے سرچشمہ نے کسی خاص حکیمانہ اصول پر ہمارے لئے اُسے اختیار کیا تھا - کہ جس کا نام جانم فدا محمد ہے - کیا نماز کا حکم کسی حدیث کی بنا پر ہے جسے ہم وضعی یا ضعیف ٹھیرا کر پیچھا چھڑالیں یا اس کا ذکر اس کتاب حفیظ میں ہے - جس کی شان میں انا لہ لحٰفظون آیا ہے وہ نماز جو سفر میں - حضر میں - امن میں جنگ میں چھوڑی نہ جاسکتی تھی - حتٰے کہ تلواروں کی چھاؤں اور نیزوں کے سایہ کے تلے جس کے پڑھنے کے لئے قوانین قرآن نے مرتب کئے تھے وہ نماز آج کیا ہے - افسوس یہ ہماری حالت یہ ہمارا لفننہ یہ بیخکنی اسلام کی خود ہمارے ہاتھ

سے اور اٹلی کی قزاقی پر ہم کو رنج - یہ سب کچھ کیوں اسلئے کہ ہم نے قرآن کو چھوڑا + ۹

ورس قرآں نہ اگر ہمنے بھلایا ہوتا
ہمنے قرآن کو مسلک جو بنایا ہوتا
ڈالتے ہم نہ پس پشت اگر قرآں کو
چاٹ لیں ہمنے کتب فلسفہ او منطق کی
لائی ہر ڈاک ترے واسطے لندن سے کتاب
خیر یورپ کی ہی تقلید اگر مقصد ہے
وہ جو انجیل یہاں تجھ کو سناتے آئے
قوم کا لفظ ترے ورد زباں رہتا ہے

یہ زمانہ نہ زمانہ تجھے دکھلایا ہوتا
قوم کے خفتہ نصیبوں کو جگایا ہوتا
میرے آقا کو نہ محشر میں رلایا ہوتا
ہاتھ بھولے سے بھی قرآں کو لگایا ہوتا
گھر سے ہمسایہ کے قرآں بھی منگایا ہوتا
تو نمونہ انہیں سے طرح بنایا ہوتا
تو نے قرآں وہاں جاکے سنایا ہوتا
قوم کو راز ترقی بھی بتایا ہوتا

قوم کے درد کا درماں ہے تو یہ قرآں ہے
مفلسی میں کوئی ساماں ہے تو یہ قرآں ہے

کچھ تو بتلاؤ کہ تھا کونسا قطرہ کا وہ ا
باغ عالم میں وہ تھے صورت مرغ بے پر
اڑکے اس عالم سفلی سے فلک بوس ہوئے
کس نے تعلیم دی علم لدنی ان کو
صید ہونے لگے مرغان علوم عالم
کس نے وہ اوج کمال انکا کیا نصب العین
ہم نفس ہوکے وہ کیا راگ انہوں نے چھیڑا

جس سے اسلاف تمہارے ہوئے سب پر ممتاز
کس نے اڑنے سے اڑائے یہ نرالے انداز
پر شکستوں کو دیا کس نے مذاق پرواز
قوم امی تھی فضیلت کے لئے مایہ ناز
انکی تحقیق کے اڑنے لگے خیرہ ہو باز
منتہی غیر کی اور ان کا ابھی ہو آغاز
نظم عالم کے قوی ہو گئے انکے دمساز

| | |
|---|---|
| کچھ تو اے قوم بتا کونسا وہ افسوں تھا | تیرے اسلاف نے جس سے یہ دکھائے اعجاز |

میں یہ کہتا ہوں وہ اعجاز یہی قرآں ہے
اور ترقی کا تری راز یہی قرآں ہے

پیارو وہی قرآن ہے۔ اور وہی اس کے مقدس الفاظ۔ اگر اس میں پہلے اعجاز تھا تو اب بھی وہی ہے ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ خدارا تاریخ زمانہ دیکھو۔ کیا عربوں سے زیادہ جہالت اور اخلاقی پستی میں کوئی قوم ہوگی جب قرآن آیا۔ پھر کیا وہ اس کی طفیل جس معراج ترقی پر پہنچے اس کی نظیر کہیں ہے؟ اور پھر میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کہ جسقدر اجل سے اقل زمانہ تمہارے بزرگوں نے اس کتاب پر چلکر منازل ترقی طے کرنے کے لئے لیا۔ کیا وہ خود ایک حیرت انگیز واقعہ دنیا کی تاریخ میں نہیں۔ اور پیارو تم تو تعلیمیافتہ ہو جو ایام جاہلیت کے عرب نہ تھے۔ آپ زیور علم سے آراستہ ہیں جو قرآن سے پہلے وہ نہ تھے۔ آپ کی عقلیں صیقل شدہ ہیں آپ کی طبیعت منجھ چکی ہے۔ اور یہ بات ان کو نصیب نہ تھی۔ اگر وہ ایام جاہلیت سے نکلکر قرآن کی طفیل یہ کچھ کر گئے تو اس علم و روشنی کے زمانہ میں تم کیا کچھ کر سکتے ہو۔ پیارو میں تم کو سچ سچ کہتا ہوں اور اپنے تجربہ

کی بناء پر کہتا ہوں ۔ قرآن کا اگر کوئی قدر دان ہو سکتا ہے
تو تم انگریزی خوان ۔ قرآن کے معارف اور معانی پر
جان قربان کرنے کی کوئی اہلیت رکھتا ہے تو تم تعلیمیافتہ
اس بحر علوم کے در شاہوار کا اگر کوئی غواص ہے تو تم
گریجوایٹ ۔ ذرا اس عروس حکمت و فضیلت کا نقاب
تو اٹھاؤ تو پھر کیا مجال کہ اس کے نیلے داموں غلام نہ بنجاؤ ۔
بیسیوں نیوٹن سینکڑوں ہیزل ہزاروں لاک اور
لاکھوں سپنسر ۔ اس پر تم قربان کردوگے +

سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعاً

کی حقیقت سے اطلاع دینے کے بعد کیا ریتان کا
حق ہے کہ وہ اسلام کو علم و فضیلت کی روک بتلائے ۔ کیا
علم آدم الاسماء کلھا کی تعلیم کے بعد یوروپین مورخین
کا حق ہے کہ وہ اسلام پر حملہ کریں اور کہیں کہ اس نے
صدیوں تک یونانی اور رومی حکمت و فلسفہ کی ترقی
کو مسدود کر رکھا ۔ لیکن اُن کا کیا قصور ہم خود اس
معارف سے آگاہ نہیں ۔ تو ان کو کون اطلاع دے ۔ اے
قرآن کے سچے خادم ہونے کے مستحق گریجوایٹو ۔ اٹھو جاگو
ہوشیار ہو جاؤ ۔ اگر یوروپین قومیں من کل حدب
ینسلون کی پیشگوئی پوری کرتی ہوئی ممالک مختلفہ کو فتح

کررہی ہیں۔ تم رُوحانیت اور اخلاق کے ساتھ علم و فضیلت کے ساتھ قرآن کے حقائق و معارف کے ساتھ قرآن کے حقائق و معارف کے ساتھ اُن کے دلوںکو فتح کرلو۔ ان کے دین و مذہب پر فتح۔ ان کے گرجاؤں پر انکے کلیسیوں پر بالآخر ان کی یونیورسٹیوں پر۔ اور یاد رکھو اسلام کی یہ فتح اب مقدر ہے وہ ہو کے رہیگی ہاں ۔

بمفت ایں اجر نصرت را دہندت اے اخی ورنہ
قضائے آسمان است ایں بہر حالت شود پیدا

یُورپ کی سوسائٹی پر چند ایک اصول حکمت حکمران ہیں جن کے مجمُوعہ کا نام ریشنلزم ہے۔ ان اصولوں پر غور کرو۔ اور میں آپ کو علے وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ وہ اصُول سب کے سب یا تو بجنسہ یا ان سے بہتر تم قرآن حکیم میں پاؤ گے دنیا میں یہ اصول چھٹی صدی عیسوی سے پہلے نہ تھے۔ اور یورپین محقق کہتے ہیں کہ گذشتہ دو ایک صدی کی تحقیق کا نتیجہ یہ اصول ہیں۔ جاؤ اور ان کو بتلاؤ کہ ان کا ماخذ تیرہ صد برس سے پہلے دُنیا میں آچکا ہے۔ وہ تمہارے خود بخود غلام ہوجاوینگے وہ مسجود ملائکہ تو ہیں لیکن یہ امر چنداں قابل رشک نہیں وہ تو

ان ملائکہ کے مسجود ہیں جو عالم سفلی سے تعلق رکھتے ہیں اور تمہارے بزرگ تو علیین کے بادشاہ تھے۔ اگر آگ پانی ہوا اور بجلی کے فرشتے ایک حد تک اُنکے زیر فرمان ہیں۔ تو تم رُوحانیات اور اخلاق فاضلہ کے فرشتوں کو اپنا تابع فرمان کرو۔ اور یہ وہ بات ہے جو انہیں نصیب نہیں۔ آج اٹلی کی قزاقی اور اس پر یورپ کی خاموشی نے یورپ کی تہذیب کا بُت اسکے اونچے سے اُونچے معبد سے نیچے خاک میں گرا دیا۔ اور اچھا ہُوا جو ہماری نگاہ سے انکی تہذیب کی وقعت جاتی رہی۔ اور یاد رکھو یہ تاریخ کا سچا مسئلہ ہے کہ اخلاق فاضلہ کے ماتحت عالم اسفل کی چیزیں آجاتی ہیں۔ اگر روحانیات کے ملائکہ تمہیں سجدہ کرنے لگ جائیں۔ تو عالم سفلی تو انکی اطاعت سے الگ نہیں۔ یہی وہ راز ترقی ہے جو تمہارے بزرگوں کو نصیب ہوا ؂

اے تعلیم یافتہ جوانو! اسلام تم سے ایک فدیہ مانگتا ہے اور بحمد اللہ تم اس فدیہ کے قابل ہو۔ وہ فدیہ تمہارے ذہنی قویٰ تمہارے سلجھے ہوئے دماغ اور منجھی ہوئی عقلوں کا کچھ حصہ ہے تم سے خدائے اسلام خدائے محمد اور خدائے قرآن خدمت قرآن چاہتا ہے۔ اور تم اس خدمت کے قابل ہو سکتے ہو مگر اس وقت جب تمہارے ہاتھ میں قرآن تمہارا شعار اسلام

تمہارے سجدوں میں اور تمہارے ہونٹ روزوں سے خشک۔ تمہارے مالوں و قتوں اور ذہنی قوتوں میں خدا کا حصہ بصورتِ زکوٰۃ۔ تم ٹھیک اسی طرح خدا کی راہ میں ذبح ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ جس طرح تم قربانیوں کو ذبح کرتے ہو۔ تم جس طرح اللہ اکبر کی چھری ان کی گردن پر پھیرتے ہو۔ اسی طرح خدا کی راہ میں قوم کی خدمت میں۔ دین کی عزّت میں۔ اپنے خیالات پر اپنے جذبات پر اپنی آسائشوں پر اپنے گھروں کی محبّت پر اور اولاد کے تعلق پر قربانی اللہ اکبر کی خاطر اور اس کے نام پر چھری پھیر دو۔ کیونکہ اصل مقصد اسلام کا یہی ہے فی الجملہ تم مسلمان بن جاؤ تو پھر ممکن ہے کہ خدا کی طرف سے نصرت کا دروازہ تم پر کھل جائے +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

# عالمگیر اخوت اور عالمگیر ملت قائم کرنے کی غرض سے

# ایک آزادانہ مذہبی تحریک

"آزادانہ مذہبی تحریک" ہیں۔ جہاں جناب مسیح ایک رُکن قرار دیئے جائیں گے۔ وہاں بُدھ اور کانفیوشس بھی اراکین انجمن میں شامل ہونگے۔ مگر یہ تحریک صرف بُدھ یا عیسائیت یا دین کانفیوشس کو مذہب کی ایک جیدہ اور مخصوص شاخ نہ تصور کرے گی۔ یا بالفاظ ایمرسن ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ عیسائی نشانوں یا بدھ کے نشانوں یا کانفیوشس کے نشانوں کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ مت رکھو بلکہ ان اخلاقی جذبات کی قدر کرو جن کے اندر لاکھوں عیسائی۔ بدھ کے مذاہب

کانفیوشس کے ادیان شامل ہیں۔ اس زمانہ میں
ایک ایسے عالمگیر ملت کی تلاش ہے۔ جس کے زیر اثر
دنیا میں ایک عالمگیر اخوت کی بنیاد رکھی جاسکے۔ دُنیا
کا آئندہ مذہب فرقی قیود سے آزاد ہوکر شان
عالمگیری سے جلوہ گر ہوگا۔ اسمیں تمام مذاہب کی
اخلاقی اور روحانی خوبیاں جمع ہونگی۔ اور ان کی
اشتراکی باتوں کو وحدت کے رنگ میں پیش کیا
جائیگا۔ یعنی یہ تمام دنیا کا مذہب ہوگا۔ خود عیسائی
جماعتوں میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے آپ کو
عیسائی کہلانے کے روادار نہیں ہوتے۔ اسلئے مسیح
کی الوہیت کا عقیدہ بہت سے لوگوں کو دائرہ مذہب
سے خارج کردیتا ہے۔ اور مذہب کی علت غائی
کو پورا نہیں ہونے دیتا۔ یہی بات دیگر مذاہب
میں بھی پائی جاتی ہے۔ یعنے کانفیوشس کے مذہب
یا شنٹو ازم وغیرہ میں۔ دُنیا کا آیندہ مذہب تمام مذاہب
کا مجموعہ ہوگا۔ اسکے دائرہ سے کوئی مذہب باہر نہیں
رہیگا۔ کیونکہ حقیقت میں تمام مذاہب ایک ہی قسم کی
صداقتیں تلقین کرتے ہیں۔ میں اس تجویز سے بالکل
متفق نہیں ہوں۔ کہ کلیسیا میں صرف وہی لوگ شامل ہوں

جو عیسائیت کی کسی نہ کسی رنگ میں پیروی کرتے ہوں - یہ بہت اچھی بات ہوگی - کہ عیسائیت 'کلیسیا' دونوں الفاظ مٹا دیئے جائیں - دنیا کو جس بات کی ضرورت ہے - وہ اِن لوگوں کا اجتماع ہے جو مصیبت زدوں کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتے ہیں - اسی لئے ہم نے دنیا میں ایک عالمگیر ملت اور اخوت قائم کرنے کے لئے آزادانہ مذہبی تحریک شروع کردی ہے - یہ تحریک جو آج شروع ہوئی ہے - اِنسان کی وضع کردہ ہے - اسکے صحیح مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ہمارے پاس کافی الفاظ نہیں ہیں - جوں جوں یہ تحریک ترقی کرتی جائیگی الفاظ مہیا ہوتے جائیں گے - نئے خیالات کے اظہار کے لئے ہمیں ایک نیا ذخیرۂ الفاظ چاہئے - آزادانہ مذہبی تحریک بے شک مذہبی ہے مگر وضع کردہ انسان - اس کے حلقہ اثر میں تمام دُنیا ہوگی - اور اس کے پیرو تمام اِنسان - انسانی رُوح ایک وحدت ہے - اور انسان کا قومی استحکام اس کا نتیجہ - عمومیت انسانی مساعی کا نصب العین ہے ہمیں تمام مسائل پر پورا غور کرنا ہے جو ہمارے اپنے ملک اور دیارِ غیر میں انسانی دل و دماغ پر تسلط کیے ہوئے

ہیں۔ ہم مذاہب کو ایک اخلاقی ولولہ خیال کرتے ہیں جس کا اظہار خود انسانیت ہے۔ اور جو سوسائٹی کی بدعنوانیوں کی اصلاح۔ اعلےٰ اخلاقی خیالات کا نشر۔ صحیح تمدّنی اور اقتصادی مسائل۔ اور پُرامن بین الاقوامی تعلّقات کا قیام وغیرہ اپنے مقاصد سمجھتا ہے۔"

یہ وہ خوبصورت الفاظ ہیں جو تھیاسٹک چرچ لندن کے ڈاکٹر والر والش نے اپنے ایک خطبہ میں استعمال کئے۔ اور جو حقیقت میں قلب مسلم کا ایک صحیح فوٹو ہیں۔ ایک ادنےٰ سے اختلاف کے ساتھ اس نے حقیقت میں مختلف آیات قرآنی کی تفسیر کی ہے۔ ہمیں "آزادانہ مذہبی تحریک" کی بجائے لفظ اسلام استعمال کرنا ہوگا۔ اور ڈاکٹر والش کے الفاظ بالکل ایک مبلغ اسلام کا مافی الضمیر بن جاتے ہیں۔ اسلام کے معنی ہیں حکومت الٰہی کی مکمل فرمانبرداری اور اللہ تعالےٰ کے الہام کردہ قوانین الٰہیہ کی غیر مشروط تابعداری۔ مذہب اسلام کا آغاز رسول اللہ سے نہیں ہوا بلکہ یہی مذہب تو سابقہ انبیاء کا مذہب تھا۔ یہ مذہب انسانیت کی طرح وسیع ہے۔ آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ موسیٰؑ عیسیٰؑ اور

دیگر انبیا کا بھی یہی مذہب تھا۔ کیا قرآن کریم کی آیہ ذیل اسی حقیقت کو انم نشرح نہیں کرتی ؟

قولوا امنا باللہ وما انزل علینا وما انزل علی ابراھیم الخ

ترجمہ۔ اے مسلمانو! اسبات کا اعلان کردو۔ کہ ہم اللہ تعالی پر ایمان لائے ہیں۔ اور ان صداقتوں کو ہم نے قبول کیا ہے جو محمد الرسول اللہ کے ذریعے آشکارا ہوئیں۔ اور نیز ان باتوں کو ہم مانتے ہیں جو ابراہیمؑ۔ اسمٰعیلؑ۔ اسحٰقؑ۔ یعقوبؑ۔ اور آل یعقوبؑ پر نازل ہوئیں۔ نیز اُن صداقتوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ جو موسیٰؑ اور عیسےٰؑ اور دیگر انبیا کے ذریعے انسانوں تک پہنچیں۔ ہم مسئلۂ نبوّت کے تسلیم کرنے میں کسی نبی میں کوئی اختلاف نہیں مانتے۔ کیونکہ ہم لوگ تو فرامینِ الٰہیّہ پر کاربند ہونیوالے ہیں" ؎

ایک مسلم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو معلمین کی فرمانبرداری پر مُقدّم جانتا ہے۔ اسی لئے وہ انبیا میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ کیا یہ صداقت بھری رُوح دُنیا کی متضاد طاقتوں میں یگانگت نہیں پیدا کرسکتی ؟ اور کیا اسلام نے اپنے اعجاز نما ہاتھوں سے سُرخ وسفید کو ایک ہی برادری میں نہیں داخل کردیا ؟

قرآن کریم کی متعدد آیات اسی مضمون کو دہراتی ہیں نہیں نہیں۔ بلکہ قرآن کریم اپنے آغاز ہی میں اپنے متبعین سے یہ مطالبہ کرتا ہے۔ کہ وہ ان تمام رُوحانی اور اخلاقی صداقتوں کو قبول کریں۔ جو ازمنہ سابقہ میں مختلف انبیاء کے ذریعے انسانوں تک پہنچتی رہیں۔ جیسا کہ وہ خود کہتا ہے فیھا کتبٌ قیّمہ یعنی قرآن کریم تمام کتب مقدسہ کی تعلیم کا لب لباب ہے پس ڈاکٹر ولیش اور اس کے فاضل دوست تمام انسانوں میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کے لئے جس عالمگیر مذہب کی تلاش میں ہیں۔ وہ اس مذہب سے بہتر نہیں ہوسکتا۔ جو آج سے تیرہ سو برس پہلے تلقین ہوا اور ایک ایسے نبی سے یہ تعلیم دُنیا میں پھیلی جو فرماتا ہے۔ کہ میں تمام قوموں کی طرف خواہ وہ سیاہ رنگ کی ہوں یا سفید کی مبعوث ہو کر آیا ہوں۔ دوسرے تمام انبیا ایک خاص زمانہ اور خاص قوم کے لئے مبعوث ہوئے۔ مگر اسلام کا برگزیدہ نبی للعٰلمین نذیرا ہو کر آیا۔ اور وہ اس عالمگیر ملت کی بنا رکھنے میں کامیاب ہوا جو کہ ہر معلم انسانی کا نصب العین رہی علاوہ ازیں یہ بات غور کرنے کے قابل ہے۔ کہ اگر

انسانیت کی بہبودی اِس امر کی متقاضی ہے کہ اسکے عناصر مختلفہ میں یگانگیت اور اتحاد قائم کرنے کیلئے ایک عالمگیر ملّت کی بنا رکھی جائے۔ تو کیا یہ عظیم الشان کام مساعیٔ انسانی کا منّت کش ہوگا۔ یا خود احکم الحاکمین کی قدرت کاملہ اس کو معرض وجود میں لائیگی۔ آج سے پندرہ سو برس پیشتر اس قسم کا اتحاد مذہبی ناممکن تھا۔ اور اسکی ضرورت کا عام احساس مفقود۔ انسانوں کی مختلف جماعتیں قدرتی اور وضعی رکاوٹوں کے درمیان میں حائل ہو جانے کی وجہ سے ایکدوسرے سے الگ تھلگ پڑی تھیں۔ اور باہمی آمدو رفت کے وسائل ناپدید تھے۔ مگر حضرت مسیح کی وفات کے بعد جلد ہی دُنیا اس انقطاع اور عزلت کے جُوئے کو اپنے کندھوں سے پھینکنے کے لئے مستعد ہونے لگی۔ اور حضرت محمّد الرسُول اللہ (صلعم) کی پیدائش کے وقت دُنیا میں ایک عام احساس پیدا ہو چلا تھا۔ اس زمانہ کے حالات اس امر کے مقتضی تھے کہ ایسا پیغمبر دُنیا میں مبعوث ہو جس کی دعوت جماعت بندیوں کی تنگ حدُود سے بلند ہو کر تمام اقوام کو یکساں رُشد و ہدایت کی راہ بتلائے جیسا کہ قرآن

کریم میں بالتصریح موجود ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ” یعنے اے محمد ہمنے تمہیں تمام قوموں کی طرف رحمت بنا کر بھیجا ہے“۔ اس مفہوم کو ایک اور جگہ زیادہ تفصیل سے یوں بیان کیا۔ کہ تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ” یعنے مبارک ہے وہ ذات جس نے الفرقان اپنے بندے پر نازل کیا۔ اور اس کو تمام جہانوں کی طرف ڈرانیوالا بنا کر بھیجا“۔ کیا قرآن کریم نے اسی حقیقت کو آشکارا نہیں کیا۔ جس کے چہرۂ فرخندہ کا آج مغرب نظارہ گیر ہو رہا ہے۔ محمد الرسول اللہ اس دین الٰہی کے آخری شارع تھے۔ جو دین کہ انسانی فطرت میں مرکوز ہے۔ اور ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے۔ اسی مذہب کا پیرو ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ یعنی وہ فطرت جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا اور خلقت خداوندی غیر متبدل ہے۔ یہی صحیح اور سچا مذہب ہے۔ یعنی وہ مذہب جسمیں ایک طرف تو قوانین الٰہیہ ہیں۔ اور دوسری طرف انسانوں کا ان پر عمل پیرا ہونا جسکو دوسرے الفاظ میں ہم اسلام کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

ڈاکٹر ولش کی تجویز کے مطابق ہمیں نئے الفاظ اور نئی اصطلاحات وضع کرنیکی چنداں ضرورت نہیں۔ وہ مذہب جس کا تصور ڈاکٹر موصوف کے دماغ میں ہے اسلام جیسے جامع لفظ سے بڑی اچھی طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ نام اپنے متبعین کا وضع کردہ نہیں۔ اور نہ ہی یہ کسی شخص یا مقام کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے رکھا گیا بلکہ خود قرآن کریم نے اس کا یہ تجویز کیا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ "ورضیت لکم الاسلام دینا" یعنے میں نے تمہارے لئے ایک دین پسند کیا ہے۔ جس کا نام اسلام رکھا ہے"۔ اگر رضائے الٰہی ایک ایسی چیز ہے جسمیں ہر وہ بات جمع ہو جاتی ہے۔ جو کسی مذہب کا مایۂ ناز ہو سکے تو قرآن کے یہ الفاظ نہایت صحیح اور سچے ہیں

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام

یعنے اللہ کے نزدیک تو صحیح مذہب اسلام ہی ہے۔ یہ ایک بد قسمتی ہے کہ اور مذاہب کی تقلید میں مغرب میں اسلام محمڈن ازم کہلانے لگا۔ ہمارا مذہب اسلام ہے نہ کہ محمڈن ازم۔ محمد خود ایک مسلم تھا۔ اسی طرح ابراہیم موسیٰ عیسیٰ۔ کانفیوشس اور کرشن بھی مسلمان ہی تھے محمد (صلعم) نے کوئی نیا مذہب ایجاد نہیں کیا تھا۔ بلکہ

وہ تو خدا کا ایک برگزیدہ ایلچی تھا۔ قل انما انا البشر مثلکم یوحی الیّ انما الٰھکم اللہ واحد۔ ترجمہ۔ اے محمد کہدو کہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ ہاں مجھے اللہ تعالےٰ سے شرف تکلم حاصل ہے۔ جس کا لب لباب یہ ہے۔ کہ توحید الٰہی ایک صحیح اور سچا عقیدہ ہے"۔ خود ڈاکٹر ولِش کو اسبات کا اعتراف ہے۔ کہ "آزادانہ مذہبی تحریک" دُنیا کے آیندہ مذہب کا ایک خوبصورت نام نہیں۔ کیونکہ اس نام سے وہ مقاصد ظاہر نہیں ہوتے جو اس مذہب کے سنگ بُنیاد ہیں۔ یہ مذہب خیالی اور اعتقادی اصُولوں کا مجمُوعہ نہیں ہوگا۔ بلکہ اسمیں عملی زندگی کو کامیاب بنانا تمدّنی۔ اخلاقی اور سیاسی معاملات کو حل کرنے کیلئے عُمدہ اصُول ہونگے۔ پس اگر اس مذہب سے مُراد اللہ تعالیٰ کی اعانت سے اپنی زندگی کے ہر شعبہ کو خواہ وہ تمدّنی ہو۔ اخلاقی ہو۔ سیاسی ہو یا اقتصادی ترقی دینا اور کامیاب بنانا ہو تو اس کے لئے بہترین سے بہترین نام اسلام ہی ہوسکتا ہے۔ کیا یہی وہ مذہب نہیں جو فضلائے عالم کی تضحیک اور تمسخر کا محض اس وجہ سے شکار رہا کہ اسمیں بہت سے دُنیاوی معاملات پر خوب بحث کی گئی ہے۔ کہ اسمیں دُنیاوی مشکلات کا

حل بتا یا گیا ہے۔ اور یہ محمدؐ کا ایک اور اعجاز ہے کہ وہ بات جو اس نے آج سے تیرہ سو برس قبل دُنیا کے سامنے پیش کی۔ آج اِنسانی دماغ اسکو سمجھنے کے قابل ہوگیا ہے +

اسلام وہ مذہب نہیں جو موسیٰ کی غلام قوم کو آزادی دلانے آیا ہو۔ یا عیسیٰ کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو ڈھونڈنے کے لئے پیدا ہوا ہو۔ یہ مذہب تمام انسانوں کا مذہب ہے۔ جیسا کہ محمدؐ الرسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ "اسلام کے معنی ہیں احکام الٰہیہ کی فرمانبرداری اور مخلوق خداوندی پر احسان"۔ ایسا ہی قرآن کریم میں مذکور ہے۔ لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البرمن امن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ الخ یعنی یہ کوئی بڑی نیکی کی بات نہیں۔ کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف رُخ کرتے ہو۔ بلکہ حقیقی نیکی تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔ اور اس کے فرشتوں۔ کتب اور انبیاء کو ماننا ہے۔ اور محبت سے قریبیوں۔ یتامیٰ۔ مساکین اور رہگیر مسافروں اور سائلین کو کچھ دلانا اور غلاموں کو آزاد کرنے میں خرچ کرنا۔ اور نمازوں کو ادا کرنا زکوۃ دینا۔ پاس عہد کرنا۔ تکلیفوں۔ دُکھوں اور مصیبتوں کے وقت صبر کرنا ہے۔ ایسے ہی لوگ صادق

اور متقی ہیں"۔ اس آیہ میں صرف رسمی اور عملی مذہب میں تمیز نہیں کی گئی۔ اور خدا کی فرمانبرداری اور مخلوق الٰہی کی خدمت ہی نہیں سکھائی گئی۔ بلکہ اسمیں مسلمانوں کی مغرب و مشرق میں آئندہ فتوحات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کا مقصد صرف یہ نہیں کہ وہ ایک فاتح قوم بن کر رہیں۔ بلکہ جہاں کہیں بھی ان کا تسلط ہو وہ صحیح خیالات کی اشاعت کریں۔ اور مخلوقات الٰہی کی خدمت اپنا انسانی فرض سمجھیں۔ پیغمبر خدا کے الفاظ ذیل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے معنے لوگوں کی خدمت اور انسانوں میں اخوت پیدا کرنا ہے "مسلم وہ ہے جو امانت میں خیانت نہیں کرتا۔ اپنے عہدو نکو نہیں توڑتا۔ مکمل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی انسان کو کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو" وہ شخص مومن نہیں ہے جو زنا کا مرتکب ہوتا ہے۔ یا جو چوری کرتا ہے۔ یا جو شراب پیتا ہے۔ یا جو ڈاکہ ڈالتا ہے۔ یا جو غبن کرتا ہے۔ خوب یاد رکھو کہ مسلم کے فرائض میں مہمانوں کی عزت کرنا اور پڑوسی کو تنگ نہ کرنا بھی ہے وہ شخص بھی پورا مسلمان نہیں جو خود تو سیر ہو کر کھائے اور

اس کا پڑوسی بھوکا مرتا ہے +

پیغمبر خدا نے ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے حسب ذیل نو چیزوں کا حکم دیا ہے (۱) ظاہر و باطن اللہ تعالےٰ کی تقدیس کرلی (۲) حالت یُسر و عُسر میں راستگوئی اور تہذیب سے کام لینا (۳) افلاس و امارت میں جادۂ اعتدال سے انحراف نہ کرنا (۴) ان رشتہ داروں اور قریبیوں کو فائدہ پہنچانا۔ جن سے کسی فائدہ کی توقع نہ ہو (۵) اس شخص کو راہ خدا کچھ دلوانا۔ جو مجھے دینے سے انکار کرے (۶) اس شخص کو معاف کر دینا جس نے مجھے ستایا ہو (۷) کہ میں عالمِ سکوت میں معارفِ الٰہی حاصل کیا کروں (۸) کہ میں لوگوں کے لئے نمونہ بنکر ان کے سامنے جاؤں (۹) کہ میں حلال کی اشاعت کروں" ایک اور جگہ آنحضرت صلعم کا یوں ارشاد ہے "وہ شخص جو مخلوق خدا اور اپنی اولاد پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالےٰ کے فضل کا مورد نہیں ہوسکتا۔ سچا وہ شخص ہے جو اپنے بھائی کی حاضرانہ اور غائبانہ حفاظت کرتا ہو سخاوت ہر مسلم کا فرض ہے۔ وہ جو مالدار نہیں کوئی اور نیک عمل کرے۔ یا گناہ سے مجتنب رہے۔ اسکی سخاوت یہی

ہوگی "۔ وہ کتاب جس کے ابتدائی الفاظ ایک ایسے خدا کا نقشہ کھینچتے ہیں جو تمام جہانوں کا پرورش کرنیوالا ہے اور جو صرف آلِ یعقوب کے خدا یا ابراہیم کے خدا کا تذکرہ نہیں کرتی تمام دنیا جہان سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اسکی مخاطب تمام نوعِ انسانی ہے +

# ایک کتابی مذہب

اسلام پر ایک اور یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ایک کتابی مذہب ہے۔ اور اس کو شائع شدہ مذہب کہا جاسکتا ہے۔ اسلئے یہ ایک غیر تغیر پذیر اور ترقی نہ کرنے کے قابل چیز ہے۔ حالانکہ رُوح انسانی ہر آن تغیر پذیر ہے۔ اور اسکی ترقی کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ یہ اعتراض معقول ہے۔ اگر یہ کتابی مذہب ایک خلعت یا پیرہن کی طرح کا ہو۔ یا یہ چند منتروں کے جپ لینے یا چند الفاظ کے رٹ لینے کا نام ہو۔ یا اس میں صرف تقدس مآبوں یا پادریانہ عبا ریوں کی تخم ریزی ہو۔ یا اس کا انحصار صرف اس کے متعلّم کی شخصیت اور اسکی زندگی کے واقعات پر ہو۔ اس حالت میں یہ مذہب نہیں۔ بلکہ ایک افسانہ ہے۔ یہ ایک عارضی ہے۔ اور ایک دھندلی سی

کھ ہے جو عقل کے آفتاب کی روشنی کا مقابلہ نہیں کر سکتی لیکن اگر یہ مذہب تمہارے سامنے نہایت ہی وسیع اصول زندگی پیش کرتا ہے۔ اور تمہاری ہر قسم کی جسمانی۔ اخلاقی اور رُوحانی ضروریات کو پُورا کرتا اور استفادہ انسانی کو نیکی کی علت نمائی بتلاتا ہے۔ اور باقی باتیں تمہاری عقل و دانش پر چھوڑتا۔ اور اپنے اصُولوں کی صداقت کو منوانے کیلئے تمہارے دماغ سے اپیل کرتا ہے کبھی تمہیں ترقّی کرنے سے نہیں روکیگا۔ بلکہ یہ تمہیں بلند سے بلند مقام کی طرف اُٹھاتا ہے تو یہ بات کہ ایسے زرّیں اصُول ایک ضابطے کی شکل میں جمع کر دئیے گئے ہیں۔ اور یہ کہ اُن کو اللہ تعالےٰ ہی نے انسان پر ظاہر کیا ہے ہماری ترقّی کے منافی نہیں ہوسکتی۔ اگر یوکلڈ کے مقدّمات اور ضرب المثلیں ہماری ریاضی کی تحقیقات اور ترقی کے لئے مفید ثابت ہوئیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وسیع مذہبی اصول ہماری اخلاقی اور روحانی ترقیات کو روک سکیں۔ کیا سائنس اس زمانہ میں بیحد ترقی نہیں کر رہی۔ مگر کیا سائنس چند بنیادی اصولوں پر منحصر نہیں۔ اگر یہی حقیقت انسانی مشغلہ میں صحیح ثابت ہوتی ہے۔ تو مذہب میں اس کا

فقدان کیوں ہو۔ جہانتک ہمنے موجودہ تہذیب کے روشن پہلو کو مطالعہ کیا ہے۔ ہمیں اسکی بنیاد قرآنی اصولوں پر ہی نظر آتی ہے۔ ہمیں مستقبل کے ممکنات سے بحث نہیں۔ آؤ ہم سب ملکر اپنی "آزادانہ مذہبی تحریک" کو کامیاب بنانے کے لیے چند اصول تجویز کرلیں کہ اگر یہ اصول قرآن کریم میں نہ ملیں تو ہم اس کے مکمل ہونے کے دعوے سے دست بردار ہو جائیں گے۔ اگر ہم اس "تحریک" کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اسکے ذریعے ہم اسلامی اصولوں کی اشاعت یقین کرتے ہیں۔ اگر صداقت ایک ہی ہے۔ اور کوئی انسانی کوشش دو اور دو کو پانچ نہیں بنا سکتی تو یقین کیجئے کہ وہ محکم اصول جو انسانی زندگی کو کامیاب بنانے کیلئے قرآن کریم میں تلقین ہوئے ہمیشہ غیر متبدل اور اٹل رہینگے۔ ہاں وہ مذہب جو چند رسمیات اور وظائف کا مجموعہ ہو یقیناً تقسیم ہوکر فرقہ بندیوں میں بٹ جائیگا۔ تہذیب کی ہر ترقی ان فرقوں کے اصولوں کو تبدیل کرتی رہیگی۔ اور ان کے بانی ہمیشہ انہیں نیا جامہ پہناتے رہا کریں گے۔ مگر اسلام تمام انقلابات اور تبدیلیوں کا مقابلہ کریگا۔

کیا اسلام اپنی تہذیب اور علوم و فنون کی ایک شاندار تاریخ نہیں رکھتا۔ کیا یورپ کی موجودہ تہذیب و ترقی بہت حد تک اسلام ہی کی رہینِ منت نہیں۔ اسلام نے ایسے عظیم الشان انسان پیدا کئے۔ جو نیوٹن۔ بیکن۔ گیلیلو اور کیپلر جیسے اکابر عالم کی وجہ آفرینش ہوئے۔ مگر مسلمان فضلا اور مغربی فضلا میں فرق یہ ہے۔ کہ جہاں اوّل الذکر طبعیات کے ساتھ ساتھ پابندیٔ مذہب کو سب سے مقدم جانتے رہے۔ مؤخّر الذکر باہم متضاد خیال کرتے رہے +

## وہ مذہب جسمیں فرقے نہیں

یہ اسلامی اصولونکی وسعت اور عظمت کی دلیل ہے کہ اسلام ہمیشہ فرقہ بندیوں سے بلند رہا۔ اگر عیسائیت پانسو فرقوں میں تقسیم ہوگئی تو ہندومت لاتعداد فرقوں اور ان کے باہمی اختلافات کو دیکھ کر ہندومت کی صحیح تعریف کرنا ناممکن ہوگیا۔ اسیطرح اور مذاہب کا حال ہوا سوائے اسلام کے جو ان اندرونی فرقہ بندیوں سے ہمیشہ آزاد رہا۔ کیونکہ اسلام منتروں اور وظائف کا مذہب نہیں۔ اور

نہ ہی اسمیں شخصیت پرستی کی تعلیم دیگئی ہے۔ قرآن کریم ہمیں زندگی کو کامیاب بنانے کے چند اصولی قواعد بتاتا ہے۔ اور زمانہ کے حالات اور ضروریات زمانہ کو مدنظر رکھ کر ہماری دیگر ترقیات خود ہماری عقل و تجربہ پر چھوڑتا ہے۔ اور اصولی تعلیم اس قدر واضح کر کے بیان کر دیتا ہے۔ کہ اس میں اختلاف کا پیدا ہونا ہی ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام تقسیم اور نفاق سے ہمیشہ بلند رہا۔

# اسلام کے بنیادی اصول

سب سے پہلے ایک مسلمان (۱) توحید آلٰہی کا قائل ہے پھر (۲) ملائکہ کو مانتا ہے (۳) الہام آلٰہی کو تسلیم کرتا ہے (۴) انبیاء کی نبوت پر ایمان لاتا ہے (۵) یوم آخرت میں حساب کا عقیدہ رکھتا ہے (۶) نیکی کی جزا اور بدی کی سزا پر ایمان رکھتا ہے (۷) حیات بعد از ممات کا قائل ہے۔ یہی ساتوں اصول وہ اصول ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں انسانی سوسائٹی کے تسلیم کردہ ہیں۔ جوں ہی انسان اپنی وحشیانہ حالت سے نکلکر میدان تہذیب میں قدم رکھنے لگا تو

اس کو زندگی کی دشوار گذار گھاٹیوں کو طے کرنے کیلئے کسی نہ کسی قسم کی ہدایت کی ضرورت لاحق ہوئی جو آئین و قانون کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ بغیر قانون کے دو انسان بھی اکٹھے مل کر نہیں رہ سکتے۔

قانون وضع کرنے اور اسکو قابل عملدرآمد بنانے کیلئے دنیا کو کسی نہ کسی رنگ میں قرآن کے تلقین کردہ محولہ بالا اصول قبول کرنے پڑے۔ اگر آپ ان اصولوں کا تجربہ کریں جن پر کسی تہذیب کی بنیاد استادہ ہے تو آپ کو ذیل کی باتیں معلوم ہونگی۔

## ہر ایک سوسائٹی کے بنیادی اصول

(۱) کوئی سرچشمۂ آئین ہوتا ہے مثلاً بادشاہ یا اور سیاسی طاقت

(۲) قانون پر چلانیوالا گروہ متوسلین۔

(۳) قانون۔

(۴) وہ لوگ جو پہلے قانون کو حاصل کرتے اور دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔

## اسلام کے بنیادی اصول

(۱) خدا جو آئین اسلام کا منبع ہے۔

(۲) منشائے ایزدی کو پورا کرنیوالے یعنے ملائکہ۔

(۳) الہامی کتاب

(۴) انبیاء کی مقدس جماعت۔

| | |
|---|---|
| (۵) عدالت | (۵) یوم آخرت ۔ |
| (۶) قانون سازی کا محرک انسانی سودمندی کا خیال ہے | (۶) نیکی اور بدی کا جائزہ جو اللہ تعالیٰ قیامت کو کریگا + |
| (۷) عدالت میں پیش ہو کر اپنے اعمال کا صلہ حاصل کرنا ۔ | (۷) قیامت ۔ |

یہ ایک حقیقت ہے جو کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ خداوند تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی اور ہستی سرچشمۂ قانون نہیں ہو سکتی ۔ اور اگر اللہ تعالےٰ کو ایسی ہستی تسلیم کر لیا جائے تو پھر الہامی کتب ۔ ملائکہ ۔ روز آخرت ۔ اور اللہ تعالےٰ کا نیک اور بد اعمال کا اندازہ کرنا ایسے عقائد ہیں جو بطور نتائج مترتب ہو جاتے ہیں ۔ اور کیا یہ کہنا خالی از مبالغہ نہیں ہے ۔ کہ ہر ایک سوسائٹی نے اس حقیقت کو تسلیم کرکے کہ اسکی زندگی کا روح رواں قانون ہے اپنے آپ کو سپرٹ میں مسلم ثابت نہیں کر دیا ۔ یہ ہیں اسلام کے ساتوں ستون ۔ اسلام کے معنی قوانین الٰہیہ کی فرمانبرداری اور اس فرمانبرداری کے معنی ہیں دوسری تمام صداقتوں کو تسلیم کرنا ۔ اِن اصولوں کو تسلیم کرکے تمام اسلامی دنیا یہ عقیدہ رکھتی ہے

کہ قرآن کریم ایک مکمّل قوانین کا ضابطہ ہے جسمیں وہ تمام صداقتیں جمع ہیں جو حضرت محمد الرسول اللہ صلعم سے پہلے دنیا میں دیگر انبیا کے ذریعے ظاہر ہوتی رہیں اور قرآن کریم کی تشریح اور تفسیر وہ حضرت محمد الرسول اللہ کی زندگی کے ایک ایک لمحہ میں مطالعہ کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے سامنے باقی تمام طاقتیں ہیچ ہیں۔ جیسا کہ خود پیغمبر خدا کا ارشاد ہے :-

"میرے اقوال کلام الٰہی کو منسوخ نہیں کر سکتے۔ ہاں
کلام الٰہی میرے اقوال کو منسوخ کر سکتی ہے"

ایسے پیارے الفاظ کی موجودگی میں کیا کوئی مسلم اللہ اور اس کے رسول کے سوائے کسی اور کا فرمانبردار ہو سکتا ہے اسی لئے اسلام میں کسی وسیلہ۔ کسی شفاعت یا کسی پادری کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔ مراحل حیات طے کرنے کے لئے میں صرف قرآن کریم پڑھتا ہوں۔ اور اسکی تفسیر حضرت محمدؐ الرسول اللہ کے الفاظ میں پاتا ہوں۔ اور جانتا ہوں کہ یہ الفاظ کلام الٰہی کو منسوخ نہیں کرتے۔ پس اس طرح مجھے ایک مکمل دستور العمل ملجاتا ہے۔ اس ضابطہ کو ایک مکمل شکل

دینے کیلئے اور انسان کو عملی رنگ میں فرمانبردارِ خدا کرنے کیلئے پانچ ارکانِ اسلام وضع ہوئے (۱) اللہ تعالےٰ کی توحید اور حضرت محمد الرسول اللہ کی رسالت کا اقرار (۲) نمازوں کا قائم کرنا (۳) زکوٰۃ کو ادا کرنا۔ (۴) روزہ رکھنا (۵) حج کرنا۔ یہ پانچ ارکان ہماری زندگی کو ایک عملی زندگی بناتے ہیں۔ اور صحیح معنوں میں ہمیں مسلمان بنا دیتے ہیں اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں *

اسلام ہمیں اختلاف رائے اور اختلاف فیصلہ کا حق دیتا ہے۔ اسلامی سیاسیات اور مذہب دونوں میں جمہوریت ہے۔ اس کے قوانین بلا شبہ اٹل اور غیر تغیّر پذیر ہیں۔ اور اسی طرح وہ قوانین بھی غیر متبدل ہیں۔ جو دنیا کی اخلاقی اور روحانی صحت کے کفیل سمجھے جاتے ہیں۔ مگر اسلامی اصول اس قدر وسیع ہیں کہ ان میں دنیا کی آیندہ ضروریات کا حل موجود ہے۔ ہاں آزادی اور خود مختاری میں فرق جاننا ضروری ہے تخیل کے معنی ہی اختلاف ہے۔ اور تخیل ایک عطیۂ ایزدی ہے۔ اسی لئے اسلام نے آزادیٔ رائے کی ہمیشہ قدر کی جیسا کہ پیغمبرِ اسلام نے فرمایا ہے۔ کہ میری امت کا باہمی اختلاف

ایک رحمت ہے"۔ اور یہ الفاظ ہمارے پرائیویٹ فیصلوں اور رائے زنیوں کا احترام کرتے ہیں۔ ان الفاظ نے شخصیتوں کو درمیان سے نکال دیا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت نبی کریم (صلعم) کی وفات کے بعد ہی مسئلہ خلافت میں عظیم الشان اختلاف پیدا ہو گیا۔ حضرت ابو بکرؓ پہلے خلیفہ ہوئے۔ حضرت عمر دوسرے۔ حضرت عثمان تیسرے اور حضرت علیؓ چوتھے۔ مگر امت محمدیہ میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی۔ جو صرف حضرت علیؓ ہی کو خلافت کا حقدار سمجھتی ہے مگر اسلام کی ساری جماعتیں قرآن کریم اور رسول اللہ کو اپنا آخری سہارا ماننے میں کوئی اختلاف نہیں کرتیں۔ ان سے کسی کا بھی آخری سہارا نہ ابو بکرؓ ہو سکتے ہیں۔ اور نہ حضرت علیؓ۔ مگر ذاتی آرا اور پرائیویٹ فیصلوں کا اس شدت سے احترام ہوا۔ کہ مسلمان تیرہ سو برس بعد تک یعنے آجکل بھی مسئلہ خلافت کے تاریخی حسن و قبح پر بحث کرنے کے لئے وقت نکال لیتے ہیں۔ اور اپنی اپنی راؤں کی تصدیق میں دلائل اور براہین پیش کرتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے ہمراہی تو سُنی کہلانے جانے لگے۔ اور دوسرے شیعہ کے نام سے موسوم ہوئے

اِن دونوں جماعتوں کو دو مختلف فرقے کہنا اسلامی تعلیم اور قرآنی اصولوں کے متعلق خوفناک لاعلمی کا اظہار کرنا ہے ۔ اس کے بعد مسلمانوں کا فقہ یعنے جورسپروڈنس یعنی علم القانون ہوتا ہے ۔ یعنی شخصی قانون اور مختلف عبادتوں کے طریق عمل وغیرہ کی بحث +

سُنّی مسلمانوں کے چار بڑے امام ہوئے ہیں ۔ ابوحنیفہ شافعی ۔ مالک اور احمد حنبل ۔ اِن فقہا نے بڑی بڑی خوبصورت کتابیں لکھی ہیں ۔ اور قرآن کریم اور احادیث سے ہمیشہ استدلال کیا ہے ۔ ہر ایک مسلم کا حق ہے ۔ کہ وہ ان میں سے کسی ایک کا پیرو یا مقلد ہو جائے ۔ یا قرآن اور احادیث کی روشنی میں ہدایت کے لئے خود صحیح راہ تجویز کرے ۔ موخر الذکر قسم کے لوگ تو اہلحدیث کہلاتے ہیں ۔ اور اول الذکر اپنے اپنے امام کے نام سے موسوم ہوتے ہیں ۔ مگر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے ۔ کہ یہ تمام گروہ ان باتوں میں سرمو اختلاف نہیں کرتے ۔ جن کا مجموعہ اسلام کہلاتا ہے ۔ راقم الحروف امام ابوحنیفہ کا مقلد ہے ۔ اور ان کو تمام فقہا پر ترجیح دیتا ہے ۔ اسیطرح ہندوستانیوں کی

کثیر التعداد جماعت حنفی ہی ہے۔ مگر وہ لوگ جو دوسرے اماموں کے مقلد ہیں۔ وہ بھی ایسے ہی مسلمان ہیں جیسے کہ حنفی لوگ۔ مگر جہاں مذہب کا سوال درمیان میں آجائے وہاں تمام جماعتوں کی راہنمائی قرآن کریم اور محمد الرسول اللہؐ کے اسوۂ حسنہ سے ہوگی۔ اور وہ اس قدر واضح اور روشن ہے۔ کہ اسمیں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش ہی نہیں۔ علاوہ ازیں ہر صدی میں نیک اور عالم لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ انکی ذاتی کشش اور دیندارانہ وتیرہ ان کے ہمعصروں پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔ اور بہت سے لوگ ان کے مرید ہوجاتے ہیں۔ اور اس طرح چند مخصوص انسانوں کے زہد و اتقا کی وجہ سے چند مخصوص جماعتیں پیدا ہوگئیں۔ مگر ہر آنیوالی نسل ان برگزیدگان الٰہی کو احترام و عزت کی نگاہ سے دیکھتی رہے۔ اِن بزرگواروں کے حلقۂ ارادت میں آنیوالے لوگ بعض اوقات ان لوگوں کے ناموں سے موسوم ہونے لگتے ہیں۔ جیسے قادری۔ چشتی۔ نقشبندی سہروردی۔ اور زمانہ حال کے احمدی۔ ان صوفیائے عظام نے بوستان اسلام میں وہ گلکاریاں کیں

کہ خوشبو سے دماغ معطر ہو گئے۔ مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی اسلامی جادۂ مستقیم سے ایک قدم باہر نہ رکھا۔ وہ سب ایکدوسرے کی عزت کرتے ہیں اگرچہ وہ بعض تاریخی امور کی ماہیت میں جو قرآن کریم میں مذکور ہوئے اختلاف بھی کرتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ بنیادی باتیں جو ایمان اور اسلام کہلاتی ہیں سب کی نظروں میں ایک ہی قسم کی ہیں۔ ہماری جسمانی۔ اخلاقی اور روحانی تربیت کیلئے قرآن کریم نے ایسے واضح اور روشن قواعد مرتب کر دیئے ہیں کہ ان کے سمجھنے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں پیدا ہو سکتا۔ اسلامی دنیا میں آپ کسی جگہ چلے جائیں مسلم کی زندگی۔ اس کے سیاسیات۔ اخلاقیات اور حقیقی نصب العین کے متعلق خیالات اور وہاں تک پہنچنے کے وسائل سب ایک ہی ہونگے۔ ان اختلافات کو جو ذاتی تدبّر اور تعقل کا نتیجہ ہیں۔ اور جس کی خود اسلام تعظیم کرتا ہے۔ مختلف فرقے کہنا ایک ایسی غلطی ہے جو معاف نہیں کیجا سکتی۔ آپ خیال کے دو اختلافی گروہوں کو اس وقت تک فرقے نہیں کہہ سکتے جب تک آپ یہ نہ دکھلائیں کہ بنیادی اصولوں میں باہم اختلاف

پیدا ہو چکا ہے۔ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے پیرو بیشک دو فرقے ہیں۔ کیونکہ ان میں بنیادی اصولوں کے تسلیم کرنے میں عظیم الشان اختلافات ہیں۔ اسی طرح پروٹسٹنٹ لوگ مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ تمام پروٹسٹنٹ تثلیث کے قائل نہیں۔ اور نہ ہی سب ایک مشترک بپتسمہ کو مانتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ بپتسمہ کا پانی وہی ایک بے ضرر پانی ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ نہیں پانی سے گناہ دُھل جاتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ پانی بچوں کو دینا چاہیئے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں یہ بوڑھوں کا حق ہے۔ اولیا اللہ کے واصل الہی ہونے کا عقیدہ بھی مختلف ہے۔ بعض کا خیال ہے۔ کہ زندہ عیسائی مُردہ عیسائیوں سے دیگر مُردہ عیسائیوں کے حصول مقاصد کیلئے اپنی التجائیں پیش کر سکتے ہیں۔ مگر بعض اس کا انکار کرتے ہیں۔ گناہ کی معافی کا عقیدہ بھی اختلافات میں لپٹا پڑا ہے۔ کیا ایک پروٹسٹنٹ پادری سابقہ بشپوں کے ایک باقاعدہ جلوس میں تقدیس دیا جائے؟ کیا کوئی دنیا دار انسان بغیر بشپ کے مقدس بنائے پادری بن سکتے ہیں؟ ان سوالوں کے جوابات بالکل متضاد ملیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

# لیگ بین المذاہب

یعنے

جناب خواجہ کمال الدین صاحب مسلم مشنری کا وہ لیکچر جو آپ نے وکٹوریہ پبلک ہال مدراس میں ۲۵ جولائی سنہ ۱۹۲۰ء کو دیا۔ اور پھر بھی لیکچر کلکتہ میں فرمایا

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ○

(ترجمہ) اے پیغمبر ان سے کہو۔ کہ اے اہلکتاب آؤ ایسی بات کی طرف رجوع کرو۔ اور جو ہمارے اور تمہارے درمیان ہیں یکساں مانی جاتی ہے۔ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھیرائیں۔ اور

اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا مالک نہ سمجھے پھر اگر ایسی سیدھی اور سچّی بات ماننے سے بھی مُنہ موڑیں تو مسلمانو! ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم اسبات کے گواہ رہو۔ کہ ہم تو ایک ہی خدا کو مانتے ہیں +

یہ ایک عالمگیر برادری اور اخوت کا مُقدّس پیغام ہے جو نبئ آخرالزّمانؐ کے دہانِ مُبارک سے اس مُقدّس جماعت انبیاء کے آخری نمائندہ کی حیثیّت سے دُنیا تک پہنچایا گیا جو انبیاء کے مختلف ممالک اور مختلف زمانوں میں اِنسانیّت کے اختلافات کو مٹا کر یگانگت اور وحدت پیدا کرنے کیلئے مبعُوث فرمائے گئے +

اے مقدس وید کے پُجاریو! جو رشیوں کی اولاد ہو! اے عیسائیّت اور یہُودیّت کے پرستارو! الغرض اے خدا کے کسی پیغام پر ایمان لاکر اسکی نگہبانی کرنیوالو! آج میں پھر تمہارے سامنے اسی مُبارک پیغام کا اعادہ کرتا ہوں۔ آؤ اس مُسلّمہ اصُول پر ہم سب جمع ہو جائیں۔ کہ ہم ایک ہی خدا کی عبادت اور پرستش کیا کرینگے۔ آؤ ایک مشترکہ مندر بنائیں جس کا تعلّق سارے جہان سے ہو +

آہ! کیا میری آواز اس زمانہ میں جبکہ فضائے
مذہب تضاد اور اختلاف سے لپٹا پڑا ہے ایک
صدا بصحرا ثابت ہوگی؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اس اختلاف
سے یگانگت اور اس کثرت سے وحدت کی شان
پیدا ہو جائے؟ لیکن میرے عزیز بھائیو! تمہیں مایوس
ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ کثرت
کا رنگ حقیقت میں وحدت ہی کی جلوہ گری سے
پیدا ہوا ہے۔ اور کیا یہ اختلاف بعض اصولوں
کے زیر اثر یکرنگی اور یکسانیت میں متبدل نہیں
ہو جاتا۔ صحیفۂ قدرت کی طرف دیکھو کہ وہاں کیا ہو رہا
ہے۔ کیا حقیقت میں ترقی اختلاف ہی کا نام نہیں
اگلے دن میں دوران تقریر میں ترقی کا ذکر
کر رہا تھا۔ اور میں نے بتایا تھا کہ آجکل
ترقی ہی کا دور دورہ ہے۔ اور آج میں یہ
نظریہ پیش کرتا ہوں۔ کہ ترقی اور اختلاف باہم
توام ہیں۔ اور کثرت ایک ایسا محور ہے۔ جس کے
سہارے ارتقاع کی تمام مشین چل رہی ہے۔
اگر آپ لوگ مثال سے اس کا ثبوت چاہتے ہیں تو
آپ کی توجہ اس نظام کی طرف مبذول کرتا ہوں جو

ترکیب منتج میں ہمیں نظر آ رہا ہے۔ بیج کیا ہے؟ ایک وحدت کا مجسمہ ہے۔ بیج کو جوں ہی اصول زراعت کے ماتحت زیر زمین دبایا گیا۔ روئیدگی کے آثار ظاہر ہو گئے۔ اور بیج دو مختلف شگوفوں میں پھوٹ نکلا۔ اور یہ شگوفے پھر مختلف ٹہنیوں۔ شاخوں۔ پتّوں اور پھولوں میں تقسیم ہو کر کثرت کی ایک نمائش بن گئے۔ ہر قدم پر اختلاف اور تفرقہ پیدا ہو گیا۔ اگر آپ کسی میڈیکل کالج کے دائرۂ التقطیع میں جا کر اپنی اس حالتِ اولین کو مطالعہ کرو۔ جو شروع شروع میں رحمِ مادر میں نطفہ قرار پانے کے وقت پیدا ہوتی ہے تو تمہیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ یہاں بھی نشوونما کا ارتقاع اختلاف ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ سب سے پہلے نطفہ بمنزلۂ بیج کے ہوتا ہے۔ وہی نطفہ پھر علقہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ وہ علقہ پھر مضغہ بن جاتا ہے۔ اور وہ مضغہ پھر عظام یعنی ہڈیوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور ہڈیوں کے بعد لحم یعنی گوشت پیدا ہوتا ہے۔ ازاں بعد کثرت اور طرح سے عیاں ہوتی ہے یعنے دو بازووں۔ ہاتھوں اور انگلیوں کی شکل

میں اس کا ظہور ہوتا ہے۔ الغرض ایتھر اور سالمات سے لے کر جسم انسانی تک ارتقاء کا عمل اختلاف ہی اختلاف سے رنگین ہے +

اسی طرح یہ مسئلہ انسانی سوسائٹی میں بھی صحیح ثابت ہوتا ہے خواہ اس کا اخلاقی پہلو لے لو یا تمدنی یہی اصول سب جگہ کام کر رہا ہے۔ ابتدائے آفرینش میں جب انسان نے ابھی ترقی کی منزل میں قدم نہیں رکھا تھا۔ کثرت اور اختلاف کا لعدم تھے ہر ایک آدمی خود اپنا کفیل تھا۔ اور اس کا مطمح نظر صرف اسکی اپنی ذاتی ضروریات کا دفعیہ تھا۔ مگر یہ حالت قیام اور استادگی کی تھی۔ حرکت اور ترقی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ بالآخر تقسیم عمل نے وہ رنگ کثرت جمایا کہ ایک ملک یا خاندان کے افراد کارہائے مختلفہ میں مشغول نظر آنے لگے۔ اور اور ترقی کی ایک لہر اٹھی۔ جو سوسائٹی میں ایک عظیم الشان تلاطم پیدا کرنے لگی۔ گاؤں اور قصبے ترقی کرتے کرتے گنجان شہر بن گئے۔ اور مختلف شہروں نے ملکر ملک کی بنیاد رکھی۔ اور مختلف ممالک کا مجموعہ برا عظم کہلانے لگا +

جب قدرت کے ہر ایک شعبہ میں ترقی کا یہی اصول کام کر رہا ہے۔ تو پھر بتایا جائے کہ دنیائے مذہب میں اسی اصول کی حکمرانی کیوں نہ ہو؟ اس بات یا اثبات کو اس تیقن سے قبول کر لینا کہ ایسا ایسا کرنے سے ہم زیاں سے محفوظ رہیں گے مذہب کا تتبع نہیں بلکہ ایک قسم کی اصنام پرستی ہے مذہب کا مقام اسلئے بلند تر ہے۔ اور وہ بلند مقامات تک پہنچانیوالی چیز ہے۔ مذہب کا لب لباب یہ ہے۔ کہ وہ ہمارے قوائے مخفیہ کو ترقی دیتا ہے اور ہمارے جذبات اور حسیات میں ایسا تعدیل اور توازن پیدا کرتا ہے۔ کہ وہ اخلاق بن جاتے ہیں۔ اور یہ اخلاق پھر ترقی کرتے کرتے روحانیت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ پس مذہب کا اصل کام یہ ہے۔ کہ وہ جسمانیات کو روحانیات میں منتقل کر دیتا ہے۔ آؤ سب سے پہلے اپنی خواہشات اور جذبات کا تجزیہ کریں۔ جو مذہب کے زیر اثر ہماری آیندہ ترقی کا سنگ بنیاد ہیں۔ ہماری خواہشات اور جذبات ہمارے شعور کا نتیجہ ہیں۔ اور ہمارا شعور اس ذرہ مادہ سے جسے مغز کہتے ہیں پیدا ہوتا ہے

اور یہ مادہ جو مغز کے باریک دانے پیدا کرتا ہے خود ایتھر کی ارتقائی حالت کا نام ہے پس مذہبی خیال کی تاریخ جیسا کہ قرآن کریم بیان کرتا ہے ایتھر کے مختلف مدارج ارتقاء میں گذر کر اخلاق فلسفہ اور روحانیت میں تبدیل ہونے کے عجیب و غریب عمل کی تاریخ ہے۔ پس وہ اصول ترقی جو کہ جسمانیات میں عمل کر رہا ہے برابر ذہنی۔ اخلاقی اور روحانی دنیا میں بھی کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ مذہب میں اختلاف رائے مذہبی خیال کی ترقی کی نشانی ہے۔ جیسا کہ یثرب کا پاک نبی ارشاد فرماتا ہے "میری اُمت میں اختلاف رائے ایک رحمت ہے"۔

اگر حالت یہ ہو تو اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہم کس طرح اس کثرت سے وحدت کا رنگ پیدا کریں تاکہ لیگ بین المذاہب ایک حقیقت بن جائے پیشتر اس کے کہ اس مسئلہ پر روشنی ڈالوں میں آپ کی توجہ اس غیر متبدل اور اٹل اصولوں کی طرف مبذول کرتا ہوں جو ان تمام چیزوں میں کام کرتے دکھائی دیتے ہیں جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے اور

مثال کے طور پر میں پھر درخت ہی کو آپ کے سامنے لاتا ہوں۔ آؤ اسباب پر غور کریں۔ کہ اُس درخت میں اسقدر متضاد اور مختلف طاقتیں کیونکر ایک نظام اور قاعدہ کے ماتحت معاندانہ نہیں۔ بلکہ موافقانہ انداز سے کام کر رہی ہیں۔ اس مختصر سی ترکیب کو دیکھ کر آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ سات قوانین اِن عناصر پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ جن کا مجموعہ یہ درخت کہلاتا ہے۔ سب سے پہلے اس درخت کا اصل یعنی جڑ ایک ہے۔ جو بیج کی شکل میں پیوند زمین ہوئی تھی۔ دوسرا اصُول اس کا شاخوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ تیسرا اسکی شاخوں کا اصل سے ارتباط قائم رکھتا ہے۔ چوتھا ہر شاخ کا دوسری شاخ کی مستقل ہستی کو تسلیم کرنا۔ پانچواں شاخوں کا ایکدوسرے سے جلب منفعت کی توقع رکھنا۔ چھٹا ایکدوسرے کی ہستی کو نقصان پہنچانے سے اجتناب کرنا۔ اور ساتواں اصُول یہ ہے۔ کہ ایک بڑے مقصد کیلئے تمام مفردات کا باہم تعاون کرنا۔ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے وہ اٹل قوانین جو عالم کے ذرّہ ذرّہ پر محیط ہیں۔ اور جن کے زیر سایہ طفل ترقی نشوونما

حاصل کرتا ہوا عالم شباب کو پہنچ جاتا ہے۔ پہلے تو وحدت ہوتی ہے پھر اس سے کثرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور بالآخر کثیر التعداد عناصر یکجا جمع ہو کر ایک واحد ہستی پیدا کر دیتے ہیں +

نظام شجر میں جس طرح یہ ساتوں قوانین عمل کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح مزید غور سے معلوم ہوگا۔ کہ دنیا کی تمام جسمانی۔ اخلاقی تمدنی سیاسی اور روحانی ترقیات انہیں قوانین کی رہین احسان ہیں۔ حضرات! یہ تمہاری کانگریسیں محفلیں مجلسیں اور بین الاقوامی لیگیں کیا ہیں؟ یہ صرف دنیا میں ایک عالمگیر اخوت پیدا کرنے کی مساعی ہیں۔ حضرات! اگر کبھی ہم اپنے اس نصب العین کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تو یقین سے جانئے کہ ہماری کامیابی صرف اسی صورت میں ممکن ہوگی۔ جبکہ ہم ان ساتوں اصولوں پر کماحقہ عمل پیرا ہو جائیں گے۔ اور اگر مجھے اس بین الاقوامی لیگ نیشنز کی کامیابی مشکوک نظر آتی ہے۔ تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہاں میں مندرجہ اصولوں کا فقدان پاتا ہوں۔ حالانکہ اس لیگ کے متعلق اسقدر شور و غوغا تھا

بلند کیا جا رہا ہے کہ کان بہرے ہوئے جاتے ہیں ایک
ایسی مجلس جس کا مقصد یہ ہو کہ انسانیت کا ایک
حصہ دوسرے حصہ کا اس طرح غلام اور حلقہ بگوش
کر دیا جائے کہ اوّل الذکر کے مقاصد اور اغراض
کو پورا کرنے کیلئے مؤخر الذکر کے حقوق قربان کر دیئے
جائیں۔ کبھی زیادہ مدّت تک کامیاب نہیں رہ سکتی
پھر میں اپنے مضمون کی طرف لوٹتا ہوں۔ مگر
اس سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ ساتوں اصول جن کا
میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ آپ کے خوب ذہن نشین
ہو جائیں۔ میں ان کا یہاں پھر اعادہ کرتا ہوں
(۱) منبع ایک ہو (۲) شاخوں میں تقسیم (۳) منبع کے
ساتھ پیوستگی قائم رہے (۴) باہم ہستیوں کی شناخت
(۵) انحصار باہمی (۶) زیاں کاری سے اجتناب
(۷) تعاون۔ ان ساتوں اصولوں میں چوتھا اصول
یعنی ایک دوسرے کی ہستی کو تسلیم کرنا۔ دنیا کے مذہب
میں سب سے زیادہ مشکل ہے۔ کیا ہم ایکدوسرے کے مذہب
کو کذب و افترا کا مجموعہ کو کر مردود نہیں قرار دیتے
اور کیا یہ ایکدوسرے کی مستقل ہستی کو تسلیم کر لینے کے
اصول کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ یہ وہ گر ہے جسکو وا کرنا

دشوار ترین امر ہے۔ اگر اس اصول کی خلاف ورزی نہ ہو تو وہ عالمگیر اخوت نہایت عجلت کے ساتھ قائم ہو جائے۔ جس کی دنیا کو بالعموم اور ہندوستان کو بالخصوص اسقدر ضرورت ہے۔ اب حضرات! مجھے کسقدر فخر ہے۔ کہ وہ چیز جو سب مذاہب کو ناممکن نظر آئی اسلام نے نہایت خوبی کے ساتھ اس کو حل کر دیا۔ قرآن کریم کے نزول سے پہلے ہر مذہب جہاں اپنے آپ کو سرچشمہ الہام الٰہی کا پروردہ بناتا تھا۔ دیگر تمام مذاہب کو اس حق سے محروم گردانتا تھا۔ ہر ایک انسان یہی سمجھتا تھا۔ کہ صرف اسی کا مذہب خداوند تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ اور باقی سب من عند غیر اللہ ہیں۔ گویا وہی خدا کا حقیقی بیٹا ہے۔ اور سب اسکے سوتیلے بیٹے ہیں۔ اس تنگدلی اور کم ظرفی نے اختلاف اور نفاق پیدا کر دیا۔ اسی نے انسانی اجتماع کو پراگندہ کر دیا اور باہمی تعلقات کو منقطع کر دیا۔ مذہبوں کی یہ حالت صدیوں تک قائم رہی۔ اور مجھے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ابھی تک مذاہبی دنیا میں ایسی تنگ خیالیاں موجود ہیں۔ آپ عیسائیت کے کسی فرقہ سے جا کر پوچھئے تو تو وہ کہیں گے کہ ہمارے تسلیم کردہ اصولوں کو مانو ورنہ تم

ہمیشہ کیلئے مورد عذاب بنجاؤ گے"۔ گویا کہ جنت کو جانے کا پروانہ راہداری انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ یہی آواز آپ ہر طرف سے سُنینگے۔ کوئی شخص خداوند تعالیٰ کے اخلاق کو قدرت کی متعدد طاقتوں میں جن کے زیر سایہ عاطفت ہماری جسمانی تربیت ہوئی ہے مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔ ذرا آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھو اور اجرام فلکی کی ہیئت پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ کے سورج چاند اور ستاروں کو دیکھو۔ اللہ کے پیدا کئے ہوئے پانی کے بادلوں اور درختوں پر نظر دوڑاؤ اور پھر خدا کے لئے مجھے بتلاؤ کہ ان میں کونسی وہ چیز ہے۔ جو ایک خاص قوم کو تو عطا ہوئی ہو۔ اور باقی اقوام اس سے محروم رہگئیں ہوں۔ ہمارا خدا ہماری جسمانی تربیت میں تو بالکل غیر جانبدار نظر آتا ہے۔ اسکی نظروں میں تمام انسان اور تمام قومیں یکساں ہیں۔ کیا خدا کا ایک ہی سورج۔ ایک ہی چاند اور ایک قسم کے بادل دنیا کے ہر حصہ کو مستفیض نہیں کرتے ہے۔ اگر تم مانتے ہو کہ جسمانی باتوں میں تو بیشک خدا غیر جانبدار ہے۔ کہ یہ بھی تسلیم کرتے ہو کہ روح کو ہر لحاظ سے جسم پر فوقیت ہے۔

توبناؤ کہ یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ وہی خدا روحانی معاملات میں غیر جانبدار نہ رہ سکا ہو۔ قدرت کا ایک ایک ذرہ اس عقیدہ کا بطلان کر رہا ہے۔ کہ خداوند تعالیٰ کا الہام صرف ایک ہی قوم تک محدود رہا ہو۔ صاف اور صریح مقدمات تھے جن سے نہایت صحیح نتائج برآمد ہو سکتے تھے۔ مگر انسانی تنگ نظریوں کو کیا کہوں کہ ہمیشہ سے رکاوٹ بنی رہی ہیں۔ ہاں القرآن نے ان کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا۔ قرآن نے اپنے شروع سے سورۃ کے ابتدا ہی میں دنیا کو یہ دل خوش کن پیغام سنا دیا کہ "الحمد للّٰہ رب العلمین" یعنی تمام تعریف ہو۔ اس پالنے والے۔ تربیت دینے والے مدارج ترقی طے کرانیوالے خدا کو جو صرف عربوں یا ایرانیوں۔ عراقیوں۔ یا شامیوں۔ مشرقیوں یا مغربیوں کا ہی خدا نہیں بلکہ تمام جہانوں کا خدا ہے" اگر وہ خداوند اپنے بیحد فضل و کرم سے میری جسمانی تربیت اور حفاظت کر رہا ہے۔ تو اسی طرح وہ میری روحانی نگہداشت بھی کر رہا ہے۔ دنیا میں یہ عالمگیر اخوت کا پیغام پہلی دفعہ قرآن کے ذریعہ آیا اور اس کا مقصد مذاہب مختلفہ کو یکجا جمع کر کے ایک

ہی سلک اخوت میں منسلک کرتا ہے۔ اور اس مقدس پیغام کو قرآن کریم متعدد جگہوں میں دہراتا ہے۔ کہیں تو کہا ہے۔ وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر یعنے کوئی گروہ دُنیا میں ایسا نہیں گذرا کہ اُنکی طرف ہمارا کوئی ایلچی نہ پہنچا ہو۔ کہیں فرمایا۔ ولکل قوم ھاد۔ یعنی ہر قوم کی طرف کوئی نہ کوئی ہادی آیا ہے۔ حضرات! یہ پیغام آپ کو وہ کتاب مقدس دیتی ہے۔ جس کے متعلق لوگوں نے خصوصاً عیسائی پادریوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے۔ کہ وہ ایک تنگ خیالی کی تعلیم پر مشتمل ہے۔ جسمیں دوسرے لوگوں کو قتل کرنا۔ اور ان پر جور و ستم کرنا مذہبی فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ اگر آپ نے مذاہب عالم کا مطالعہ کیا ہے۔ تو بتلاؤ کہ رُوئے زمین پر کوئی اور بھی کتاب ایسی ہے جسمیں ایسے صاف اور بیّن طور پر اسقدر وسیع القلبی کی تعلیم دیگئی ہو۔ جیسے کہ قرآن کریم نے دی ہے۔ یہ قرآن ہی ہے جس نے مجھے ایسی رُوحانی وسعت دی ہے۔ کہ میں آج اسبات کا اقرار کرتا ہوں۔ جس کے اقرار کیلئے دوسرے مذاہب کی زبانیں گونگ ہیں۔ اگر آج میں قرآن کو اور انجیل کی اصلی اور صحیح تعلیم کو

خدا کی طرف سے ماننا اور یقین کرتا ہوں تو میں وید مقدس کو بھی اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ اپنی ایک مشترکہ جائیداد تصور کرتا ہوں۔ اگر میری نظروں میں موسیٰ اللہ کے نبی تھے تو کرشن اور رامچندرجی کو بھی میں اللہ کی طرف سے بشیر اور نذیر یقین کرتا ہوں اور ہندوستان میں بدی کو دور کرنے اور نیکی پیدا کرنے کیلئے مبعوث ہوئے۔ اگر کوہ سینا میں وادئیے جارڈن کو سیراب کرنے کیلئے چشمۂ ہدیٰ ابلا تو ایران میں زرتشت نے آتش الہام سے گندگیوں اور ناپاکیوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ الغرض جہاں کہیں کوئی قوم تھی وہیں اللہ کے نبی اور رسول آتے رہے۔ جہاں کہیں ظلمت ہوئی وہیں اجالا ہوا۔ یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں میرا اپنا وضع کردہ عقیدہ نہیں۔ بلکہ قرآن کریم میں ایسا ہی لکھا ہے۔ قولوا امنا باللہ و ما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم و اسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احدٍ منھم و نحن لہ مسلمون (پارہ پہلا آخری رکوع) ترجمہ۔ اے مسلمانو! دنیا کے سامنے اس بات کا اعلان کر دو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر

ایمان لائے اور اُن صداقتوں پر ایمان لائے ہیں جو ہمارے نبی کے ذریعے ہم پر نازل ہوئیں - اور نیز ان صداقتوں پر ایمان لائے ہیں جو ابراہیم - واسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب علیہم السلام اور قوموں کی طرف نازل ہوئیں - اور ان باتوں پر ایمان لائے ہیں جو عیسےٰ اور موسیٰ علیہم السلام کو دیگئیں - اور نیز ان باتوں پر ایمان لائے جو اللہ تعالےٰ سے دیگر نبیوں کو عطا ہوئیں - اور اس حقیقت کا بھی اعلان کردو - کہ ہم ان تمام نبیوں کو ماننے میں سرمو فرق نہیں کرتے - اور یہ کہ ہم اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں۔ اِس آیت کریمہ کے ماتحت ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ہر ایسی تعلیم کو قبول کرے جو کسی قوم کی طرف کسی نبی کے ذریعے بھیجی گئی - پس حضرات! ان سات اصولوں سے چوتھا اصول یعنی ایکدوسرے کی مستقل ہستی کو تسلیم کرنا قرآن کریم نے ایسا محکم پکڑا ہے - کہ مجھے تمام دُنیا کے مذاہب میں اسکی نظیر نہیں نظر آتی - ایک مسلم کو دوسرے مذاہب کا سرچشمہ خداوند تعالیٰ ماننے میں کوئی دقت نہیں - اب باقی چھ اصول یہ ہیں (۱) ایک منبع کا ہونا (۲) تقسیم (۳) منبع سے پہونچنگی

(۴) باہم جلب منافعت (۵) نقصان سے اجتناب۔
(۶) ایک مقصد کیلئے معاونت۔ اگر ہمیں لیگ بین المذاہب کو ایک حقیقت بنانا ہو تو ان ساتوں اصولوں پر عمل کرنا ناگزیر ہے۔ اب میں ان کو ایک ایک کر کے لیتا ہوں۔ اور قرآن کریم کی روشنی میں انہیں مطالعہ کرتا ہوں۔ پہلے اصول کے متعلق قرآن کریم کا حسب ذیل ارشاد ہے:۔
قل اتحاجوننا فی اللہ وھو ربنا و ربکم۔ ترجمہ۔ ان مخالفوں کو کہہ دو کہ کیا تم ہم سے اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں جھگڑتے ہو۔ ہم تو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ وہی ہماری ربوبیت کرنیوالا ہے۔ اور وہی تمہاری ربوبیت کرتا ہے" ہر ایک جگہ ہی اللہ معبود اور قابل پرستش ہستی ہے۔ اور اگر تمام مذاہب اسی کے آستانۂ الوہیت پر گرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ تو پھر یہ جنگ وجدال کیوں ہے؟ ہم سب کو اسی ہستی میں ملکر باہمی تنازعوں کو مٹا دینا چاہئے۔ اور وہی سب کا منبع حقیقی ہے اور اسی سر چشمہ سے تمام مذاہب پیدا ہوئے ہیں جو اسی کی ہی شاخیں ہیں۔ اگر ہم نے پہلے اصول کو مان لیا ہے۔ تو دوسرے اصول کو لازماً ماننا ہوگا۔ اس کے متعلق قرآن کریم کا حسب ذیل

فرمان ہے۔ کان الناس امۃ واحدۃً فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین وانزل معھم الکتاب بالحق۔ ترجمہ۔ تمام لوگ حقیقت میں ایک ہی قوم ہیں۔ پس اللہ نے نبی خوشخبری دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے انکی طرف مبعوث فرمائے اور ان کو حق اور صداقت کے ساتھ کتابیں ہیں"۔

ان دونوں حوالوں سے حضرات! آپ پر روشن ہو جائیگا کہ معبود حقیقی حقیقت میں ایک ہی ہے۔ وہی سب کی رشد وہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اور مخلوق انسانی ایک ہی کنبہ ہے جن کی طرف وقتاً فوقتاً اللہ کے برگزیدہ نبی پیغامِ الٰہی لے کر آتے رہے +

اب حضرات! جب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اللہ جس کی ہم سب پرستش کرتے ہیں۔ ایک ہی ہے اور اسکی مخلوق بھی حقیقت میں ایک ہی نسل ہے تو ان دونوں قضیوں سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کوئی سے دو الہامی مذہب اپنی اصلی تعلیم کے لحاظ سے ایسے عقائد نہیں پیش کرسکتے جن میں باہم تضاد ہو۔ انسانی ملاونیوں کو درمیان سے نکال دو تو سب ایک ہی صداقت آشکار کرینگے۔ کہ ھو اللہ احد

یعنی اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے - یہی صداقت بار بار مختلف ملکوں میں الہام کی گئی - اب میں تیسرے اصول کو لیتا ہوں - یعنی ہر ایک شاخ کی منبع سے پیوستگی - اس کے متعلق قرآن کریم کی حسب ذیل آیت ہے :-

قل یاھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواءٍ بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ ط

ترجمہ - یعنی کہدو ان اہلکتب کو کہ آؤ اس بات کیطرف رجوع کریں جو صحیح اور سچی ہے یعنے یہ کہ ایک اللہ کی پرستش کریں - اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیرائیں"-

یہ ہے وہ اصول جس کا نام میں نے منبع کے ساتھ پیوستگی رکھا ہے - آؤ پھر ہم ایک ہی خدا کی پرستش کیا کریں - اور اس کے پاک اور مبارک نام کے ساتھ کسی اور کو نہ ملائیں - چوتھے اصول کی بحث میں اوپر کرچکا ہوں، جہاں میں نے بتایا کہ ہر مذہب کا آغاز ذات باری سے ہی ہوتا ہے - اور ہر ایک دین سرچشمۂ الہام الٰہی سے سیراب ہوتا ہے - اور دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جسکی طرف اللہ نے اپنا پیغام نہ پہنچا دیا ہو -

پانچواں اصول یہ ہے۔ کہ مفردات ایکدوسرے سے فائدہ اُٹھانے کے لئے مُستعدرہیں۔ یعنی باہمی جلب منافعت میں ان کا اشتراک ہو۔ نبی کریمؐ نے ہمیں ان الفاظ میں اس اصول پر عمل پیرا ہونیکی تلقین فرمائی ہے:-

خرد اور شعُور کی باتیں ایک مومن کی گمشدہ اشیاء ہیں اور اسے چاہئے کہ جہاں کہیں انہیں پائے اُنکا مدعی بن جائے۔ اس پاک تعلیم کے ماتحت میں بائیبل اور وید مقدس کو پڑھ کر سرور قلبی حاصل کرتا ہوں پھر کیا وجہ ہے کہ اے مختلف مذاہب کے پیرو تُو! تم قرآن کریم سے اغماض کرو۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ اگر آپ محنت اور جانفشانی سے مطالعہ قرآن میں مصروف رہوگے۔ تو تمہاری محنت ہرگز ضائع نہ ہوگی۔ چھٹا اصول ایکدوسرے کو نقصان پہنچانے سے احتراز کرنا ہے۔ اس کے متعلق قرآن کریم کا صاف ارشاد ہے۔ ولا تسبو الناس یدعون من دون اللہ (ان معبودان باطلہ کو گالیاں مت دو جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں) ساتواں اصول ایک اہم مقصد کے پورا کرنے کیلئے

باہم معاونت ہے۔ اس کے متعلق بھی مجھے قرآن کریم ہی ایک واحد کتاب ایسی نظر آتی ہے جس نے اس بڑے مقصد کو بیان کیا ہے۔ جس کو پورا کرنے کیلئے حقیقت میں دنیا کا ہر مذہب پیدا ہوا۔ مگر جسکی تصریح کرنی صرف قرآن کریم کے لئے مقدر تھی۔ اور یہ بات میں دیگر مذاہب کی کثیر التعداد کتب کے مطالعہ کے بعد کر رہا ہوں۔ میں نے ان کتب مقدسہ کا مطالعہ معاندانہ نگاہ سے کبھی بھی نہیں کیا۔ بلکہ میں ان کو ہمیشہ بڑی عزت اور احترام سے دیکھتا ہوں۔ اس مطالعہ کے دوران میں مجھے کئی ایک ایسے اصول دیکھنے کا اتفاق ہوا جو اسلامی اصولوں کے منافی اور عقل و حکمت کے خلاف ہیں۔ انکی وجہ تسمیہ الہامی الفاظ میں انسانی آمیزش ہے۔ اور مجھے اطمینان ہوتا ہے۔ جبکہ میں دیکھتا ہوں۔ کہ تحقیق حاضرہ نے قرآن کریم کے تیرہ سو برس پیشتر کے ادعا کو کہ دیگر الہامی کتب انسانی آمیزش سے مبرا نہیں پایۂ ثبوت کو پہنچا دیا ہے۔ وہ اہم مقصد جو مذہب کی علت غائی کہلا سکتا ہے۔ قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے +

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔ ترجمہ۔ تم وہ نیک گروہ ہو جو محض نسل انسانی کی بھلائی کی خاطر پیدا کئے گئے ہو تمہارا کام ہے کہ لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرتے رہنا اور فواحش سے منع کرنا۔"

حضرات! ان الفاظ پر غور کیجئے۔ میں بحیثیت ایک مسلمان اسلئے زندہ ہوں۔ تاکہ انسانیت کی خدمت کرسکوں۔ مجھے کسی اور کام کیخاطر یہ ہاتھ۔ یہ آنکھیں یہ کان اور یہ جوارح نہیں ملے۔ میرے پاس یہ امانتیں ہیں۔ جن کو میں صرف انسانوں کے فائدہ کے لئے استعمال کرسکتا ہوں۔ اگر میں ان سے اپنی بڑائی اور عظمت چاہوں تو اللہ کی نظروں میں خائن ٹھیرونگا یہ ایک صاف اور صریح امانت ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کہتا ہے "اگر تم ایک چیز پر بطور امین قابض ہو تو تمہارا یہ قبضہ دوسروں کے فائدہ کے لئے ہے"۔ تمہیں اس لئے زندہ رہنے کی توفیق ملی ہے۔ کہ تم انسانوں کی مقاصد براری کرتے رہو۔ اور اگر تم اس سے اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کروگے تو قرآن تمہیں بددیانت ٹھیرائیگا۔ یہی وہ حقیقت ہے

جو قرآن کریم نے محمد الرسول اللہ کی زبان سے اِس طرح کہلوائی ہے۔ قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین۔ ترجمہ۔ کہو اے محمدؐ! کہ میری نمازیں اور میری قربانیاں۔ نہیں نہیں میری حیات اور میری ممات سب اللہ جہانوں کی ربوبیت کرنے والے کے لئے ہیں"۔ میں سوتے ہوئے اور جاگتے ہوئے۔ کھاتے ہوئے اور پیتے ہوئے نماز ادا کرتے وقت اور دیگر احکام الٰہی کی پیروی کرتے ہوئے ایک ہی خیال دِل میں رکھتا ہوں اور وہ یہ ہے۔ کہ میری ساری ادائیں اللہ تعالےٰ کیلئے ہیں۔ قرآن کریم اللہ تعالےٰ کے انہیں باتوں کو قرار دیتا ہے جن سے انسانیت کو فائدہ ہو۔ یہ ہیں وہ سات اصول جن کی بنا پر دُنیا کے کسی خیال کی ایک متحدہ لیگ بن سکتی ہے۔ اگر ہندوستان میں کبھی ایسی لیگ کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہ یہ زمانہ ہے۔ میں صرف آپ کو ایک کھلم کھلی سچائی کی بات کہتا ہوں جبکہ میں تم پر یہ واضح کرتا ہوں کہ ہندوستان کی موجودہ تفرقہ بازی۔ عناد اور نفاق کی ذمہ داری مذہب اور صرف مذہب ہی پر

عائد ہوتی ہے - ہمارے مذاہب میں انسانی آمیزش
نے بہت سی اضافی باتیں داخل کر دی ہیں - اور
یہ اضافی باتیں ہندو - مسلم اور عیسائی کے
درمیان ایک بے پایاں خلیج پیدا کر رہی ہیں -
آؤ ان انسانی ملونیوں کو درمیان سے نکال دیں -
آؤ ہم ایک اللہ کی پرستش کے جوش میں باہمی
تنازعوں کو مٹا دیں - اور آؤ ایک لیگ بین المذاہب
قائم کریں - تاکہ اس خدا کی عظمت ظاہر ہو - اگر
روئے زمین پر کوئی ملک ایسا ہے جسکو ایسی لیگ کی
ضرورت ہے - تو وہ ہندوستان ہے جو کہ مذہبی مباحث
کا ایک میدان کارزار ہے - یہ مصیبت صرف اس
طریق سے ٹل سکتی ہے - کہ ہم ایکدوسرے کے نبیوں
کی عزت کرنا سیکھیں - تم مسلمان اور ہندو دیگر
بلکہ کسی خیال کے متبع ہو کر اتنا کر سکتے ہو کہ ایک
ہی خدا کی پرستش کرو - اور انسانیت کے بڑے
محسنوں کو [illegible]ل کر [illegible]ئے انبیاء کو - یقین کر لو - کہ
رامچندر - کرشن - موسیٰ - عیسےٰ اور محمد علیہم السلام
سب خدائے واحد کے برگزیدہ ایلچی تھے - میرا یہ خطبہ
ان لوگوں کی طرف بھی ہے جو اور مذاہب کے پیرو ہیں -

وہ بھی میرے اسی طرح بھائی ہیں۔ کیا تمہیں وہ دن بھول گئے ہیں۔ جبکہ ایک مسلمان اپنے باپ کے ہندو دوست کو اپنا باپ کہہ کر فخر کرتا۔ اور اسیطرح ایک ہندو اپنے باپ کے مسلمان دوست کو اپنا پتا کہہ کر شاد کام ہوتا تھا۔ کیا وہ دن تمہارے حافظہ میں محفوظ نہیں رہے۔ اگر ہمارے باہمی تلطف و محبت نے جسمانی باپوں میں اسقدر جذبات اخوت پیدا کر دیئے تھے تو کیا وجہ ہے کہ روحانی باپ کے تسلیم کرتے ہیں ہم ہچکچائیں۔ اگر میری تہذیب مجھے اجازت دیتی ہے۔ کہ میں تمہارے باپ کو اپنا پتا بنالوں تو تمہارے نبی کو اپنا نبی مانتے ہوئے مجھے کیوں ندامت ہو۔ پس ان اصولوں پر یگانگت بین المذاہب قائم کیجا سکتی ہے۔ اور اگر مجھ سے کہو کہ اس کے ممبروں سے اسمیں داخل ہوتے وقت کیا قسم لیجائیگی۔ تو میں بحیثیت ایک ایسے ممبر کے اس کو ان الفاظ میں بیان کرونگا +

میں ایک اللہ کو مانتا ہوں۔ اس کا کوئی شریک نہیں ٹھیراتا۔ میں رامچندر۔ کرشن۔ بدھ۔ موسےٰ۔ عیسےٰ اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کے برحق انبیاء

تسلیم کرتا ہوں ۔ میں ان تمام مقدس کتابوں کی اصلی اور سابقہ تعلیم کو جو انسانی آمیزش سے پاک ہو اپنے لیئے مشعل ہدایت تسلیم کرتا ہوں ۔ اور میں قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا الہام آخری اور دین کی کامل شرع مانتا ہوں ۔ میں دوسرے مذاہب کے متعلق بد لہ گوئی سے مجتنب رہونگا ۔ میں آپ میں سے ہر ایک کو اسی قسم کی دعوت دیتا ہوں ۔ تا کہ مفروضہ لیگ بین المذاہب معرض وجود میں آسکے ۔ یہ میں اپنی طرف سے ایک تجویز پیش کرتا ہوں ۔ آپ کے سوچنے اور تدبر کرنے کیلئے میں نے چند ایک خیالات پیش کر دیئے ہیں ۔ تمہاری ذہنی گرسنگی کے لئے یہ ایک خوراک ہے ۔ اگر آپ پسند کریں تو عالمگیر اخوت کا پیدا ہونا ممکن الوقوع امر ہے ۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں ۔ کہ اس وقت میرے ساتھ دس ہزار آدمی ایسے ہیں ۔ جو ایسی قسم لینے کو تیار ہیں ✦

# فلسفۂ اسلام

مندرجہ بالا موضوع پر حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام نے رنگون کالج کے اگزیمنیشن ہال (کمرہ امتحان) میں جناب ڈاکٹر روس صاحب پرنسپل رنگون کالج کی زیر صدارت لیکچر فرمایا ✦ مترجم

(ماخوذ از رنگون میل رنگون)

صاحب صدر نے اپنی افتتاحیہ تقریر میں ذیل کے کلمات فرمائے:۔

"آج دوپہر کے معزز مقرر خواجہ کمال الدین صاحب کو جو مسلم دنیا میں عموماً اور انگریزی مسلم دنیا میں خصوصاً ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں آپ سے معرف کرانے میں مجھے از حد مسرت ہے۔ اور اب میں انکی خدمت میں التماس کرتا ہوں۔ کہ وہ اپنے لیکچر سے سامعین کو مستفیض فرمائیں" ✦

اس کے بعد حضرت خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنی تقریر شروع فرمائی جو کہ نہایت ہی دلچسپ اور پند و نصائح سے مملو تھی۔ اور جس کی سامعین نے

از صدف در کی ؟

ولقد خلقنا الانسان من سللۃٍ من طین ۰ ثم جعلنٰہ نطفۃ فی قرارٍ مکین ۰ ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظمًا فکسونا العظم لحمًا ق ثم انشانٰہ خلقًا اٰخر ط فتبارک اللہ احسن الخالقین ۰

ترجمہ۔ اور ہمنے اِنسان کو مٹی کے سّت سے بنایا پھر ہم ہی نے اس کو حفاظت کی جگہ (یعنی عورت کے رحم میں) نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر ہم ہی نے نطفے کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہم ہی نے لوتھڑے کی بندھی بوٹی بنائی۔ پھر ہم نے بندھی بوٹی کی ہڈیاں بنائیں پھر ہم ہی نے ہڈیوں پر گوشت مڑھا۔ پھر (آخر) ہم ہی نے اس کو (گویا بالکل) دوسری ہی مخلوق (کی صورت میں) بنا کھڑا کیا۔ تو (سبحان اللہ) خدا بڑا ہی بابرکت ہے۔ جو (سب) بنانیوالوں میں بہتر (بنانیوالا) ہے۔ سورۂ المومنون۔ رکوع ۱۔ آیت ۱۱-۱۲ +

آج کے لیکچر کے مجوزین نے جو مضمون تجویز کیا ہے وہ اتنا بسیط اور اس قدر مختلف پہلو اپنے اندر

رکھتا ہے۔ کہ اس پر کما حقہ کچھ کہنے کیلئے یہ وقت جو مجھے دیا گیا ہے کسی صورت میں کافی نہیں اس مضمون کی مختلف شاخیں اور خدا کی کتاب یعنے قرآن نے اپنی ہمہ گیر تعلیم میں کسی کو نہیں چھوڑا۔ بہرحال میں اسلامی نکتہ خیال سے دو تین امور پر برعایتِ اختصار روشنی ڈالتا ہوں۔ اِنسان کی ابتداء اور اس کا انجام یعنی معاد۔ کس چیز سے اِنسان نکلا اور وہ کونسی منازل ارتقاء ہے جنمیں بلوغیت انسانیت کے مقام تک پہنچنے کیلئے ہمنے گذرنا ہے۔ آیات بالا میں قرآن نے ان امور پر بحث کی ہے۔ اِنسان جس سے مُراد اِس کا جسم ہی نہیں۔ بلکہ رُوح بھی ہے۔ کیونکہ یہ لفظ مجموعہ جسم و رُوح پر عائد ہوتا ہے۔ سلالہ طین سے نکلا یعنے اِنسان کا جسم اسکی رُوح اور اِن دونوں کے کُل قوی جوہر ارضیہ سے کشید کئے گئے ہیں زمین کی کل مخفی طاقتیں نطفۂ اِنسانی میں آجمع ہوئیں اور اس جوہر حیات انسان نے اپنے مزید نشو و نما کیلئے رحمی دنیا میں جا قیام کیا۔ یہاں یہ بڑھتا بڑھتا تکمیل جسم تک پہنچگیا۔ بطنِ مادر میں جب

ہاتھ - کان - ناک - دل دماغ سب بنگئے - تو بلوغت یا ارتقا کی ایک نئی منزل پیدا ہوگئی - ثم انشأناہ خلقاً آخر - وہ منزل منزل ادراک ہے - یعنی انسان میں نفس مدرکہ پیدا ہوتا ہے - جس کے ذریعہ وہ بیرونی چیزوں کا احساس و ادراک کرتا ہے - یہی چیز اس کے فہم و علم کی بنیاد ہے - انسانیت کی یہ منزل بلوغت ان تمام منازل سے مختلف ہے - جو آج کل سے معلومہ تکثۂ آغاز سے اس حد تک نفس انسان نے طے کیں - اینھری ذرات کا ملکر برقی ذرات پیدا کرنا - برقی ذرات کا نئی ترکیب پر سالمات میں متشکل ہونا سالمات سے عناصر اور عناصر کا ایک تنظیم (آرگینک) ترکیب میں جوہر حیات حاصل کرنا - اور اس حالت سے آہستہ آہستہ چند مدارج کے بعد خانہائے دماغ کا پیدا ہونا - الغرض کرہ ارضی مختلف شکلوں اور استحالوں میں گذرتا ہوا اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ جسم انسانی میں ایک اور خون اور گوشت کے کرہ میں متشکل ہوگیا - وہ خون اور گوشت کا کرہ

قلب حیوانی ہے۔ مگر ان دو کرّوں کی کیفیات میں
فرق ہے۔ کرّہ ارضی میں جو کچھ بشکل جسمانیات
تھا۔ لوہا۔ سونا۔ چاندی اور دیگر معدنیات و
فلزات۔ نباتات وغیرہ وہ سب کے سب اس کرہ
لحمی یعنی قلب انسانی میں بشکل ادراکیات آ جمع
ہوئے ہیں۔ یعنی ان ہی چیزوں نے جو کرۂ ارض
میں موجود ہیں۔ اپنی مادی کیفیت چھوڑ کر ذہنی علمی
ادراکی کیفیت کو کرّہ ارض میں موجود ہیں۔ اپنی
مادی کیفیت چھوڑ کر ذہنی۔ علمی۔ ادراکی کیفیت
کو کرۂ لحمی میں آ حاصل کیا۔ اور یہاں ان کا نام
جذبات حیوانیہ۔ ہوائے نفس۔ خیالات ارضیہ
ہو گیا۔ جن کو بحیثیت مجموعی مُدرکۂ حیوانی کہتے
ہیں۔ یہ نفس مُدرکہ ہر ایک حیوان اور ایسے ہی
انسان میں ہوتا ہے۔ فرق اس قدر ہے۔ کہ
مدرکۂ حیوانی جیسے کہ جذبات و خواہشات ہی
ہوتی ہیں۔ وہ نہ تو کسی تادیب و تہذیب کی
اہلیت اپنے اندر رکھتا ہے۔ نہ کوئی اور ترقی
اس کے آگے ہے۔ لیکن مُدرکۂ انسانی جو ہر وقت
پیدائش مدرکہ حیوانی سے ملتا جلتا ہے۔ اور نفس

انسانی کی اِس حالت کا نام قرآن کریم نے نفس امارہ رکھا ہے۔ اپنے اندر تہذیب۔ تعدیل اور ترقی کی استعداد رکھتا ہے۔ یہی جذبات انسانیہ تربیت پاکر خلق سیرت حسنہ۔ اخلاق فاضلہ خیالات ملّیہ حکیمانہ ذہنیات اور روح بن جاتے ہیں +

اگر فلسفہ اسلام میں انسان کو عالم صغیر کہا گیا ہے۔ تو اسلئے نہیں کہ جس طرح کل کائنات میں کرّہ ارضی ہے۔ اِسی طرح جسم انسانی میں قلب انسانی کرّہ ارضی کی شکل وصورت میں قائم ہے۔ بلکہ اسلئے بھی کہ زمین کے کل جوہر اور قوی قلب انسانی میں موجود ہیں۔ فرق یہ ہے۔ کہ وہاں ان کی کثیف شکل ہے یعنے وہاں وہ عالم مادیات میں ہیں۔ یہاں جوہروں نے لطیف شکل اختیار کرلی۔ اور وہی جوہر ادراکیات میں آگئے۔ یہ موقع نہیں کہ میں اِس امر خاص پر روشنی ڈالوں صرف مثال کے طور پر اپنے مافی الضمیر کو آپ کے دل تک پہنچانے کے لئے اِس طرح کہتا ہوں کہ انسانی اخلاق میں ایک ہی چیز کا نام ہٹ ہے۔ جو ایک امر مذموم ہے۔ اسکی شکل محمود کا نام استقامت ہے یہ ہٹ اور استقامت عالم ادراکیات میں ان دو چیزوں

کے قائممقام ہیں۔ جو عالمِ مادیات میں چٹائی کنکر اور فولاد کہلاتے ہیں۔ ایسا ہی کُرّہ ارضی میں کا سونا اگر کُرّہ لجمی میں آکر علو ہمتی بن جاتا ہے۔ تو وہاں کی چاندی قلب انسانی میں ملائمت طبع پیدا کر رہی ہے۔

الغرض اگر مختلف سالمات اور عناصر مثلاً شورہ کاربن۔ ہائڈروجن۔ آکسیجن۔ فاسفورس۔ کُرّہ ارضی میں نباتات۔ معدنیات۔ پھل پھول پیدا کر دیتی ہیں تو بھی چیزیں قلب انسانی میں مختلف دھاتیں بشکل فلزات ہوتی ہیں۔ جن کو پاک صاف کر کے ہم لوہا۔ سونا۔ چاندی۔ تانبا وغیرہ چیزیں پیدا کر لیتے ہیں۔ اسی طرح قلب انسانی کے فلزات ہمارے جذبات ہوا و ہوس خواہشات نفس ہیں ان کو پاک و صاف کر کے اور تربیت و تعدیل دیکر مکارم اخلاق پیدا کر لیتے ہیں۔ جن سے انسان میں سیرت حسنہ پیدا ہو جاتی ہے۔ کسی کتاب قرابادین کا اگر ہم مطالعہ کریں۔ تو بعض خوراک اور بعض ادویات کا تعلق بعض اخلاق انسان سے نظر آتا ہے۔ انسان کے جگر کو جذبۂ غصہ سے تعلق ہے۔ جگر کے لیے اعتدال

ہو جانے پر انسانی طبیعت میں رنج تلخی بات بات پر بگڑنا پیدا ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ایک مریض یرقان کی طبیعت میں غصّہ بڑھ جاتا ہے اصلاح جگر سے اصلاح مزاج ہوجاتی ہے۔ ادویات تو ہم جگر کو اعتدال پر لانے کیلئے کھاتے ہیں لیکن نتیجۂ جذبۂ غضب بھی کھوئے ہوئے اعتدال کو واپس لیلیتا ہے۔ عربی زبان نے جگر اور غصّہ کے لئے ایک ہی لفظ کبد تجویز کرکے ایک اشارہ کیا۔ کہ جگر اور غصّہ جوہر میں ایک ہیں۔ ایک مادی شکل میں اور دوسرا ادراکی شکل میں۔ اس نظریہ سے یہ سمجھ آجاتی ہے۔ کہ جسم و ادراک کا کسقدر ایک دوسرے سے تعلق ہے۔ اچھے یا بُرے اخلاق وخیالات کا پیدا کرنا کہاں تک جسمانیات اور خوراک سے تعلق رکھتا ہے۔ انگریزی زبان کی ایک ضرب المثل کہ تندرست دل میں ہی تندرست دل و دماغ ہوتے ہیں۔ اس طرف اشارہ کرتی ہے۔ ویدک اور مسلم اطبّا نے لکھا ہے۔ کہ سیب۔ انگور۔ انار۔ ریشم کستوری۔ سونا۔ چاندی۔ موتی برنگ ادویات استعمال کرنے سے قلب انسانی کی انبساط و انشراح کا موجب

ہیں - ان ہی سے قلب انسانی کی طاقتیں بڑھ جاتی
ہیں - جتنا بھی اسمیں استعداد وسعت پیدا ہوجاتی ہے
اسی وسعت جسمی سے جو ادویات مذکورہ بالا کا نتیجہ
ہوتا ہے - انسان کے دل میں وہ چیز پیدا ہوتی
ہے جس کا نام وسعت قلب ہے - اور پھر بھی وسعت
قلب بلند ہمتی شجاعت سخاوت - کریم النفسی وغیرہ
وغیرہ اخلاق فاضلہ پیدا کر لیتی ہے - اس سے
یہ مراد نہیں کہ ان چیزوں کا ہر ایک کھانے والا ان
اخلاق کا مالک ہوتا ہے - دنیا میں کسی منطقی قضیہ کا عکس
لازماً صحیح نہیں ہوتا - جن عناصر سے مذکورہ بالا چیزیں
کرۂ ارضی میں پیدا ہوتی ہیں وہ سب کی سب
انسان کے جسم میں زیادہ تر بشکل خون موجود ہوتی
ہیں جن کا مرکز جسمی طور سے قلب انسانی ہے - ایک
مسلم المزاج انسان مذہب حقہ پر چلکر قلب سلیم اپنے
اندر پیدا کر لیتا ہے - پھر بھی قلب سلیم کستوری -
سیب - انار - انگور - کھجور - شہد - دودھ - ریشم -
یاقوت وغیرہ وغیرہ کے اجزا سے جو اس کے خون میں
موجود ہیں روحانی اور اخلاقی میوہ جات بنا لیتا ہے
یہی مندرجہ بالا چیزیں اس کے قلب کی دنیا میں برنگ

اور الحیات یعنی بصورت اخلاق فاضلہ۔ روحانیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ عبد القادر بیدل نے کیا لطیف بات کہی ہے ؎

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو سمن درآ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بچمن درآ

بطور ایک بات یہاں کہتا ہوں تمہارے مادیت پسند انگریزی خواں بعض مذہبی صداقتوں کے سمجھنے سے قاصر رہکر جھٹ اعتراض پر اُتر آتے ہیں۔ وہ نعماء جنت مندرجہ قرآن یعنی سونا۔ چاندی کستوری ریشم مروارید۔ انگور کھجور۔ انار وغیرہ پر ٹھٹہ چڑھاتے ہیں۔ انہیں سمجھ لینا چاہئے۔ کہ جسمانیات ہیں یہ تو وہی چیزیں ہیں۔ جو قوی قلب انسانی کو مضبوط کرتی ہیں۔ پھر وہ یہ بھی یاد رکھیں۔ کہ جنتی زندگی حاصل کرنے کے لئے از روئے تعلیم قرآن جس چیز کی ضرورت ہے۔ وہ قلب سلیم ہے۔ جس کے معنے اخلاق فاضلہ اور روحانیات ہیں۔ یہاں بھی تو قلب سلیم ہے جس کے معنے اخلاق فاضلہ اور روحانیات ہیں یہاں بھی تو قلب سلیم میں سونا۔ چاندی۔ ریشم۔ کستوری برنگ اخلاق ہوتے ہیں۔ وہاں کیسی

مناسبت سے اِن کا یہ نام جنّت میں پالینا کونسا
امرِ محال ہے - رہا یہ کہ ان کی کیا کیفیت ہوگی اِس
کا اصل علم تو خدا کو ہے - لیکن اِن اخلاق روحانیات
کا جسمانی شکل اختیار کر لینا کونسا مشکل امر ہے - اگر
جسمانیات اور اکیات و ذہنیات میں منتقل ہو سکتے
ہیں جیسے ہم نے بالتشریح اوپر بیان کیا ہے - تو
اور اکیات و ذہنیات کا پھر جسم اختیار کر لینا کونسا
مشکل امر ہے ؛

یہاں میں یہ تو بیان نہیں کرتا - کہ روزِ ازل پر رُوح
کی کیا صورت و شکل تھی - مگر رُوئے زمین پر جب
وہ آیا تو وہ جسم میں سے نکلا - میں جانتا ہوں - کہ
مختلف مذاہب اور مختلف فلسفوں میں روح کی
کیفیات پر مختلف بحثیں موجود ہیں - میں از رُوئے
تعلیم قرآن رُوح سے نفسِ انسانی کی وہ حالت
بالغ مراد لیتا ہوں جس سے اخلاق فاضلہ اور
روحانیت پیدا ہوتے ہیں - لہٰذا رُوح جسم
انسانی میں باہر سے نہیں آئی - یہ تو ان ہی نورِ
ذرات کی ایک حالت بالغہ کا نام ہے - جس سے زمین و
آسمان بنیں (اللہ نور السمٰوات والارض) یعنی نور

سے زمین بنی۔ زمین سے اِنسان نکلا۔ اور اِنسان کے قلب میں وہی نورِ ازل رُوح بنگیا کیا شان ربی ہے۔ جس پر کُل لوگ ہنستے تھے۔ اسی پر سائنس نے مُہر صداقت لگا دی۔ سائنس نے آج تسلیم کرلیا۔ کہ کُل مظاہر کائنات اپنی ابتدائی شکل میں برقی ذرات تھے +

جس طرح آسمان سے اُترا ہُوا پانی مُردہ زمین کو حرکت دے کر اسکی قوی مخفیہ کو مختلف شکلوں میں پیدا کرنے لگتا ہے۔ اِسی طرح انسان کے دل کی مردہ زمین رُوحانی بارش کی محتاج ہوتی ہے۔ اسکی چھپی ہوئی طاقتوں کو باہر لے آتے۔ زمین کی طاقتیں کیفیّت جسم اپنے اندر رکھتی تھیں۔ اسلئے جو پانی ان کے لئے آسمان سے اُترا اس نے مادی شکل اختیار کی۔ لیکن قوی قلب کو اور اک وعلم سے تعلق ہے۔ اسلئے ان کے تحرّک کیلئے جو ماء الحیات آئے اس کی شکل بھی علمی اور ادراکی ہونی چاہئے۔ چنانچہ یہ بارش وہ علم انسانی ہے۔ جو سب سے اول الہام ربّانی کی شکل میں آسمان سے نازل ہُوا۔ جس پر علماء ربّانی اور فضلاء زمانہ کی تحقیق و تدقیق اور غور و فکر

نے مفید اندازدیں کیں جس طرح جسم کی زندگی اور پرورش کیلئے آسمان سے پانی کے قطرے اترے۔ اسیطرح انسان کی اور اسکی زندگی کے لئے فطرت علم برنگ الہام آسمان سے نازل ہوئے ÷

اسلامی نکتۂ خیال سے مذہب اسلام اس لئے نہیں آیا۔ کہ ہمیں چند ایک اعتقادات و ایمانیات اور ایسی چند وہی باتیں تحکمانہ طور سے سکھلا دیئے جن کے ماننے پر ہماری نجات کا حصر ہو۔ مذہب انسان کو قوانین اور شرائط عطا کرتا ہے۔ جسکے حدود میں وہ اپنی جسمانیات کی ترتیب کرے۔ مذہب کی ہدایات کے ماتحت ہم کھانے پینے کی چیزیں تجویز کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا اثر ہماری صحت جسم و اخلاق پر پڑتا ہے۔ پھر مذہب معاملات دنیوی ہمارے تعلقات مجلسی اور منزلی کے قوانین مرتب کرتا ہے کیونکہ یہی باتیں ہمارے جذبات اور خواہشات نفس کی اصلاح کرکے ہم میں عمدہ اخلاق روحانیات پیدا کرتی ہیں۔ اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ اخلاق انسانی پر خوراک کا اثر ہوتا ہے۔ اس کے ضمن میں ایک اور بات کہنا ہوں۔ کہ یہ امر مسلم ہوچکا ہے۔ کہ

کل جانور اور ایسے ہی انسان کے اجسام میں ایک ہی قسم کے اجزا ترکیب پاتے ہیں۔ سؤر۔ کتا۔ بکری۔ مرغ کے اجزاءِ جسمی ایک ہی ہیں۔ صرف یہ اجزا مختلف مقدار پر مختلف جانوروں میں ترکیب پاتے ہیں۔ اِس اختلاف مقدار سے اختلاف شکل پیدا ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ اختلاف جذبات حیوانات ہے۔ بالفاظ دیگر اس اختلافِ مقدار سے جو گوشت و پوست سؤر میں پیدا ہوتا ہے وہ بکرے کے گوشت پوست سے کیفیاتِ جسمی میں الگ ہوتا ہے۔ یہ اختلافاتِ جسمی مختلف حیوانات کے جذبات کا موجب ہو جاتا ہے۔ اور اسی سے مختلف مدرکات حیوانیات پیدا ہوتے ہیں۔ جسم انسانی بھی ان ہی اجزا سے بنتا ہے۔ لیکن اختلاف مقدار اجزاء نے انسانی گوشت اور اسکے جذبات کو حیوانات سے مختلف پیدا کیا۔ اب اگر خاص مقدار اجزاء کسی خاص قسم کا گوشت پیدا کر کے خاص جذبات کا مولد ہو جاتے ہیں۔ تو اگر اس جانور کا گوشت انسانی جسم میں چلا جائے۔ اس جانور کی مختصہ مقدار اجزا کو انسانی جسم میں بڑھا کر اس جانور کے اخلاق کو ساتھ ہی انسانی جسم میں منتقل کر دیگی۔ لہذا ہم غلطی نہیں کرتے۔ اگر

لحم خنزیر کو دستر خوان پر نہیں لاتے ہمیں خطرہ ہے کہ ہم خنزیر کے اخلاق کو اپنے اندر پیدا کر لینگے۔

اب میں پھر اصلی مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں اگر ہمارے جذبات گوشت پوست سے نکلتے ہیں۔ تو پھر ان کی تہذیب و تکمیل کا کیا سامان ہونا چاہیئے ہم ان جذبات کو مار نہیں سکتے۔ یہ جسم کے ساتھ زندہ رہینگے۔ لہذا جن مذاہب اور فلسفوں نے جذبات کے کلیتہً ذبح کرنے میں تکمیل نفس سمجھا ہے وہ غلطی پر ہیں اسلام نے اسی لئے رُہبانیت کی اجازت نہیں دی۔ نہ جذبات کشی و نفس کشیوں کی سفارش کی ہے۔ ہم مسلمانوں کو حکم ہے۔ کہ ہم ان جذباتِ ردّیہ کو دبانے کی بجائے ان کو تہذیب میں لے آئیں اسلام میں جذبات کے مارنے کا نام اصلاح جذبات ہے یہ جذبات انسان کے پیدا کردہ نہیں۔ یہ تو عطیۂ ربی ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ جذبات ادنےٰ قسم کے ہوتے ہیں۔ اور شان انسانیت کے بھی شایاں ہیں لیکن یہی جذبات حیوانیہ آیندہ تعمیر و ترتیب اخلاق میں مواد و مصالح کا کام دیتے ہیں۔ مثلاً ایک خاص قسم کے جذبہ کا نام ہم نے شہوت جسم رکھا ہوا ہے۔ تم بیشک اسے نفرت سے

دیکھو لیکن اِس پاک جذبہ کی بھی تشریح و تفرید کر لو۔
جس کا نام تم نے پاک محبّت رکھا ہوا ہے لیکن ایک
ادنےٰ حیوان بھی اپنے بچوں سے محبّت ظاہر کرتا
ہے۔ بہر حال اس پاک محبّت کی جڑھ تک چلے جاؤ
کہ یہ کہاں سے آئی۔ تو تمہیں اسکی تہ میں وہی شہوت
حیوانیہ نظر میں آئیگی وہی جذبہ رذیہ آہستہ آہستہ
پاک و صاف ہوتا ہوا محبّت الٰہیہ میں منتقل ہو گیا
رسم شادی اس امر کی ایک نہایت عمدہ تشریح ہے
کہ کس طریق پر ایک جوش حیوانی آخر کار پاک جذبات
پیدا کر دیتا ہے۔ اور ایک ادنےٰ سے ادنےٰ حیوانی
چیز روحانیت کے بلند سے بلند مقام پر پہنچ جاتی ہے
زوجیت و شادی کی وجہ اول تو تسکین حیوانیت ہوتی
ہے لیکن منشاء ایزدی جو نکاح سے تعلق رکھتی
ہے۔ وہ یہ تسکین نہیں بلکہ اس سے ان اخلاق
فاضلہ مثلاً محبّت۔ شفقت۔ رحم وغیرہ کے
جذبات کو جگانا اور پرورش کرنا ہے۔ قرآن کریم نے
غرض شادی کو کیسے پیارے ذیل کے الفاظ میں
لکھا۔ وجعل بینکم مودۃ و رحمۃ ہم نے مرد اور
عورت باہمی مودت اور رحمت کے لئے سبب اکٹھے جو

لوگ غیر متاہل رہتے ہیں - وہ بھی اِن جذبات سے خالی نہیں ہوتے لیکن ان اخلاق کریمانہ کے طبعی طریق پر پیدا کرنے کے وسائل سے محروم رہجاتے ہیں - ان لوگوں کی طبیعت میں عموماً چڑچڑاپن اور تنگ مزاجی پیدا ہو جاتی ہے - اِس مزاج کے افراد عموماً یورپ کے صنف ضعیفہ میں کثرت سے پیدا ہوگئے ہیں یعنی وہی عورتیں جو ساری عمر بے نکاح رہتی ہیں - انسان شادی کر کے اپنے ارد گرد ایک کنبہ پیدا کر لیتا ہے بی بی بال بچے - بہن - بھائی - ماں - باپ یہ سب کے سب مل جلکر ہم میں سیرتِ حسنہ پیدا کرنے کا موجب ہو جاتے ہیں - ہمارے تیز جذبات کو ٹھنڈا کر دیتے ہیں - نرم دلی لطف کرم - محبت مودّت مواسات کو عمل میں لانے کے موقعہ پیدا کر دیتے ہیں انسان کسی غیر کے بچے کی لغو حرکت یا بیہودگی پر ناراض ہو سکتا ہے لیکن وہی بیہودگیاں اس کے ارد گرد گھر میں ہوتی رہتی ہیں - ناراض ہونا تو درکنار بعض وقت ان پر ہنس دیتا ہے - بہت سی خلاف طبع باتوں پر اسے خاموش رہنا پڑتا ہے بہت سی نرم گرم باتیں

اسے سُننی پڑتی ہیں لیکن ان سب کے مقابل اسے محبت ہی ظاہر کرنی پڑتی ہے۔ جن باتوں کی عشرِ عشیر کی برداشت اسے غیر سے نہیں ہوتی اپنے عیال میں وہ ان سب باتوں کو شیرِ مادر سمجھ لیتا ہے۔ پھر سر کے پسینہ سے کمائے ہوئے روپیہ کو وہ اہل و عیال کے نذر کر دیتا ہے۔ خود غرضی کو چھوڑنے اور ایثار نفس کا پہلا سبق اُسے اس طرح دائرۂ عیال میں ملتا ہے الغرض انسان کا کُنبہ ایک اخلاقی مکتب ہے۔ جہاں جذباتِ حیوانیہ آہستہ آہستہ نرم ہوتے ہُوئے آخر کار انسان کے سینہ میں اس چھوٹے سے چھوٹے شعلۂ محبّت الٰہیہ کو مشتعل کر دیتے ہیں جو ہر انسان میں موجود ہے یہی وہ مقام ہے جہاں انسان مظہرِ الٰہیّت کا جامہ پہن کر خدا کا اوتار سمجھا جاتا ہے۔ الغرض کُنبہ کی چار دیواری میں نہایت آسانی سے انسان کا نفسِ مُدرکۂ شخصی کے رنج کو چھوڑ کر مُدرکۂ اعلیٰ کا لباس پہن لیتا ہے +

مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ آگے چلنے سے پہلے میں ان اصطلاحات کی تشریح کردوں۔ مُدرکۂ سے مراد ضروریاتِ لاحقہ کا احساس اور ان کا تہیّہ ہے۔ بالفرض انسان

کو بھوک لگتی ہے ۔ اس بھوک کے دفعیہ کیلئے وہ روٹی کی
تلاش میں نکلتا ہے ۔ اور ان وسائل پر غور کرتا ہے
جس سے روٹی میسّر آئیگی ۔ پھر ان وسائل کو عمل میں
لاتا ہے ۔ یہ سب کی سب باتیں نفس مُدرکہ کی کیفیات
مختلف ہیں جس وقت ایک انسان یہ سب کے سب
امور محض اپنی ذاتی ضروریات کے لئے کرتا ہے تو اسے
اصطلاح میں مدرکہ شخصی کہتے ہیں لیکن جب وہ
دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات قرار دیتا ہے
تو سب حالات مُدرکہ شخصی وسیع ہونے لگتا ہے مثلاً
شادی کرنے سے انسان اہل وعیال کی ضروریات کو
اپنی ضروریات پر مقدّم جانتا ہے ۔ تو اس کا نفس
مُدرکہ مدرکہ شخصی نہیں بلکہ مُدرکہ اہلی ہو جاتا ہے پھر
آہستہ آہستہ انسان قومی اور ملکی ضروریات کو اپنی
ضروریات کی طرح محسوس کرنے لگتا ہے ۔ اسے مُدرکہ
قومی و ملکی کہتے ہیں ۔ اسی کا دوسرا نام حُبّ قوم و
حُبّ وطن ہے لیکن بدقسمتی سے جس کی بد استعمالی دنیا
میں مختلف جنگوں کا موجب ہوئی ۔ اس سے قومی
جنگ ہوتے ہیں ۔ اس لفظ قوم کی بد استعمالی کا علاج
ایک ہی ہے ۔ جو قرآن نے تجویز کی ہے ہم اس مدرکہ

قومی یا حُبّ قومی کو مُدرکہ انسانی اور حُبّ انسانی میں منتقل کردیں۔ ہم ہر ایک انسان کے لئے خواہ کسی قوم و ملت سے تعلق رکھتا ہو۔ اس قسم کا احساس اپنے نفس میں پیدا کرلیں جیسا احساس اپنی قوم یا اپنی ذات کے لئے کرتے ہیں۔ لیکن رفعت مدرکہ کی یہ آخری منزل نہیں اسکی کامل وسعت کا مقام آگے ہے جہاں پہنچ کر نفس انسانی ہر مخلوق کی ضروریات کو اپنی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اس وقت مُدرکہ انسانی کا نام مدرکہ کونی ہو جاتا ہے۔ اِس مقام پر پہنچے ہوئے انسان کا قدم خُدا کے قدم میں ہوتا ہے۔ وہ خدا کے ساتھ عجز و انکسار سے چلتا ہے یہی وہ انسان ہے جو خلیفۃ اللہ ہوتا ہے۔ یعنے اس اللہ کا قائمقام ہوتا ہے۔ جو رب العالمین ہے جو مخلوق کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے۔ اور رفع کرتا ہے اسبات کی بھی حقیقت یہی ہے۔ کہ کیوں ایک مسلمان اپنی ہر نماز کے شروع میں الحمدللہ رب العالمین کہتا ہے۔ وہ اس خدا کی عبادت کرتا ہے۔ جس کا نام رب العالمین ہے۔ اور حقیقت عبادت یہ ہے کہ اسمیں رنگ رب العالمین ہوجائے۔ اسی مقام پر آکر

تکمیل نفس ہو جاتی ہے معراج انسانی کی یہی منزل ہے۔ اور اس کے آگے سلوک کا کوئی درجہ نہیں لیکن یہ یاد رہے۔ کہ یہ مقام عالی اس ردّی چیز سے نکلا ہے جس کو تم شہوت نفس کہتے ہو۔ جن کا نام تم نے اد نے جذبات رکھا ہؤا ہے۔ وہی ان چیزوں کے ماں باپ ہیں۔ جسے تم اخلاقِ کریمانہ اور سیرت حسنہ کہتے ہو۔ اسلئے یہ امر یاد رکھو کہ تم ان جذبات حیوانیہ کو مار نہیں سکتے۔ ان کو تعدیل و تہذیب میں لے آؤ۔ اس لئے قرآن نے کہا ہے۔ ونفس وما سواھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے رُہبانیت کی ممانعت کردی۔ الغرض جس کا نام تم نے رُوحانیت رکھا ہؤا ہے۔ وہ جذباتِ ردّیہ کی رفعت و بلُوغت کا مقام ہے الہام الٰہی کا بھی مقصد یہی ہے۔ کہ انسان کو آخری کنارۂ حیوانیت سے اٹھا کر جہاں وہ ہر وقت پیدائش ہوتا ہے۔ آستانِ الوہیت پر پہنچا دیں۔ اور اس شعلۂ نور کو جس سے روز ازل کو ہماری پیدائش ہوئی تھی اپنی اصلی حالت میں لے آئے۔ یہ نور ربّانی ہر ایک فطرت میں چھپا ہؤا موجود ہے۔ جیسے مذہب روشن کرنے

آتا ہے۔ اسی کے چمکنے پر ہم بارگاہ الوہیت کی دہلیز پر جا کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور لازوال زندگی کا پانی پیتے ہیں۔ اور حسب استعداد دیدارِ خداوندی سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اس مقام پر پہنچے ہوئے انسان سے بعض وقت افعال خداوندی سرزد ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر ایک مجہول انسان انہیں خدا بنا لیتا ہے لیکن یہ تو کمال انسانی کی وہ منزل ہے جہاں ابراہیمؑ۔ اسمٰعیلؑ۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ محمدؐ اور بعض کے نزدیک رامچندر اور کرشنا نظر آتے ہیں۔ یہ عظیم الشان لوگ اِن الہامات کے علاوہ جو خدا نے ان کی ہدایت کے لئے انہیں وہیں اپنے سُنن اور حالات ہماری ہدایت کیلئے چھوڑ گئے +

# بہشت و دوزخ کا اسلامی مفہوم

یہ روحانی حالت جو میں نے اوپر بیان کی ہے بروئے تعلیم قرآن ہر انسان میں پیدا ہونی چاہیئے۔ جو وارثِ فردوس ہونا چاہتا ہے۔ اسلئے بروئے تعلیم قرآن یہ حالت بعض میں اسی جگہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اِس کیفیت کی زندگی کو بعد الموت جو مقام حاصل ہونا ہے

قرآن نے اس مقام کا نام جنّت رکھا ہے۔ انگریزی
میں جو اس لفظ کا مترادف پیراڈیئز یا ہیون ہے
ان لفظوں میں یا دنیا جہان کی کسی زبان کے مترادف
لفظ میں اسکی کیفیت کا مفہوم نہیں ہوتا لفظ جنّت
اپنے اندر رکھتا ہے۔ لفظ جنت کے لغوی معنی ہی ہمیں
جنّت کی حقیقت سے آگاہ کر دیتے ہیں جس حقیقت
کا نقشہ مخالف مجاہل زمانہ نے بدترین رنگوں میں
کھینچا ہے۔ لفظ جنت کے دو معنے ہیں۔ اول جو
چیز چھپی ہوئی ہو کسی کو نظر نہ آئے۔ اس کے دوسرے
معنے کسی چیز کا بالغ ہو جانا۔ اس کے جوہروں کا باہر
آجانا یا بیج کا کامل و مکمّل بالغ ہو جانا۔ اور اسکے
ہر ایک جوہر کا پورا انشوونما پالینا ہے۔ اب میں آپ سے
دریافت کرتا ہوں۔ کہ کیا کائنات کا ہر ایک ذرہ ہر ایک
سالمات ہر ایک عنصر۔ الغرض مادے کی ہر ایک نوعیت
کی ایک شکل بذات خود ایک جنت نہیں۔ وہ کونسی
چیز ہے جسمیں ہزار در ہزار جوہر مخفیہ ہیں۔ لیکن
ان ہی کی مناسب آبیاری کی جائے۔ ان میں سے
کیا کچھ نکل آتا ہے۔ تمہارے ارد گرد جو سیاہ مٹی
کے ڈھیلے پڑے ہوئے ہیں۔ اگر ان پر ایک عقلمند

باغبان کچھ عرصہ کیلئے محنت کرے ۔ تو یہی ایک چمن بوستان اور گلزار بن جاتے ہیں جنمیں طرح طرح کے درخت بیلیں ۔ بوٹے ۔ پھل پھول نظر آنے لگتے ہیں اب یہ جنّت کا نمونہ باغ ایک وقت تو مٹی کے ڈھیلے ہی تھے لیکن لفظ جنّت کا اطلاق اس وقت بھی ان پر ہو سکتا تھا۔ یعنی اس وقت ان میں یہ سب خوبصورتی چھپی ہوئی تھی ۔ جو جنّت کے پہلے معنی ہیں ۔ اب وہ ظاہر ہوگئی ۔ اور اس طرح دوسرے معنوں میں جنّت بن گئی اس مثال کے بعد قرآنی مفہوم جنّت کا شاید مشکل نہ ہوگا ۔ ہر انسان کے اندر جنّت ہے ۔ اس کے اندر ہزار ہا قسم کی استعدادیں اور نئے انداز قابلیتیں موجود ہیں ۔ ان قویٰ سربستہ نے ایک دن کھلنا ہے انہوں نے اپنے کمال بلوغت کو دیکھنا ہے ۔ ان بالقویٰ چیزوں کو بالفعل ہو جانا ہے ۔ قرآن نے مذہب الہام کا بھی مقصد یہی بتلایا ہے ۔ اولئك على هدًى من ربهم واولئك هم المفلحون ۔ یعنے الہام آلہیہ اور ایمان لانے والے لوگ اپنے رب کی طرف سے ایک راستہ پر قائم ہو جاتے ہیں ۔ جو ان کے رب سے انہیں ملا ہے ۔ جس پر چلکر وہ فلاح پا لیتے ہیں ۔ عربی زبان

ہیں لفظ فلاح کے معنے کسی چیز کے اندر کسی اور چھپی ہوئی چیز کو باہر لانا ہے۔ وحیٔ الٰہی نازل ہو کر انسان کو چند ایسی راہیں بتلا دیتی ہے۔ جس پر چلکر اس کی چھپی ہوئی طاقتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ انسانی جوہروں میں سے کچھ تو اسی دُنیا میں ظاہر ہو جاتے ہیں لیکن باقی جوہر کُل کے کُل بعد الموت دُنیا میں ظاہر ہونگے۔ یہ دنیا در اصل تیاری کی دُنیا ہے۔ ان جوہروں پر اس دنیا کے کچھ پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے اس زمین پر آکر جوہر انسانی سے حجابوں کو اُتار کر اُسے آئندہ ترقی کے قابل بنا دیتا ہے۔ یہ اسکی جنّتی زندگی ہوگی۔ چونکہ اسلامی جنّت ترقی کا مقام ہے۔ لہٰذا اگر ایک انسان اپنی رُوح کو دُنیوی حجابوں سے اس دُنیا میں پاک صاف کر لے۔ تو اسے جنّت کا پروانہ ملجائیگا۔ لیکن اگر ایک انسان اپنے قویٰ میں آیندہ ترقی کی استعداد پیدا کرنے کے بغیر یہاں سے رخصت ہو یا ان قویٰ کو ہی بگاڑ لے اور ان کی تباہ شدہ حالت میں مرے تو لازماً وہ فردوسِ بریں میں قدم رکھنے کے قابل نہیں اُسے کہیں اور جگہ جا کر اپنی بگڑی ہوئی صورت

کو درست کرنا ہے۔ جن آلائشوں میں اس نے جوہر
انسانی کو ڈال دیا ہے۔ وہ جب تک دُور نہ ہوں
تو آیندہ ترقی کیسی ممکن ہے۔ الغرض جنت میں
قدم دھرنے سے پہلے جہاں انسان کو مذکورہ بالا
پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے جانا ہے۔ اسی کا نام
اسلام نے دوزخ رکھا۔ اس حقیقت کو قرآن کریم نے
دو لفظوں میں ادا کر دیا۔ قد افلح من زکّٰھا
وقد خاب من دسّٰھا یعنی آئندہ پھلے پھولیگا
جو (اپنے جوہر رُوح کو آلائشوں سے) پاک صاف
کرلے۔ اور وہی ناکام رہیگا۔ جس نے اپنی قوتوں
کو دبا دیا۔ الغرض جو انسان کی دوزخ اور بہشت کا
باعث ہے۔ وہ انسان کے اندر ہے۔ یعنی وہ قلب
انسان ہے۔ اگر ہم اس کے مخفی جوہروں کو جس کا
تعلق نفس مُدرکہ سے ہے کامل نشو و نما دیں۔ اور قلب
انسان کو باصطلاح قرآن قلب سلیم بنائے یعنی انسان
کا دل جس وقت ہر قسم کے غل و غش سے پاک ہو جائے
اور ہر ایک قسم کے جذبات نفس ٹھنڈے ہو جائیں۔ تو
ہم اسی دنیا میں اپنی جنت شروع کر لیتے ہیں لیکن
اگر ہمارے مخفی جوہر دنیوی خس و خاشاک کے نیچے

دب جائیں - اور ان پر آلائشوں کا کوڑا اگر کٹ ڈھیر و ڈھیر جمع ہو جائے - تو جس طرح جنگلوں میں خود بخود آگ لگ کر زمین کو فالتو چیزوں سے پاک کر دیتی ہے اسی طرح قلب انسانی بھی موت کے بعد اس خس و خاشاک سے الگ ہونے کے لئے یکساں آگ بڑھکائیگا جو اس مواد ردیّہ کو جلا دے - چنانچہ قرآن کے حکیمانہ الفاظ نے نارِ جہنم کو اسی طرح تعبیر کیا نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ - یہ خدا کی آگ انسانی دِل پر سے بھڑکتی ہے +

اسلامی بہشت و دوزخ کی یہ ایک مجمل کیفیت ہے اس کی اصلی حقیقت و کیفیّت کو سمجھنا انسانی دل و دماغ سے باہر ہے - عذاب جہنّم یا نعماء جنّت کو اس جگہ کما حقہٗ سمجھ لینا تعقل تصوّر انسانی میں لانا ایک امر مشکل ہے - اور ایسا ہی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ فرمایا - کیا ایک نابالغ بچہ ہزار در ہزار تشریحات سُنکر بھی لذت تعلقات زناشوئی سے واقف ہو سکتا ہے - ایک شخص جس کے کان تال سُر سے آشنا ہی نہیں - وہ موسیقی کی خوبیوں کا کیا اندازہ لگا سکتا ہے - ایک موٹی عقل اور ناتراشیدہ

دماغی کیفیات کا انسان کسی شہر کی خوبصورتیوں کی کیا داد دے سکتا ہے - اب اگر یہ ساری باتیں محالات سے ہیں - تو پھر آنحضرتؐ نے صحیح طور پر فرمایا ہے کہ بہشت میں وہ چیزیں ہیں - کہ جسے انسانی آنکھ نے نہ دیکھا نہ انسانی کان نے سُنا - نہ وہ کسی تعقل تصوّر میں آسکتی ہیں - قرآن کریم بھی یُوں ہی فرماتا ہے - وبرزت الجحیم للغوین - اور اس دن خطا کاروں کے آگے دوزخ کھول دیجائیگی جو کچھ مختلف کُتب ہائے مقدسہ میں بہشت و دوزخ کے متعلق لکھا ہے - وہ دراصل تشبیہات تمثیلات ہیں جیسے کہ قرآن بھی اشارہ فرماتا ہے - واتوبہٖ متشابہا - لیکن میں یہ علےٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ بہشت و دوزخ کی بہتر سے بہتر تشریح جو ادراک انسانی میں آسکتی ہے - وہ قرآن وحدیث میں موجود ہے +

الغرض انبساط خوشی راحت آسائش آرام کے خزانے کے خزانے بعد الموت زندگی میں ہمارے لئے موجود ہونگے - اگر ہم قویٰ کی اصلاح کریں - لیکن جن لوگوں سے یہاں ہمارے محبّت کے تعلقات ہیں مثلاً اہل وعیال ماں باپ بیوی بچے - دوست ان اپنے

پیاروں کے سوا اگر اس دُنیا کی زندگی حرام ہو جاتی ہے تو
وہاں جس جگہ احساس و ادراک تیز تیز ہونگے - اِن
کے سوا زندگی اور بھی تلخ ہو جائیگی - مگر ہمیں قرآن
یقین دلاتا ہے - کہ ہم اور ہمارے متعلقین سب
کے سب پاک صاف ہو کر بہشت میں داخل ہونگے

ھم وازواجھم فی ظلالٍ علی الارائک متکؤن

وہ اور ان کی بیبیاں سایہ تلے بلند نشستگاہوں میں
ہونگے - اس جگہ میں بیہودہ اعتراض کو دور کر دیتا
ہوں - کہتے ہیں کہ ہم مسلمان عورت میں رُوح کا ہونا
تسلیم نہیں کرتے - ان نادانوں کو اتنی سمجھ نہیں کہ
بہشتی زندگی ایک رُوحانی زندگانی ہے - ایک ترقی یافتہ
رُوح ہی جنت میں داخل ہوگی - جب بروے تعلیم
قرآن عورتیں بھی بہشت میں جاوینگی تو عورتوں کا
رُوح ہونا مسلم ہو گیا - پھر قرآن کریم نے موقع بموقع
جہاں اخلاقی رُوحانی ترقیات کا ذکر کیا ہے - وہاں
مرد عورت کا یکساں ذکر ہے ازواج مطہرۃ یعنے
ہم اور ہماری بیبیاں ہر قسم کے جذبات سے پاک صاف
ہو کر خدا کے بہشت میں داخل ہونگے - جنتی درختوں
کے سایہ تلے ہم اور ہمارے ازواج ہونگے - ہماری

بیبیاں ہماری حوریں ہمارے غلمان ہاں ان کے علاوہ بھی جو خدا چاہے عطا کریگا۔ بعض کا خیال ہے جنتی زندگی از قسم جسمانیات ہوگی۔ یہ امر کونسا مشکل ہے جب جسمی چیزیں اور اکی چیزیں ہو جاتی ہیں۔ اور ان ہی سے امور روحانیات پیدا ہوتے ہیں۔ بعض فلسفیوں کے نزدیک اعصاب دماغی باریک ولطیف ہوتے ہوتے خیالات بن جاتے ہیں یعنی اگر جسم اور اکیات وروحانیات میں منتقل ہوسکتا ہے تو امور روحانی کا لباس جسمی اختیار کرلینا کونسی بڑی بات ہے ٭

بہر حال یہ امر ظاہر ہے کہ بہشت و دوزخ دونوں کا ذمہ وار قلب انسانی ہے مقام و حدود جنت کے متعلق کچھ کہنا بھی ضروری نہیں لیکن اگر کرۂ ارضی جیسی بڑی بھاری چیز اپنی کل قوتوں کو لئے ہوئے قلب انسانی کے کرّہ مخی میں منتقل ہوسکتی ہے۔ تو کیفیات قلب انسانی کا زمین و آسمان کو اپنے حدود میں لے آنا کونسی بڑی بات ہے۔ قرآن نے صحیح طور پر کہا ہے کہ جنت کے حدود زمین و آسمان تک پھیلے ہوئے ہیں بعض بیہودہ دشمنان اسلام نے

جنت قرآن پر نہایت غلیظ حرفگیری کی ہے۔ جس کا بہترین جواب حقارت آمیز خاموشی ہونی چاہیئے یہ پست فطرت لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ جب حیات بعد الموت میں نسل انسانی کی افزائش نہیں ہوتی یعنی کوئی اور مزید اولاد پیدا نہیں ہوتی۔ تو پھر مرد عورت میں جسمی تعلقات کے معنی کیا ہیں۔

اب یہ امر غور طلب ہے۔ کہ انسان کس طرح اس لازوال راحتی مقام تک پہنچے۔ اسلامی نکتۂ خیال سے میں اس سوال کا جواب دیتا ہوں۔ میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ کہ جب نفس انسانی میں زمین کی کل قوتیں جذبات و خواہشات کی شکل میں آ جمع ہوئے ہیں۔ انہیں نفرت و حقارت سے نہ دیکھنا چاہیئے۔ اسی سے علم و عمل پیدا ہوتے ہیں۔ یہی جذبات ہم میں بعض ضروریات اور خواہشات پیدا کر دیتے ہیں جن کے اسباب دفعیہ کی تلاش میں ہمارا علم بڑھ جاتا ہے۔ پھر دریافت اسباب پر ان کے حصول کی کوشش ہماری عملی قوتوں کو حرکت میں لاتی ہے۔ ان جذبات ارضیہ کو ہم دو موٹے عنوان کے نیچے لاتے ہیں۔ غصہ اور شہوات یعنے لوبھ اور کرودھ۔ ہر منتظم جسمانی وجود

میں ایک قوت مدبرہ کام کرتی ہے۔ وہ مفید چیزوں کو لے لیتی ہے۔ اور غیر مفید چیزوں سے پرہیز کرلیتی ہے جسم حیوانی میں یہ باتیں ان دو جذبات سے ہوتی ہیں۔ ان کے مشترک عمل سے ہم میں احساس ذاتی پیدا ہوتا ہے۔ جس کے ماتحت ہم بعض چیزوں کو اپنا اور بعض چیزوں کو دوسرے کی ملکیت قرار دیتے ہیں۔ یعنی ہم میں میرے اور تیرے کا احساس پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ جو کچھ اسباب تمدن وراحت ہم اپنے اردگرد دیکھتے ہیں۔ یہ سب چیزوں کو میرا بنانے کی خواہش نے پیدا کیا۔ یہ خواہش گویا خواہش زندگی اسی سے ہم میں خواہش ملکیت پیدا ہوجاتی ہے۔ کوئی شخص اس میرا اور تیرا کی خواہش پر لاکھ منہ چڑھائے۔ لیکن جب تک خواہش ملکیت انسانی عمل و حرکت کی موجب ہے۔ اس میرا اور تیرا کو ہم نہیں گنوا سکتے۔ بالشوزم بھی اس خواہش کو نہیں مار سکتا۔ یہ تو عطیہ فطرت ہے۔ اس کو صحیح طور پر استعمال کرنے سے امور عالیہ پیدا ہوتے ہیں۔ کم سن بچوں کو دیکھو۔ ان میں یہ جذبہ میرا اسقدر مضبوط ہوتا ہے ہیں۔ بچہ کسی چیز کو دیکھ لے اسے

اپنی ہی سمجھتا ہے۔ اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔ یہ بات مجھ سے سن رکھو کہ جس بچہ میں یہ جذبہ زبردست ظاہر ہو۔ اگر اُسے اچھی تربیت اور عمدہ مواقعے ملگئے تو وہ بچہ قوم کا سرکردہ ہوگا۔ الغرض یہ جذبہ میرا عطیہ ربی ہے۔ اور اسی کا ظہور نفس انسانی کی پہلی شکل میں ہُوا۔ اسی جذبہ کی تہذیب و تادیب کرنی ہے۔ انسانوں میں بعض افراد بالکل حیوان مزاج ہوتے ہیں۔ جس وقت ان میں کوئی خواہش پیدا ہو یا کوئی جذبہ بھڑک اٹھے تو رفع ضرورت کیلئے جو بھی پہلی چیز ان کے راستہ میں آجائے اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایک گائے بھوک کے وقت اسباب کو نہیں سوچتی۔ کہ جس گھاس کی طرف وہ دوڑ رہی ہے۔ اس کے کھانے کا حق اُسے حاصل ہے یا نہیں۔ اسے ہم مُدرکۂ حیوانی کہتے ہیں لیکن جس وقت انسان میں دوسرے کے حقوق کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ میری اور تیری میں تمیز کرنے لگجاتا ہے۔ اس وقت نفس انسانی میں جو احساس پیدا ہو جاتا ہے اُسے ہم مُدرکۂ شخصی کہتے ہیں۔ انسان مدنی بالطبع واقع ہُوا ہے

وہ ایک دوسرے کا محتاج ہے۔ اس سے سوسائٹی پیدا ہوتی ہے لیکن کوئی سوشل رشتے انسانوں میں قائم نہیں ہو سکتے جب تک میرے اور تیرے کی عزّت نہ کیجائے جس کا نام دنیا نے اخلاق رکھا ہوا ہے۔ اسکی پہلی منزل اس میرے اور تیرے کے لحاظ سے پیدا ہوتی ہے۔ انسانی سوسائٹی اس وقت عمدہ شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جب حقوق غیر کی عزّت ہونے لگتی ہے۔ اس عزت و لحاظ کے قائم رکھنے کے لئے کُل قوانین بنائے جاتے ہیں۔ جناب موسیٰؑ کو شریعت کے دس احکام اس خاطر دیئے گئے تھے۔ نفس انسانی کی بلوغت و ترقی کی یہ دوسری منزل ہے۔ اس وقت وہی جذبات ردّیہ اخلاق بن جاتے ہیں۔ جب ہم دوسرے کے مقبوضات و ملکیت کو دوسرے کا سمجھتے ہیں۔ الغرض اس میرے اور تیرے سے جو حقوق پیدا ہوتے ہیں۔ انہی کے لحاظ اور قیام کیلئے قوانین کی ضرورت ہوتی ہے جنہیں بعض وقت کوئی انسان یا چند انسان مثلاً بادشاہ وقت یا مجلس واضعان قوانین بناتے ہیں یا بعض وقت یہی قوانین بشکل شریعت مذہب لاتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے قوانین ناخدا الوقت کی عزّت کی

خواہ وہ انسان سے ہو یا خدا سے +
یہی احساس ذاتی یا مُدرکہ شخصی انسانی سوسائٹی میں بہت سی تکالیف کا موجب ہؤا اسی سے دغا فریب چوری - ڈکیتی - رہزنی پیدا ہوتی ہے - یہ تمام مذموم افعال ان ناجائز کوششوں کا نام ہیں - جنکے ذریعہ ہم دوسروں کی چیز کو بلا کسی استحقاق کے اپنا بنانا چاہتے ہیں - یہ عدالتوں کے مقدمات یہ باہمی تنازعات یہ لین دین کے جھگڑے سب میرے - تیرے کی شکلیں ہیں یعنی وہی میرا اور تیرا جو حسب تشریح بالا علم وعمل اور تدوین اخلاق کا موجب ہؤا وہی ان تمام مصائب کو انسانی سوسائٹی میں لے آتا ہے -
الغرض اس میرے اور تیرے کے امور کو سمجھنا اور ان کو صحیح مقام دینا ہر مذہب وسوسائٹی کا فرض اولین ہے - اسمعاملہ میں مشرقی اور مغربی مزاج بالکل مختلف واقع ہؤا ہے - ایک ہندو یا بدھ مذہب میرے کو تیرے پر قربان کرنے کے لئے آٹھوں پہر طیار رہیگا - لیکن ایک مغربی تیرے کی کم پروا کریگا - اگر میرا معرض نقصان میں ہے - ان دو متضاد مزاجوں نے دو طرح کے حالات - خیالات اعمال مختلفہ پیدا کرکے یورپ اور

ایشیا کی تاریخ کو اُلٹ دیا ✣

یہ دو قسم کے مزاج تاہم حسن و قبح سے خالی نہیں میرے کی قربانی دراصل قربانی نفس ہے۔اس سے نفس کشی با نے نفسی کے جوہر انسان میں پیدا ہو کر انسان کے اندرونی دوزخ کو بہشت بنا دیتے ہیں لیکن یہی تعلیم کہ سب تیرا ہے میرا کچھ نہیں بعض انسانوں کو سست غافل کاروبار سے لاپرواہ بنا دیتی ہے۔اس فلسفہ سے آہستہ آہستہ قوت عمل مر کر انسان کو حالت جمود تک لے آتی ہے تمدن انسانی نے اس سے بہت نقصان اُٹھایا۔بالمقابل مغربی طبیعت سے کُل قوی تحرک میں آجاتے ہیں۔قوت عمل تا بحد کمال کام کرنے لگتی ہے۔ہر ایک طرف انسان جوش خروش سے ہاتھ مارتا ہے لیکن یہاں اس کا یہ عملی فائدہ ہے۔وہاں اسی جذبۂ میرا نے دنیا کو سخت نقصان پہنچایا۔یہی نفسانیت اور خود غرضی کو بدترین شکل میں پیدا کر دیتی ہے۔یہی رُوح جرمن حکیم نیٹ شا کے ظالمانہ فلسفے کا باعث ہے۔جس نے موجودہ جنگ پیدا کیا۔الغرض دونوں مشرق اور مغرب کے میلان طبع نقص سے خالی نہ تھے۔اسلام نے آکر اِن دونوں

کی اصلاح کی۔ جس طرح مشرق اور مغرب کے عین درمیان ملک عرب میں اسلام پیدا ہوا اسی طرح اسلام نے اس میرے اور تیرے کے متضاد مقامات میں درمیانی مقام قائم کیا۔ اسلام کی تعلیم کے ماتحت انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر ایک صحیح کوشش اور جائز عمل سے چیزوں کو حاصل کرے اور انہیں اپنا بنائے اس طرح جب میرے کا مقام طے ہو گیا۔ تو پھر ان مکسوبہ چیزوں میں سے صرف اپنی ذاتی ضرورت کے لئے کچھ رکھ کر یعنی اس قدر کہ جس سے وہ زندہ رہکر کام کر سکے۔ باقی کل کے کُل میرے کو تیرا کردے یعنی اپنی چیزیں دوسروں کے فائدے میں خرچ کردے یہ امر کسی قانونی تحکم یا جبر کے ماتحت نہو جیسیکہ سوشل ازم تجویز کرتا ہے۔ بلکہ یہ سب باتیں اِس سے بشکل خیرات وحسنات سرزد ہوں۔ ایک ہندو یوگی یا بدھ مذہب کا بھکشو میرے کو نفرت سے دیکھے۔ وہ دنیا کو چھوڑ کر اپنے طمینان قلب کی تلاش کسی راہبانہ خانقاہ یا جنگل میں کرے۔ جہاں جاکر وہ جذبہ میرا کے تقاضوں سے بچ جائے۔ ان کے بالمقابل ایک مغربی محنت کرتا کرتا مر جائے۔ حتےّٰ کہ سب تیرے کو میرا کرلے لیکن مسلمان

کا منفام ان دونوں کے درمیان اُسے قرآن و رسُول نے بھی تعلیم دی ۔ کہ وہ منڈ یا نہ طریق پر کسب و حصُول اشیاء میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑے اور جب وہ اس طرح مالک ہو جائے ۔ تو پھر اپنی مکسُوبہ کو دوسروں کی نذر کر دے لیکن کسی جبر سے نہیں جیسے کہ بالشویک کر رہے ہیں بلکہ رضاء الٰہی کے حاصل کرنے کے لئے اور ابتغاءً لوجہ اللہ ۔

فلسفۂ نیٹ شا نے تو انسان اکبر کو اس وجُود میں دیکھنا چاہا جو اپنی منشاء اور خواہش کو پُورا کر کے رہے ۔ خواہ اس سے کسی کو نقصان پہنچے اس حکیم جرمنی کے نزدیک مرد وہی ہے کہ جو اسباب کی ذرا بھی پروانہ کرے ۔ کہ اس کے قول و فعل کا کیا نتیجہ ہو رہا ہے ۔ اگر وہ اپنی بات کر کے رہے لیکن کتاب حکیم نے جس انسان اعظم کو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شکل میں دیکھا اسکی زندگی کا دستور العمل ذیل کے مقدس الفاظ میں بیان کیا ۔ ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین ۔ یعنی میرا مرنا جینا ۔ میری نماز اور میری قربانیاں سب رب العالمین کے لئے ہیں ۔ یعنی اس اللہ کی منشاء کے پُورا کرنے کیلئے

ہے۔ جو ہر ایک چیز کا خالق اور پرورش کنندہ ہے +
یہ مقام تکمیل نفس انسانی کی تیسری منزل ہے
یہاں پہنچ کر انسان کی کل سعی و عمل خلق اللہ کے نفع
کے لئے ہوتا ہے۔ امور بالا پر غور کرنے سے ایک
شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ کہ اسلامی نکتہ خیال
میں نفسانیت یا جذبہ حیوانیت اخلاق اور روحانیات
سے کیا مُراد ہے۔ جذبہ میرا کے جو دلدادہ ہیں۔ وہ
مقام حیوانیت پر کھڑے ہیں جو میرے اور تیرے میں
لحاظ رکھتے ہیں۔ وہ اخلاق کے آستانہ پر چلے جاتے
ہیں لیکن جو میرے کو تیرے میں منتقل کرنا جانتے ہیں
وہ روحانیت میں قدم رکھتے ہیں۔ بالفاظ دیگر جو
اپنے نفس کی خاطر دوسروں کو نقصان دیتا ہے وہ
حیوان ہے۔ جو اپنے اور دوسروں کے حقوق کو یکساں
دیکھتا ہے وہ صاحب اخلاق ہے لیکن جو دوسروں
کے فائدہ کے لئے اپنی ذات کو نقصان پہنچانا جانتا
ہے وہ وارث رُوحانیت ہو سکتا ہے فلسفۂ مشرقی
اگر دنیا کو تیاگ تو مغربی فلسفہ دنیا کے پیچھے پڑنا سکھلاتا
ہے۔ دنیا میں رہ کر دنیا سے الگ ہو جانا تعلیم اسلام ہے
جس کی مرضی ہو یہ کر کے دیکھ لے۔ معراج روحانیت تک

پہنچنے کا یہی ایک راستہ ہے۔ آنحضرتؐ کی ذات پاک اس تعلیم کا عملی نمونہ ہے۔ اس مقام پر پہنچا ہُوا انسان یہاں ہی خدا کے بہشت میں جا داخل ہوتا ہے۔ اس روحانیت کے مالک انسان اپنے بیگانے میں تمیز نہیں کرتے۔ وہ مروت اور احسان میں کسی استحقاق یا حقوق کے پیچھے نہیں جاتے۔ خدا کی طرح وہ ایک دوسرے انسان میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اُن کی محنت کے ثمرات یکساں طور پر ہر ایک کو پہنچتے ہیں۔ وہ عبادُ الرحمٰن میں سے ہوتے ہیں کیونکہ فیض رحمانیت بھی بلا امتیاز سب کے لئے ہوتا ہے۔ یہاں ایک انسان متخلق باخلاق اللہ ہوتا جاتا ہے۔ اس پر خدا کا رنگ چڑھتا ہے۔ اس کیفیت کو قرآن نے

صبغۃ اللہ

سے تعبیر کیا ہے۔ تخلقوا باخلاق اللہ کی یہی تفسیر ہے۔ اس مقام رُوحانیت کو حاصل کر کے انسان ان کو زندہ کرتا ہے جو دوسروں کی نگاہ میں مُردہ ہوتا ہے۔ یہی لوگ اندھوں کو آنکھیں اور بہروں کو کان بخشتے ہیں۔ جسے اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کے کاروبار ہوتے ہیں۔ فطرت

کے اسرار ان پر کھلجاتے ہیں ۔جس کو وقتاً فوقتاً یہ بزرگ اپنے مقصد کے حصول میں استعمال کرتے ہیں ۔ ان کے فوق العادت کارنامے دیکھ کر معمولی عقل کا انسان حیرت میں چلا جاتا ہے ۔ اسکی عقل کچھ کام نہیں دیتی ۔ اور اسی عالم تحیّر میں پکار اُٹھتا ہے ۔ کہ یہ تو انسان نہیں یہ تو خدا ہے ۔ یہ بھگوان ہے ۔ یہ ابن اللہ ہے ۔ یہ وشنو کا اوتار ہے نہیں نہیں ۔ دوستو تمہیں یہ غلطی لگ گئی ۔ تم جسے خدا بنائے بیٹھے ہو وہ تو (بشر مثلکم) تم جیسا انسان تم جیسے قویٰ تم جیسی استعدادیں اور تمہاری طرح خاص حدود میں محدود ہوکر چلتا ہے ۔ فرق یہ ہے ۔ اسکی استعدادیں چمک اٹھی ہیں ۔ اس کے جوہر مخفیّہ روشن ہوگئے ہیں ۔ بالفاظ دیگر اس نے تکمیل نفس کرلیا ۔ یہ عظیم الشان لوگ خود آگ نہیں ہوتے ۔ بلکہ بقول کرشن لوہا ہیں جو آگ میں پڑکر آگ کی صفات حاصل کر لیتے ہیں ۔ تمہارے آگے بھی یہ راہ کھلی ہوئی ہے ۔ اسمیں شک نہیں اس کھیت کی کاشت اور کلبہ رانی بہت مشکل ہے لیکن فصل بھی بیش بہا ملتا ہے ۔ یہ انسانی اکتساب میں ہے ۔ اس کو ہماری اصطلاح میں ولایت کہتے

ہیں۔ اس کو نبوت سے تعلق نہیں۔ نبوت ان راہوں کو دنیا میں تعلیم دینے آئی ہے۔ جن پر چلکر یہ مقام کسی کو حاصل ہوتا ہے اولٰئک علیٰ ھدی من ربھم واولٰئک ھم المفلحون۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے ذریعہ وہ تمام کی تمام راہیں قرآن کی شکل میں تمہارے لئے آچکیں۔ اس لئے نبوت ختم ہوچکی۔ برادران اگر ان راہوں کو تم کہیں اور نہ حاصل کر سکو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ قرآن تمہارے سامنے موجود ہے۔ اس سے لیلو۔ وہ سب کیلئے کھلا پڑا ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔ والسلام علےٰ من اتبع الھدیٰ +

اس پر لیکچرار ایک لمبی اور زور شور کی تالیوں کی گونج میں بیٹھ گیا۔ اور ڈاکٹر راس پریذیڈنٹ نے ذیل کے الفاظ کہے :-

ہمنے نہایت مسرت کے ساتھ خواجہ کمال الدین صاحب کی باتوں کو سُنا۔ ایسے مواقعے بہت ہی نادر ہوتے ہیں جب خواجہ صاحب کی سی قابلیت فضیلت اور وسعت معلومات کے سے رطب اللسان اس فصاحت و بلاغت سے ہمیں اس ہال میں مخاطب کریں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ آپ سب نے اس لیکچر سے لطف اُٹھایا ہوگا۔ میں اپنی طرف سے یہ کہتا ہوں کہ میں بہت ہی اس لیکچر سے محظوظ ہُوا۔ اگرچہ میں یہ نہیں کہتا کہ میں مسٹر کمال الدین کی ہر ایک بات سے متفق ہوں

جو کچھ خواجہ صاحب نے مشرق اور مغرب کی طبیعت میں امتیازی نشان بتلایا ہے اس سے میں اختلاف رکھتا ہوں نفس پرستی اور نفس کی قربانی یہ دونوں باتیں دُنیا میں ہر جگہ یکساں نظر آتی ہیں۔ ہاں ان کے ماتحت مختلف باتیں مختلف جگہوں میں نمایاں ہوجاتی ہیں شاید اسی کی طرف خواجہ صاحب اشارہ کر رہے تھے ؛

اس کے علاوہ خواجہ صاحب کے لیکچر کا فلسفی حصہ بہت ہی دلچسپ تھا۔ اور اسمیں بھی جو مجھے بہت ہی دلچسپ معلوم ہوا۔ ان کے لیکچر میں اسلامی مسئلہ بلوغت وارتقاء (ایولیوشن) یعنے ادنٰے حالت سے اعلٰے حالت کی طرف ترقی کرنا اخلاقیات میں بہ تنازل بہت ہی مفید ہیں۔ اور اس کا نام موجودہ علم سیکالوجی نے رفعت رکھا۔ اس کے علاوہ مجھے لیکچر میں وہ حصہ بھی نہایت ہی دلچسپ نظر آیا جسمیں رُوح اور جسم کے تعلقات پر لیکچرار نے روشنی ڈالی۔ اور ان تعلقات کو شخصی۔ خاندانی اور سوسائٹی کے تعلقات میں دکھلایا موجودہ فلسفہ مغربی رُوح اور جسم کو دو الگ الگ چیزیں قرار دیتا ہے لیکن اخلاقیات کو سامنے رکھ کر اگر ہم اس نظریہ پر غور کریں۔ تو مجھے خواجہ صاحب کے کلام سے کُلّی اتفاق ہے۔ انھوں نے کس صفائی سے بیان کیا کہ کس طرح آہستہ آہستہ تمہاری دلچسپیاں کُنبہ کے دائرہ سے نکلکر باہر آجاتی ہیں۔ اور ترقی کرجاتی ہیں۔ اور میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ اصول اب ہر جگہ دائروسائر ہورہا ہے۔ آپس میں خط وکتابت رُسل رسائل میل جول کے ذریعہ بڑھتے جاتے ہیں۔ اور ہر ایک چیز عالمگیر ہوتی جاتی ہے۔ اور ہم ایکدوسرے کے

منشاء سے واقف ہوتے جاتے ہیں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ جس بات کو ہم بٹھانا چاہتے ہیں وہ شخصیت ہی ہوتی ہے ..... اخیر میں میں اس لیکچر کیلئے خواجہ صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس مشن میں خواجہ صاحب مصروف ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ زیور علم سے آراستہ دنیا کے آگے صحیح اسلامی نکتہ خیال پیش کیا جائے۔ اور ہر ایک شخص کو اس تحریک کو خوشی کے ساتھ دیکھنا چاہیئے۔ جس کا مقصد ناواقفوں کے دل سے غلطیوں کو دور کرنا ہے +

# اِسلام اور مفہوم اِسلام

ذیل کا لیکچر حضرت خواجہ صاحب نے بصدارت ڈاکٹر وانسٹڈ ڈائرکٹر آف ایجوکیشن سنگاپور بمقام ٹاؤن ہال سنگاپور دیا۔ جہاں سامعین کی تعداد ہزار در ہزار تھی۔ اس لیکچر کا خاص حصہ یورپین کمیونٹی تھی۔ در اصل جن کی درخواست پر یہ لیکچر دیا گیا + مترجم

ایک سرسری نگاہ سے بھی اگر آپ صحیفہ قدرت کا مطالعہ کریں۔ تو ہر ایک چیز ہمارے اردگرد شاہراہ ترقی پر گام زن نظر آتی ہے۔ ہر ایک چیز میں قوتیں اور استعدادیں چھپی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جن کے اظہار اور نمو کے لئے یہ چیزیں وقت اور حالات کی منتظر رہتی ہیں۔ ہر ایک چیز کا قدم آگے ہی نظر آتا ہے۔ اور یہ سب کچھ ایک مقررہ قانون کی اطاعت ہو رہا ہے۔ گویا ہر ایک چیز کیلئے ایک مقررہ کمال ہے۔ جس کے حصول کے لئے اُسے ایک مقررہ راہ پر چلنا اور یہ راہ دستِ قدرت نے

اسکے لئے پہلے ہی سے مقرر کر رکھا ہے۔ یہ چیزیں
بلا تامل ان مقرر کردہ قوانین اور راہوں پر چل رہی
ہیں۔ اور اس طرح حقیقی نشوونما پا رہی ہیں ان
بڑے بڑے مظاہر قدرت کو بھی دیکھئے۔ جن سے
زمین و آسمان آراستہ ہیں۔ ان کی زندگی ان کا
گھٹنا بڑھنا۔ ان کا ایکدوسرے کو فائدہ پہنچنا
یہ سب کا سب کارخانہ قوانین کی زنجیروں میں جکڑا
ہوا ہے۔ گویا خدا کی طرف سے بنائے قوانین
صحیفۂ قدرت کی ہر ایک چیز کیلئے مقرر ہیں۔ جن
پر چلنے کے لئے وہ مجبور ہے۔ ان قوانین الٰہیہ کی
اطاعت کو عربی زبان میں اسلام کہتے ہیں۔ ان مذکورہ بالا
حقائق کو کیسے لطیف پیرایہ میں خدا کی کتاب ذیل
کے الفاظ میں بیان کرتی ہے:-

افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السموات
والارض طوعًا وکرھًا والیہ یرجعون ۔ ان الدین عند اللہ
الاسلام

**ترجمہ۔** خدا کے دین کے سوائے کیا یہ لوگ کوئی اور
دین تلاش کر سکتے ہیں (کیوں اپنے ارد گرد نہیں
دیکھتے) ہر ایک چیز زمینی و آسمانی طوعًا و کرہًا خدا

کی اطاعت میں ہے - اور اسی طرف اس کا رُخ ہے - خدا نزدیک جو دین ہے وہ اسلام ہے - یعنے اسکے قوانین پر چلنا +

اِن مقدّس الفاظ میں قرآن مذہب کائنات کی تعریف کرتا ہے جسکا ذرہ ذرہ مذہب **اطاعت قوانین** یعنے اسلام پر چل رہا ہے - آخر انسان ہے کیا؟ اِنہی ذرّات کا ایک مجموعہ ہے وہ ان ذرّات کی ترکیب کا ایک بہترین ماحصل ہے - اور کائنات کا ایک افضلتر نمونہ ہے - وہ اس مذہب سے کب خالی رہ سکتا ہے - اس مذہب سے الگ ہونا گویا اپنی فطرت سے الگ ہوتا ہے - وہ ان چیزوں کے میلان سے جن سے اسکے جسم نے ترقی پائی ہے کب الگ ہو سکتا ہے - نیچر کا ذرّہ ذرّہ اس کے جسم میں آ جمع ہُوا ہے - ہر ذرّہ کا مذہب اسلام یعنے اطاعت قوانین ہے - تو مجموعہ ذرّات یعنے انسان کس طرح اِس مذہب سے جُدا ہو سکتا ہے انسان کو عالم صغیر کہا گیا - اس کے اجزائے بدن کو چھوڑ جو اس کے اعضاء و جوارح ہیں - ان کے ساتھ بھی ایک نہ ایک قانون لگا ہُوا ہے - جنکی اطاعت پر

ان جوارح کی ہستی اور ان کا ایکدوسرے کے مفید ہونا منحصر ہے۔ انسان کی اپنی فطرت بھی مقررہ قوانین کی اطاعت پر مجبور ہے۔ مذہب حقہ انسان کے لئے وہی ہے۔ جو اس کی فطرت کے مطابق ہے۔ اسکی فطرت کی اطاعت ہی در اصل اس کا مذہب ہو سکتا ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآن اشارہ فرماتا ہے۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذٰلك دین القیم۔ ترجمہ۔ دین قیم وہ فطرت ہے جس پر خدا تعالےٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ ان جامع الفاظ میں قرآن کریم انسان کو اس کا مذہب دیتا ہے۔ اسلام یعنے ان قوانین آلہیہ کی پیروی جن سے ہماری فطرت کے جوہر ظاہر ہوں ؛

## مقصد مذہب

اِس تعریف کے بعد مضمون زیر بحث کا ایک پہلو ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ یعنی مقصد مذہب۔ قرآن کریم ذیل کے الفاظ میں اِس مقصد کو بیان کرتا ہے۔ اولٰئك علی ھدًی من ربھم واولٰئك ھم المفلحون ترجمہ (خدا کی طرف سے مذہب آکر

ایک راہِ ھُدیٰ پیش کرتا ہے۔ جس پر چل کر انسان فلاح پالیتا ہے۔ لفظ فلاح کے معنے جہاں کامیابی ہیں۔ وہاں اس کے ابتدائی معنے کسی مخفی چیز کا ظاہر ہو جانا ہے حقیقت کامیابی بھی یہی ہے۔ یعنی جس قدر کسی میں استعداد ہو۔ وہ علےٰ وجہ الکمال ظاہر ہو۔ ایک عظیم الشان شاہ بلوط جیسا درخت بڑ یا آم جیسے درخت کا بیج جو ایک چھوٹی سی چیز ہوتی ہے۔ ان سب کی ابتدا اور ایسے ہی ہر پھل پھول والے درخت کی ابتدا تخم سے ہوتی ہے۔ جو دیکھنے کو تو ایک مختصر سی چیز ہے لیکن اسمیں درخت کا تنا درخت کی شاخیں۔ پتے۔ پھول۔ پھل سب کچھ ہی موجود ہوتا ہے۔ جسمیں مقررہ قوانین کی اطاعت (یعنے اسلام) کرنے سے سب کچھ اپنے وقت پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہ ایک درخت کیحالت ہے۔ اس کے مقابل انسان تو ایک عالم۔ ایک کائنات کا مجموعہ ہزار در ہزار اور لاکھ در لاکھ قوتیں اور استعدادیں اسمیں مخفی ہیں کیسے کیسے جوہر اور کمالات اسکی فطرت میں مضمر ہیں اگر ایک چھوٹا سا قطرہ خون (علقہ) اپنے مناسب

محل و موقعہ پر قرار پاکر جسمانیات میں ایک خوبصورت انسان بن سکتا ہے۔ تو اخلاقیات اور رُوحانیات میں کیسے کیسے خوبصورت جواہر اس قطرۂ خون سے نکل سکتے ہیں۔ لیکن اگر نطفہ مقررہ راہوں پر چلنے سے ہی انسان بنتا ہے۔ تو پھر اخلاقی اور رُوحانی لطائف کا ظاہر ہونا بھی قوانین کو ہی چاہتا ہے۔ ان قوانین کا دینا مذہب حقہ کا کام ہے۔ خدا کی طرف سے مذہب ہمیں وہ راہیں سکھلانے آتا ہے۔ کہ جن پر چلکر یہ انمول جواہر جو فطرت میں مرکوز و مضمر ہیں۔ وہ اپنے وقت میں آہستہ آہستہ ظہور تام حاصل کریں*

## مقام مذہب

اگر مذہب کی حقیقت یہ ہے۔ تو پھر لازماً سوال یہ ہوگا کہ یہ مذہب کس سرزمین میں نازل ہونا چاہئے۔ اور کس انسان کو اور کس قوم کو ملنا چاہئے۔ سوال تو بہت آسان تھا لیکن اس کے جواب میں ہر ایک قوم نے غلطی کھائی۔ اور کسی مذہب کے پیرو نے اس سوال کا صحیح جواب نہ دیا۔ اگر مذہب انسان کی رفعت کے لئے خدا کی طرف سے آتا ہے۔ تو پھر انسان کو ہی ملنا چاہئے۔ خواہ وہ کسی قوم کا

ہو یا کسی سرزمین میں آباد ہو۔ جہاں تک جسمانیات کا اور جسمی پرورش کا سوال ہے۔ پروردگارِ عالم نے کسی قوم یا ملک کو اپنے فیوض سے محروم نہیں رکھا۔ جو کچھ بھی ہماری پرورش کیلئے ضروری تھا۔ اس سے تو کسی کو بھی محروم نہیں رکھا گیا۔ ربوبیت عامہ میں تو خدا تعالٰے نے کسی جانبداری یا طرفداری کو نہیں برتا۔ سورج۔ چاند۔ ستارے۔ بادل۔ پانی۔ زمین و دیگر کل مظاہرِ قدرت جو جو بھی پرورش کے لئے ضروری تھے۔ انکی تقسیم میں یدِ قدرت نے نہ کسی انسان میں نہ قوم میں تمیز یا امتیاز روا رکھا۔ تو روحانیات میں وہ کس طرح کسی امتیاز کو روا رکھ سکتا ہے۔ امر حقہ یہی ہے۔ کہ جہاں کہیں بھی انسان تھا۔ خدا کا مذہب اسے وہاں پہنچا منطق تو صاف تھی۔ یہ قضایا انہی نتائج کو چاہتے تھے لیکن ظہور اسلام سے پہلے کسی کو یہ سیدھی بات سمجھ نہ آئی۔ یوں تو ہر قوم نے اپنے مذہب کو خدا کی طرف سے ہی سمجھا۔ لیکن اس عطیہ ربانی کا مورد صرف اپنے آپ کو ہی سمجھا۔ کسی دوسری قوم

کے مذہب کو ہر گز ہرگز خدا کی طرف سے نہ جاننا اسی سے تنگدلی۔ نفرت۔ تعصب پیدا ہو گیا۔ جس نے آدم کے بچوں کو ایکدوسرے سے جُدا کر دیا۔ اور نوع انسان کا وہ ڈھانچ جس پر خدا تعالیٰ کسی مجازاً ربوبیت عامہ کے ماتحت انسانی اخوت عامہ قائم ہوئی تھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ یہ تنافر اور تعصب کے حالات چلتے ہی رہتے حتٰے کہ قرآن کریم نے نازل ہو کر ان تنگدلیوں کا ایک فقرہ میں خاتمہ کر دیا۔ جب قرآن کریم نے باآواز بلند الحمد للہ رب العلمین کہکر مذہب حقہ کو شروع کیا۔ اس فقرہ سے یہ انکشاف ہوا کہ خدا کسی خاص قوم یا گروہ یا جماعت کا خالق و رازق نہیں۔ وہ یکساں طور پر ہر ایک قوم کا پیدا کرنیوالا اور پالنے والا ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کے اظہار کے لئے اُس ایک فقرہ پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اس حقیقت کو مختلف پیرایوں میں ظاہر کیا۔ لیکن ولکل قوم ھاد (ہر ایک قوم کو ہادی دیا گیا۔ لیکن ولکل امۃٍ رسول (ہر ایک امت کو ایک رسول دیا گیا۔

وان من امۃ الاخلا فیھا نذیر کہ کر یہ بشارت عامہ کا اعلان کیا۔ کہ دنیا میں کوئی بھی قوم نہیں جہاں ہماری طرف سے نذیر نہیں آیا۔ اس طرح خدا کے آخری کلام نے یہ اعلان کر دیا۔ کہ جو کوئی مذہب بھی دنیا کے کسی حصہ میں دائرو سائر ہے۔ وہ اپنی اصلی شکل وصورت میں خدا کی طرف سے ہی ہے۔ جس خدا کو قرآن نے پیش کیا۔ وہ کسی قوم یا گروہ کا خدا نہیں۔ اس کا نام خدائے ابراہیم یا خدائے اسرائیل نہیں اس کا نام رب العالمین ہے۔ اس لئے ایک مسلمان اس عقیدہ رکھنے کا متکلف ہے۔ کہ وہ ہر ایک ملک وقوم کے ہادی مذہب کو خواہ وہ چین میں ہو یا ایران میں ہند میں ہو یا امریکہ میں فلسطین میں یا یورپ میں پیدا ہوا ہو۔ خدا کا مرسل مانے۔ میں یہ اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ خود قرآن نے بھی ذیل کے الفاظ میں یہ تعلیم دی ہے +

قولوا امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسمعیل واسحق ویعقوب

والاسباط و ما اوتی موسی و عیسی وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم و نحن لہ مسلمون ۔ **ترجمہ** (مسلمانو) تم سے لوگ پوچھتے ہیں ۔ کہ تم کیا مانتے ہو (انہیں) کہہ دو ۔ کہ ہم تو جو ہمارے نبی پر نازل ہؤا اس پر ایمان رکھتے ہیں ۔ اور جو جناب ابراہیمؑ ۔ اسمعیلؑ ۔ اسحٰقؑ و یعقوبؑ اور ان کی آل پر نازل ہؤا اور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں ۔ جو کچھ جناب موسیٰ و عیسیٰ کو دیا گیا ۔ اسے بھی مانتے ہیں (بلکہ دنیا جہان کے کسی نبی پر جو منجانب اللہ نازل ہوا ہو ہم مانتے ہیں) ہم ایک نبی یا دوسرے نبی میں فرق کرنا جانتے ہی نہیں (کیونکہ) ہم تو خدا کے ماننے والے ہیں ہم پیغمبروں کے پرستار نہیں ۔ ہم پیغمبروں کے آگے ۔ اسلئے سر جھکاتے ہیں ۔ کہ وہ خدا کیطرف سے پیغام لائے ۔ جناب خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماقبل جس وقت اور جب کبھی ہم پر ثابت ہو جائے ۔ کہ فلاں شخص فلاں قوم کا منجانب اللہ ہادی تھا ۔ تو وہ ہم مسلموں کا ویسا ہی ہادی ہے اور اسے جو صحیفہ خدا کی طرف سے عطا ہؤا ۔ اگر وہ

تحریف سے پاک ہمیں ملجائے تو ہمارے لئے تو صحیفۂ آسمانی ہے +

## قرآن کا عالمگیر مشن

اس وسعت قلبی کے ساتھ جو ایک مسلمان کو ہر نبی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو تیار کرتی ہے پھر ہم مسلمان کیوں قرآن کو ہی اپنی ہدایت سمجھے ہوئے ہیں۔ اور ہر ایک دوسری کتب مقدسہ پر اسے ترجیح دینے کو تیار ہیں۔ بظاہر یہ ہمارا طریق جمع ضدین کرتا ہوا نظر آئیگا لیکن حقیقت امر کچھ اور ہے۔ قرآن کریم نے خود ہی اسکی وجہ بتائی ہے۔ جس صورت میں قرآن کریم سے پہلے ہر ایک قوم اپنے ہاتھ میں کتاب الٰہی رکھتی تھی۔ تو پھر قرآن کیوں نازل ہوا۔ اور اس نے کل دنیا کو اپنی اطاعت کیلئے کیوں بلایا۔ ما ننسخ من ایۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا

ترجمہ۔ جب ایک چیز اپنی اصلی غرض و غایت دینے کے قابل نہیں رہتی۔ یا مٹ جاتی ہے۔ تو ہم اسکی جگہ ویسی ہی یا اس سے بہتر چیز پیدا کر دیتے ہیں۔ اس آیت میں قرآن کریم صحیفۂ قدرت

کی چیز کی طرف ہمیں متوجہ کرتا ہے۔ خدا کی ہر ایک بنائی ہوئی چیز کسی غرض و غایت کے لئے بنی ہوئی ہے۔ یا وہ مٹ جاتی ہے۔ یا وہ کسی نقص کے پیدا ہونے پر اپنا مقصد ادا نہیں کرتی۔ اس لئے اسی وقت اس کے قائممقام ایک اور چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ اصول کائنات کی ہر ایک چیز پر حاوی ہے۔ بارش ہماری زندگی کے لئے آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ جونہی پہلی بارش کا پانی ختم ہو جائے۔ یا ارضی مواد کے مل جانے سے جوہر حیات کو گنوا دے۔ تو ابرِ رحمت اور بارش لے آتا ہے۔ قرآن کریم سے پہلے بہت سی کتابیں نازل ہوئیں۔ ان میں سے بہت سی صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔ جو باقی رہ گئیں وہ انسانی دستبرد سے نہ بچ سکیں۔ محرف و مبدّل ہو گئیں۔ قرآن کریم نے مختلف پیرایوں میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا۔ بعض کتب مقدسہ کا نام لیکر بتایا۔ کہ وہ محرّف و مبدل ہو گئی ہیں۔ لیکن مذہبی دنیا اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے تیرہ سو برس چاہتی تھی۔ ابھی پچاس برس ہوئے۔ کہ پادریوں

کی نگاہ میں قرآن کریم کا یہ اعلان کہ انجیل بھی دستبرد انسانی سے نہیں بچی صداقت سے خالی نظر آتا تھا۔ لیکن آج تحقیق و تدقیق نے آخر کار مان لیا۔ کہ تورات و انجیل محرف ہو چکی ہیں اور قرآن کریم کے علاوہ سوائے ایک آدھ کتاب باقی کل کی کل کتب مقدسہ اس وقت اپنی شکل و صورت میں نہیں۔ اور جس ایک آدھ کتاب کو اس کے ماننے والے تحریف سے پاک سمجھتے ہیں۔ وہ ناقابل فہم سمجھی جاتی ہے۔ اور اس طرح اپنے مقصد کے اداکرنے میں قاصر ہو چکی ہے بہرحال علماء یہودی اور نصرانی نے انجیل و تورات کے متعلق قرآن کے فتوے کو تسلیم کر لیا۔ اب اگر یہ صورت ہے تو خدا کا وہ قانون کہ جب کسی چیز کی کمی ہوتی ہے۔ اس کا قائمقام آجاتا ہے ضرور عمل میں آجائیگا۔ بات تو صاف ہے۔ لیکن تعصب و جہالت انسان کی عقل پر پٹی باندھ دیتی ہے۔ اور وہ صحیح نتیجہ پر نہیں آسکتا ایک گلاس کے پانی میں اگر کسی کا ہاتھ یا انگلی پڑ جائے۔ تو ہم اس گلاس کے پینے میں متامل

ہو جاتے ہیں۔ ہم اُسے پینے کے قابل ہی نہیں سمجھتے
لیکن کیا عجیب تماشا ہے۔ کہ وہ جام عرفان یعنی خدا
کی طرف سے کتابیں جو ہمارے لئے آبحیات لایا تھا۔
لیکن اِس جام عرفان میں بیسیوں ہاتھوں اور
سینکڑوں اُنگلیوں کا پڑنا تو ہم تسلیم کرتے ہیں
لیکن اسے ہم مُنہ لگائے ہوئے ہیں۔ اور اُسے
غٹا غٹ پیئے جا رہے ہیں۔ اگر مذہب الہاماً
اِنسان کو ملا۔ تو پھر اس کی خوبصورتیوں سے ہم کیسے
آشنا ہو سکتے ہیں۔ جب الہامی الفاظ ہی ہم تک
نہ پہنچیں۔ اور اس کے مقاصد مختلف ہو گئے۔
اگر خدا انسان سے کسی وقت اسلئے بولا۔ کہ اسکی
مرضی انسان پر ظاہر ہو۔ اور اس کی کتابیں اسکی
منشا و مرضی کو انسان پر ظاہر کر دیں۔ تو پھر کسطرح
وہ خاموش رہ سکتا ہے۔ جب اسکی مرضی و منشاء
کا ذریعہ اظہار انسانی ہاتھ سے مختل ہو کر اس کی
حقیقی مرضی کو مخدوش کر دے۔ اگر یہ وہی خدا ہے
جو پہلے تھا۔ اور انسانی معاملات میں اسے ویسی دلچسپی
ہے جیسے پہلے تھی۔ تو پھر اس کی قدیمی کتابوں
کے بدلجانے پر جب مقصد نزول الہام ضائع

ہو رہا ہے۔ تو پھر وہ کیوں نئی کتابیں نہ بھیجے قرآن کریم نے اس سیدھی سادی منطق کے ذریعہ دنیا کے آگے کتب قدیمہ کی موجودگی میں اپنی ضرورت کو پیش کر کے اپنے عالمگیر مشن کو ظاہر کرنا چاہا ہے +

## الہامی کتاب میں کس قسم کی تعلیم ہونی چاہیئے

اگر مقصد مذہب یا الہام جیسا کہ اُوپر بیان ہوا ہے یہ ہے کہ انسان کے مخفی قویٰ ظہور تام پائیں۔ تو پھر ایک کامل مشہورہ منجانب اللہ کتاب اسی وقت ہو سکتی ہے جب ذیل کے امور پر وہ روشنی ڈالے:۔

(اول) انسانی استعدادیں۔

(دوم) ان استعدادوں کی تکمیل اور نشو و نما پاتے کا طریق۔

(سوم) اس مقصد کے پورا کرنے کیلئے انسان اور خدا کے مابین تعلقات۔

(چہارم) انسان اور دیگر مخلوق میں کیا تعلق اور رشتہ ہے۔

(پنجم) باہمی تعلقات انسانی۔

(ششم) ان تعلقات کے قیام کے قواعد۔
(ہفتم) زندگی بعد الموت۔
میں دیگر کتب اور مذاہب کے متعلق کچھ کہنا ضروری نہیں سمجھتا۔ دوسرے مذہب اور ملت والے خود غور کر لیں۔ کہ ان سات امور پر ان کا مذہب اور کتاب کیا روشنی ڈالتی ہے۔ البتہ اسلام اور قرآن کے متعلق میں یہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ قرآن نے علے الخصوص ان سات باتوں کو واضح طور سے بیان کر دیا ہے۔ نہ صرف ان سات امور پر قرآن نے کافی روشنی ڈالی ہے۔ بلکہ خدا کی آخری کتاب نے ان راہوں سے بھی ہمیں اطلاع دی ہے۔ جو ان امور کے حاصل کرنے میں ہمیں امداد دیں میرے نزدیک مذہب مذہب کہلانے کا حق ہی نہیں رکھتا اگر امور بالا کے متعلق اسکی تعلیمات انسان کو کافی ہدایت نہ دے سکیں۔ جن پر چلکر جو جو بیش بہا جواہر خدا تعالیٰ نے ہماری فطرت میں رکھے ہیں۔ وہ ظاہر ہوں۔ اور اِس طرح مذہب کا مقصد جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے پورا ہو جائے۔ اب میں ان ساتوں امور کو با ترتیب لیتا ہوں:

# انسانی استعداد

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنٰہ اسفل سافلین۔ ترجمہ۔ ہمنے انسان کو اعلےٰ سے اعلےٰ استعدادوں کے ساتھ پیدا کیا۔ ہاں اسمیں ادنےٰ سے ادنےٰ مقام کی طرف جانے کا میلان بھی رکھا ہے +

کائنات کی ہر ایک چیز انسان کے جسم میں موجود ہے۔ اس لئے اگر وہ اعلےٰ سے اعلےٰ مقام تک پرواز کرنا چاہتا ہے۔ تو پھر ارذل سے ارذل چیزوں کی طرف جانے کا بھی میلان رکھتا ہے کیونکہ بہتر سے بہتر اور ادنےٰ سے ادنےٰ چیزوں کے قائمقام اس کے اندر موجود ہیں۔ اسمیں اور کائنات کی دوسری چیزوں میں فرق یہ ہے کہ ان کی ترقی کا میدان تو محدود ہے لیکن اسکی ترقی کی کوئی انتہا نہیں۔ کمال انسانی کی حدود اور ان کی تعریف بھی ایک مسئلہ لاینحل دنیا کے سامنے رہا ہے۔ مختلف اطراف وجوانب سے اس امر پر مختلف آرا اور خیالات کا اظہار ہوا ہے جس سے مذہب۔ تمدن۔ اخلاق اور مختلف نظرے

اور آراقائم ہوچکی ہیں - انہی اختلاف آرائے نے
انسان کی زندگی کے ہر مختلف مقامات پر مختلف تاثرات
ڈالے ہیں - نہ اس وقت میرے پاس وقت نہ یہ موقعہ
ہے - کہ میں اس مسئلہ پر ایک بسیط گفتگو کردں - صرف
اسی قدر کہہ دینا کافی ہوگا - کہ اسلام سے پہلے ہر مذہب و
فلسفہ نے انسان پر بہت ہی ظلم کیا - فطرت انسانی
کے متعلق نہایت ادنےٰ رائے قائم کیگئی - انسان کو سفلی
جذبات اور ادنےٰ خواہشات کا مظہر سمجھا گیا - نفس یا
جسم انسانی کو اسکی ترقیات کا روک سمجھا گیا - بعض نے
تو انسان کو یہانتک ذلیل ظاہر کیا - کہ اسکی فطرت ہی
گناہ سے خالی نہیں - وہ کسی حال میں گناہ اور اسکی
تاثیر سے بچ سکتا ہی نہیں - جب تک کہ وہ کسی مفروضہ
اعتقاد و واقعہ پر ایمان نہ لائے - اسکی فطرت تو اسکے
لئے ابدی جہنم تیار کرچکی تھی - مگر خدا کے فضل اور حکمت
نے اسکی نجات کا خاص رستہ نکال لیا - اور وہ یہ ہے کہ
فلاں فلاں عقیدہ رکھ لے - خدا اسے بخشد یگا - بدھ کے

---

لے فاضل لیکچرار یہاں عیسائی مذہب کیطرف اشارہ کر رہا ہے جسکی تعلیم یہ ہے کہ انسان کی فطرت
میں گناہ ہے اور انسان کسی خیر کے قابل نہیں وہ اس نسبت فطرتی سے اسی وقت نجات
پاتا ہے - جب مسیح کے کفارہ پر ایمان لائے +
مترجم

متعلق یہ مشہور ہے۔ کہ انہوں نے انسان کو آنکی ہستی کے بھی قابل نہ سمجھا۔ انہوں نے انسان کیلئے مصیبت تکلیف اور ہر قسم کے آزار کو ہی مقدر فرمایا۔ جن سے نجات انہوں نے اسمیں ہی دیکھی۔ کہ انسان اپنے آپ کو ہلاک ہی کر دے۔ جسے اس مذہب کی اصطلاح میں

نروان

کہتے ہیں۔ ہندو فلسفے میں انسان کی ہر قسم کی جسمانیات کو اسکی روحانی ترقی کا سدّ راہ سمجھا۔ قدیم ایرانیوں نے انسان کو خالقان یزدان و اہرمن (خالق خیر و شر) کے ہاتھ میں ایک حقیر و نے حیثیت کٹھ پُتلی سمجھا۔ پُرانے یونانی جو دیوی دیوتاؤں کے قائل تھے۔ وہاں انسان حسد و انتقام کی دیوی کا ہدف قرار دیا گیا۔ یہ مختلف خیالات جو مختلف مذہب والوں نے قرار دیئے۔ ان تمام کفّاروں اور قُربانیوں کے ذمّہ وار ٹھیرے جو مختلف مذاہب میں دائر و سائر ہیں۔ انہی خیالات نے جانکاہ نفس کُشی۔ اور نا قابل برداشت ریاضتیں پیدا کر دیں سمجھا یہی گیا۔ کہ مشت اُستخوان انسان اگر ان مصائب اور ذلتوں سے بچ سکتا ہے۔ تو اِنہی قربانیوں کفّاروں اور ریاضتوں سے بچ سکتا ہے۔ انہی خیالات نے شفاعت

اور سفارش کا غلط مسئلہ اور مفہوم دنیا میں پھیلا دیا۔ اسکے بالمقابل فلسفہ جدید نے بالکل اسکے الٹ رائے قائم کی۔ ریشنلزم سے پیدا ہوکر انسان کو اس ذلیل مقام سے جدا کیا۔ جو مذہب اور فلسفہ قدیم نے اُسے دے رکھا تھا۔ فلسفہ جدید نے انسان کو ہر ترقی کے قابل قرار دیا۔ بلکہ انسانی ترقیات کی کوئی حد ہی نہ رکھی۔

فطرت انسانی کے مطالعہ کرنے کے بعد یہ صاف نظر آتا ہے۔ کہ یہ دونوں قدیم اور جدید رائیں کسی نہ کسی صداقت سے خالی نہیں۔ مگر اسلام نے اصل حقیقت حال کا انکشاف کیا۔ جس پر آیت مذکورہ بالا شاہد ہے۔ قرآن نے یہ قرار دیا۔ کہ انسان شکم مادر سے ایک پاک اور صحیح فطرت لیکر نکلا ہے جسمیں گناہ کا کوئی شائبہ نہیں خدا نے اسے اس قابل کیا ہے۔ کہ وہ قوانین کی عزت کرے۔ اور اس پر چل سکے۔ اور اِس طرح گناہ سے بچ سکے ازروئے تعلیم قرآن ایک بچہ اگر پیدا ہوتے ہی مرجائے تو سیدھا جنت میں چلا جاتا ہے۔ اس عقیدہ کے خلاف ایسے مذاہب بھی دنیا میں ہیں۔ جن کی رائے میں ایسے بچے سیدھے دوزخ میں جاتے ہیں۔ اگر اپنے مرنے سے پہلے کسی مقدس ہاتھ سے کسی خاص مذہبی رسم

اسکے ماتحت نہ آجائیں ۔ خدا کی رحمت وصلوٰۃ اس نبی مکرم صلعم پر جس کا نام محمد مصطفےٰ و احمد مجتبیٰ ہے آپ نے کسقدر نسل انسانی پر رحم فرمایا ۔ اور ہماری فطرت کیلئے کس قدر بلند مقام تجویز کیا ۔ آپ فرماتے ہیں ۔ کہ ہر ایک بچہ پاک فطرت لیکر دنیا میں آتا ہے ۔ وہ ترقی کے فلک الافلاک تک پہنچ سکتا ہے ۔ جنت اور ترقیات اس کے پیدائشی حقوق ہیں ۔ نہ اسلئے کہ وہ مسلمان کا بلکہ اسلئے کہ وہ انسان کا بچہ ہے البتہ اسکی فطرت میں اوٹنے اور ارذل مقام کی طرف جانے کا میلان بھی ہے ۔ لہٰذا ہر سلیم فطرت کے سامنے یہ سوال پیدا ہوگا ۔ کہ انسان کس طرح اپنے پیدائشی حق کو حاصل کرسکے ۔ اور کن راہوں سے اس لاحقہ ذلت سے نجات پالے ۔ اس کا جواب اسی سورہ شریف میں جس کی آیت کا اوپر ذکر آیا ہے ۔ اس آیت کے آگے ذکر کردیا ہے ۔ الذین امنوا وعملوا الصلحت فلھم اجر غیر ممنون (ترجمہ) جو لوگ الہام کردہ صداقتوں پر

لہ یہاں بھی عقیدہ عیسویت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کلیسیا کے عقیدہ کے مطابق انسان گنہگار پیدا ہوتا ہے جس سے بپتسمہ اسکو نجات دیتا ہے لیکن جو بچہ بپتسمہ پانے سے پہلے ہی مرجاتا ہے تو لازماً اسکی گنہگار فطرت اسے دوزخ میں لیجاویگی ۔ مترجم

ایمان لاکر ان پر عامل ہو جائیں۔ انکے سامنے لاانتہا ترقیوں کا میدان ہے۔ اور ان کی محنتوں کے اجر کا کوئی خاتمہ ہی نہیں۔ الغرض اگر انسان کی یہ استعدادیں اور یہ اسکی کمزوریاں ہیں۔ تو ان دونو باتوں کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کر لینا کونسا مشکل امر ہے۔ کہ اس کے لئے کس قسم کا مذہب ہونا چاہیئے تعلیم مذہب کچھ ایسی ہونی چاہیئے۔ جس پر چلکر ہمارے قوائے مخفیہ مثمر ہو جائیں ہماری استعدادونکی تکمیل ہو جائے۔ ہم کسی مصیبت میں نہیں پڑے ہوئے۔ نہ کسی قعر مذلت میں لٹکے ہوئے ہیں۔ کہ کوئی شخص ہمیں ہاتھ میں ہاتھ دیکر چاہ مذلت سے نکالے۔ نہ ہم پیدا ہوتے ہی جہنم میں داخل ہونے کے قائل ہیں۔ آخر ہمنے کیا کیا۔ اور کونسا جرم پیدا ہونے سے پہلے کر دیا کہ جس کی پاداش میں ہمارے لئے دوزخ تیار ہو گیا۔ اور یہ کونسا انصاف ہے۔ کہ زید گناہ کرے۔ اور بکر پکڑا جائے۔ نہ ہماری فطرت اور نہ ہمارے جامہ فطرت پر کوئی بدنما داغ ہے۔ نہ کسی کے خون کے ذریعہ ان دھبوں کے دھلنے کی ضرورت ہے۔ فی الجملہ گناہ ورثہ میں نہیں آیا۔ گناہ تو ایک امر اکتسابی ہے

وہ ہمارے اختیار میں ہے کہ ہم اس کسب بد سے بچیں۔ اسلئے قرآن نے لفظ سالویشن (گناہ سے نجات) بطور غرض مذہب بیان نہیں کیا۔ دراصل اس قسم کی ضرورت کو تسلیم کرنا کہ انسان پیدائشاً پاداش گناہ سے نجات پانے کا محتاج ہے۔ فطرت انسانی پر ایک سخت حملہ کرنا ہے۔ اس قسم کی نجات کی احتیاج کو تسلیم کر لینا گویا اپنی حیثیت کو آپ گھٹانا ہے۔ اور من وجہ مان لینا ہے۔ کہ ہم پیدائشاً بدمعاش اور بدکردار ہیں۔ جو لوگ اس پیدائشی اور فطرتی گناہ کے قائل ہیں۔ وہ اس نظریہ کے نتائج پر بھی غور کریں۔ کہ وہ اپنے لئے کیا حیثیت تجویز کرتے ہیں انہیں سمجھ لینا چاہئے۔ کہ اگر وہ اس فطرت کے ساتھ پیدا ہونا قبول کرتے ہیں۔ تو پھر وہ پیدائشاً فاسق فاجر۔ چور۔ ڈکیت۔ زانی اور ہر قسم کے مجرم پیدا ہوتے ہیں۔ حالانکہ حقیقتاً وہ ایسے نہیں۔ وہ ہر قسم کی شرافت کی استعداد رکھتے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ یہ رذیلہ اخلاق ہم میں آ جاتے ہیں لیکن یہ باتیں تو ہماری پیدا کردہ ہیں۔ نہ یہ کہ ہماری فطرت میں موجود ہیں۔ اگر گناہ لازمۂ فطرت ہے تو پھر یہ عطیۂ ربی

ہے۔ قرآن نے اسی لئے ایسے بیہودہ اور بےمعنی الفاظ مثلاً نجات۔ رستگاری بچنا غرض مذہب نہیں بتلائی قرآن نے لفظ فلاح مقصد مذہب بیان۔ فلاح کے معنے رفعت۔ کامیابی۔ بالقوہ چیز کا بالفعل ہوجانا۔ قوائے مخفیہ کا ظہور تامہ حاصل کرنا۔ کسی کا معراج ترقی کو پہنچ جانا ہے۔ الغرض جو کچھ بھی خیر و انسان میں استعداد رکھی گئی ہے۔ اس کا کمال حقیقی حاصل کرلینا عربی زبان میں فلاح کہلاتا ہے۔ اس مقام پر پہنچانے کے لئے از رُو ئے تعلیم قرآن الہام آیا۔ جیسا کہ فرمایا۔ اولٰئک علیٰ ھدیً من ربھم و اولٰئک ھم المفلحون۔ اور اسی فلاح کا اصطلاحی نام جنّت ہے۔ جنّت کے بھی لفظی معنے یہی ہیں۔ یعنی چھپی ہوئی چیزوں کا ظاہر ہوجانا۔ جو گوش ہوش اور دانشمند دل رکھتا ہے وہ اس حقیقت پر غور کرے۔ جو میں جنّت سے متعلق ایک لفظ میں کہہ گیا ہوں +

## انسانی استعدادوں کے ظہور کا طریق

جو کچھ میں نے اُوپر بیان کیا ہے۔ اُس سے یہ آسانی سے

سمجھ آسکتا ہے۔ کہ کس طرح یہ استعدادیں منثمر ہو سکتی ہیں۔
ان استعدادوں کا صحیح علم ان کے خالق کے سواء
کس کو ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں رب العالمین کی
طرف ہدایت کیلئے دیکھنا ہو گا۔ وہی ہمیں ان
راہوں سے اطلاع دے سکتا ہے۔ جن پر چلکر
ہم تکمیل نفس کر سکتے ہیں۔ اور یہ ہمارا حق ہے۔
کہ رب العالمین کی طرف ان راہوں کے لئے
دیکھیں۔ چنانچہ خدائے اسلام نے ہمارے اس
حق کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم بیان کرتا ہے۔
کہ صحیح راستہ دکھانا (وعلی اللہ قصد السبیل...
اجمعین۔ سورۂ نحل) اگر خدا تعالےٰ نے ہمیں ایسی
فطرت عطا کی ہے۔ کہ جو بیشمار نے بہا مخفی
جوہروں سے معمور ہے۔ تو کیا یہ جوہر اس طرح تکمیل
کو پہنچ سکتے ہیں۔ کہ ہم یہ عقیدہ رکھیں یا وہ
عقیدہ رکھیں +

بالفرض مجھے سر درد ہے۔ تو کیا اگر کوئی طبیب
اس کے علاج میں اپنا سر کٹوائے۔ اور مجھے یہ کہے
کہ جو میرے سر کے کٹ جانے پر ایمان رکھیگا۔ اسکی
درد سر دور ہو جاویگی۔ تو کیا مجھے یا کسی اور کے درد سر

کو آرام ہو جائیگا۔ حقیقی علاج یہی ہے۔ کہ وہ کوئی نسخہ بتائے۔ میں اس پر عمل کروں۔ اُسے استعمال کروں۔ اور یقیناً مجھے شفا ہوگی۔ کہ نسخہ صحیح ہے لیکن حکیم کے سر کٹوانے سے تو مجھے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ مذہب کا تو فرض یہ ہے۔ کہ ہمیں کچھ عملی سبق سکھائے۔ کوئی قواعد بتلائے کوئی طریق عمل ہمارے سامنے پیش کرے جس پر چلکر ہماری طاقتیں ظہور پذیر ہوں۔ کہ بھی مفروضہ باتوں پر عقیدہ رکھنے سے جو ہر فطرت کھل سکتے ہیں۔ اسلام کا مقصد بھی یہی ہے۔ کہ وہ صحیح راہ بتلائے۔ یہی مذہب ہر سابق نبی کا تھا۔ مسیح بھی اسی مذہب کو لے کر آیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا۔ کہ میں شریعت کو توڑنے نہیں آیا۔ بلکہ شریعت پر عامل ہونے اور عمل کرانے کے لئے آیا ہوں۔ زمین اور آسمان ٹل جائیں۔ لیکن شریعت کا ایک شوشہ بھی ٹل نہیں سکتا۔ یاد رکھو کہ خدا کی بادشاہت میں وہی بڑا ہوگا۔ جو شریعت ربانی پر چلتا اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے اور وہاں وہی ادنےٰ ہوگا۔ جو نہ شریعت پر عمل

کرتا ہے۔ اور نہ دوسروں کو شریعت کی ہدایت کرتا ہے معلم عیسویت نے اپنے خطبہ کوہ ہی میں یہ باتیں بیان کیں۔ یہ تو اسلام ہے۔ اور اسکے ہوتے ہوئے مجھے سمجھ نہیں آئی۔ کہ اس مذہب کو جو آج کلیسیا مغرب مسیح کے نام کی طرف منسوب کر رہا ہے۔ ان سے کیا تعلق ہے۔ جس کی بنیاد پولوس نے ڈالی۔ تمام کامیابی اور فلاحوں کی کلید یہی ہے۔ کہ ہمارا خالق فطرت ہمیں کوئی راہ بتلائے۔ اور ہم پورے انقیاد کے ساتھ اس پر چلیں۔ یاد رکھو۔ کہ اسلام میں تمجید و تسبیح کا بھی مطلب یہی ہے۔ خدائے اسلام نہ ہماری نمازوں کا محتاج نہ ہماری عبادات کی احتیاج رکھتا ہے۔ ان باتوں کے بالمقابل وہ اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔ کہ جو جوہر اس نے ہماری فطرت میں رکھے ہیں۔ وہ مثمر ہو جائیں۔ زبان پر حمد اور ہاتھ میں تسبیح کوئی چنداں وقعت خدا کی نگاہ نہیں رکھتی۔ اگر انکا عملی نتیجہ کچھ نہ ہو۔ اسلئے حقیقی حمد و ثنا اور اس کا شکر یہی ہے۔ کہ جو طاقتیں اس نے ہمیں عطا فرمائی

ہیں - ان کا صحیح طور پر استعمال ہو - میں نے ابھی بحوالہ قرآن بیان کیا ہے - کہ انسان میں اعلیٰ سے اعلیٰ اور اس کے مقابل ارذل سے ارذل مقام پر پہنچنے کی طاقت ہے - امر اول کا حصول اور امر دوم سے بچاؤ صرف شریعت کی ہی کامل اطاعت سے ہو سکتا ہے - البتہ اسباب کی ہمیں ضرورت ہے - کہ ہم میں اس اطاعت کی روح پیدا ہو - ہم ایک مشین کے پرزوں کی طرح ہیں - اور بلا تکلف اور ساعی خدا کے قانون پر چلنے کے عادی ہوں - فطرت کو اس صحیح راہ پر لانے کے لئے چند تمہیدی مشقوں کی ضرورت ہو جانی چاہیئے - چنانچہ اسی مقصد کے حصول کے لئے چند عبادات ہر ایک مذہب نے مقرر کی ہیں - اسلامی نماز روزہ وغیرہ کا بھی یہی مقصد ہے - جیسا کہ قرآن نے ایک مقام پر مقصد نماز یہیں فرمایا - کونو لِلّٰہِ قانتین یعنے تم خدا کے کامل فرمانبردار بن جاؤ - مقصد یہ ہے - کہ ہماری فطرت کچھ ایسی صحیح ہو جائے - کہ جسکے ذریعہ سے ہم بدیوں سے طبعاً بچیں - اور نیکیوں کی طرف فطرتاً جھک جائیں - اس امر کے حاصل کرنے

کا طریق یہ ہے - کہ وہ چیزیں جو ہم محنت اور مشقت سے
اور جائز طریق سے حاصل کریں - اور وہ ہماری ملکیت
ہو جائیں - ان کو خدا کے لئے چھوڑ دینے کی
عادت ڈالیں - یعنی جس صورت میں ہم اپنی مکسوبہ
جائداد کو خدا کی رضا مندی میں خوشی کے ساتھ
چھوڑ دینے کیلئے تیار ہیں - گویہ کیسے ہوسکتا ہے
کہ ہم اسے ناراض کر کے کسی چیز کو حاصل کریں مثلاً
کسی ناجائز طریق پر کسی دوسرے کی چیز کو لے لینا ایک
قسم کی بدی ہے - اور اسمیں خدا تعالےٰ کی نارضامندی
متصور ہے - لیکن جو انسان بطیب خاطر خدا کی رضامندی
میں مثلاً ایک سو روپیہ آسانی سے فی سبیل اللہ
دے سکتا ہے - وہ کس طرح ایک سو روپیہ کو حاصل
کرنے کی طرف مائل ہوسکتا ہے - اس امر کی تنقیح و
توضیح کے لئے میں چند خواہشات نفس کا ذکر کرتا
ہوں - مثلاً ہمیں بھوک - پیاس اور قوائے
شہوانی لگے ہوئے ہیں - ان تقاضوں کے دفعیہ
میں اگر ہم دوسروں کی چیزیں استعمال کریں تو وہ
گناہ اور جرم ہو جاتا ہے - لیکن اگر صحیح طور پر ان
خواہشوں کو پورا کریں - تو وہ جائز اور حلال ہیں -

مگر جو انسان جائز طریق پر اسباب رفع تقاضائے مندرجہ بالا حاصل کرکے پھر ان اسباب سے متمتع نہیں ہوتا۔ اور اپنے نفس کو مار ڈالتا ہے۔ اور اس طرح اطاعت نفس میں ارتکاب بدی کرتا ہے۔ مثلاً یہی سبق ہمیں رمضان میں بھی ملتا ہے۔ ہم روزے کے وقت ہر قسم کے جائز اکل و شرب کو بھی حرام کر لیتے ہیں۔ ہم مباشرت کے تعلق سے بھی الگ ہو جاتے ہیں۔ یہی تین ضرورتیں یعنی اکل و شرب و مباشرت قسما قسم کے جرائم کے ذمہ وار ہیں۔ جو انسان رمضان شریف میں ان تین امور کے متعلق ان تین امور کو سلجھا لیتا ہے۔ ان امور میں وہ گناہ کی طرف جا سکتا ہے۔ اصلاح نفس کے لئے جو عملی مشقیں اسلام نے ہمارے لئے تجویز کی ہیں اور انہیں کا نام ارکان اسلام ہے۔ یعنی کلمۂ طیبہ نماز۔ حج۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ اگر ہم دنیا کے تمام جرائم پر نگاہ ڈالیں اور ان صغیرہ و کبیرہ گناہوں کو دیکھ جائیں جنہیں خلقت پھنسی ہوئی ہے تو ہم پر آسانی سے یہ امر منکشف ہو جائیگا کہ یہ سب

سب جرائم اور گناہ ان چیزوں کے ناجائز طریق پر حاصل کرنے یا ان کو ناجائز طریق پر قبضہ میں لانے یا ان سے ناجائز طریق پر حاصل کر کے خدا کی رضا مندی میں ان پانچ ارکان اسلام کو ادا کرتے ہوئے خوشی سے اپنے سے جدا کر دیتے ہیں۔ اگر ادائیگی ارکان اسلام میں ہم اس امر کے عادی ہو جائیں۔ تو پھر ہم کس طرح دوسروں کی مقبوضہ اور مکسوبہ چیزوں کی طرف نگاہ بھی اٹھا سکتے ہیں۔ مثلاً سب جرائم سے بڑھ کر جرم اور نقصانوں سے بڑھ کر نقصان ان انسانوں سے سرزد ہوتا ہے۔ جو اپنے خیالات اور اپنی آرا سے اس قدر وابستہ ہوتے ہیں۔ کہ ان کو کسی حالت میں چھوڑ ہی نہیں سکتے۔ کلمۂ طیبہ کے دہرانے میں ہم اگر لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں۔ تو اس کا بڑا مقصد یہ ہے۔ کہ ہم اپنے آرا۔ خیالات اور محاکموں کو خدا کے فیصلہ اور خدا کے حکم کے ماتحت چھوڑ دیں۔ یہی مطلب لا الہ الا اللہ کا ہے۔ پھر اگر ایک انسان کے سامنے خدا کی منشا کسی الہامی کتاب میں موجود ہو۔ اور اس کتاب پر اسکا ایمان

ہو۔ تو وہ ہر ایسی خود آرائی کو جو تعلیم الہام کے خلاف ہو چھوڑ دیگا۔ اور اگر وہ نہیں چھوڑ سکتا۔ تو پھر لا الٰہ الا اللہ کا قائل نہیں۔ وہ اپنی رائے اور خیال کو خدا بناتا ہے۔ یہی مقصد کلمۂ طیبہ کا ہے۔ وقت کی قدر کرنا جہاں کُل اقتصادیات کا موجب ہے۔ وہاں صحیح ضرورت قومی کے لئے وقت نہ دینا بھی صدہا نقصانوں کا موجب ہوا ہے۔ وقت کی قربانی کا سبق ہمیں نماز سکھلاتی ہے۔ ہم کسی ضروری سے ضروری اور نازک سے نازک کام میں مصروف ہوں۔ اذان نماز ہمیں اس کام کے چھوڑنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہ ایک سبق ہے۔ کہ ہم خدا کی راہ میں جس سے مراد قومی اور ملی راہیں ہوتی ہیں۔ اپنے وقت کو دے سکیں دن میں پانچ وقت یہی سبق ہمیں ملتا ہے۔ کھانے پینے اور مباشرت کی خواہش نے دنیا کے تین چوتھائی جرائم پیدا کئے لیکن روزہ رکھ کر جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا۔ ہم نے سیکھ لیا ہے۔ کہ جب ہم خدا کی خوشی میں جائز راہوں کو چھوڑ سکتے ہیں۔ تو ناجائز راہوں میں پڑ کر اسے

ناراض نہیں کر سکتے۔ اسی طرح روپیہ پیسے کی ناجائز
محبت بھی مختلف جرائم کی ذمہ وار ہے۔ لیکن
خیرات اور زکوٰۃ کے حکموں پر پابند ہو کر جب ہم نے
جائز کمائی کو اپنے ہاتھ سے دیدیا۔ تو ہم کسی کے ناجائز
روپیہ پر کیوں ہاتھ ماریں۔ انسان کی ایک اور
ناجائز محبت نے دنیا میں نہایت ہی خطرناک جرائم
کرائے ہیں۔ حُبِّ وطن ایک اچھی چیز ہے۔ بلکہ
ایک قول کے مطابق ایمانیات میں سے ہے۔
لیکن اسی حُبِّ وطن کے ناجائز طریق نے دنیا
میں کشت و خون کرائے ہیں۔ قومیں قوموں پر چڑھیں
خلق خدا کی خون کی ندیاں بہیں۔ اور یہ سب
کچھ اسی جذبۂ وطن کا نتیجہ ہے۔ جب یہ خدا
کے حکم کے خلاف ظہور میں آیا۔ اس بدی سے
بچنے کا اور اس جذبہ کو صحیح طور پر استعمال کرنے کا
صرف ایک ہی طریق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر
ہم ایک طرف وطن سے وابستہ ہوں۔ تو دوسری
طرف ہم رضامندئ الٰہی میں وطن پر لات مارنے
کے لئے بھی تیار رہیں۔ ہم اپنے وطن کی ضروریات
کے پورا کرنے میں ہم کس طرح ناجائز کسی ملک اور قوم

پر تیغ زنی کر سکتے ہیں - جب ہمارا خدا اس قسم
کی خونریزی کو حرام ٹھیرا تا ہے - الغرض ہمیں اس
مشق کے کرنے کی بھی ضرورت ہے - اگر خدا کی
منشاء ہمارا ترک وطن چاہتی ہو تو ہم کر سکیں - حج
سے بہتر یہ سبق ہمیں اور کہاں ملسکتا ہے - جب
ہم خدا کے لئے اپنا وطن اپنے دوست اپنے یار
اپنے عزیز - اہل و عیال چھوڑ دیں - جب اسی
سرزمین عرب میں داخل ہوں - تو اس نشان
نشانِ عزت و امتیاز کو جس کا نام لباس ہے اپنے
سے جدا کر دیں - خدا کی راہ میں احرام باندھ لیں
اور کوئی پیسہ ٹکہ اپنے پاس نہ رکھیں - اسوقت
ہماری کیا حالت ہوتی ہے - ہم اپنے محبوب کے
دروازے پر کھڑے ہیں - دنیا کی محبوب سے
محبوب ترین چیز بھی ہمارے پاس نہیں - روپیہ
پیسہ - جائداد - اولاد - بی بی - وطن - لباس
الغرض وہ سب کی سب باتیں جن کا ناجائز حصول
کل جرائم کا ذمہ وار ہے ہم سے جدا ہو چکی ہیں - یا
بالفاظ دیگر ہم نے خود ان سے انقطاع کر لیا
ہے - ایک جان کو لے کر خدا کے دوارے گھوم

رہے ہیں - اسی کا نام طوافِ کعبہ - گویا وہ
جان. جو ہمارے پاس باقی رہگئی ہے - اسکو خدا کی
راہ میں قربان کرنے کیلئے ہم اسکے گھر پر پہنچگئے
ہیں - کیونکہ دنیا کی زبان حال میں کسی کے گرد
گھومنا اِس پر نثار ہونا ہے - اسکے بعد عرفات
میں داخل ہوکر ہم ننگی زمین پر سر بسجود ہوجاتے
ہیں - اور اِس طرح اس جسم کو جو کمخواب اور سنجاب
پر استراحت کرتا ہے - اور ہر قسم کے ملبوسات سے
آراستہ رہتا ہے خاک میں ملا دیتے ہیں - گویا خاک
ہی ہم تھے اور خاک میں مل گئے - پھر اسکے بعد ہم
کسی مویشی یا جانور کی قربانی کرتے ہیں - ہم میں
اور جانور میں حصہ بہمیت مشترک ہے یعنی روح
کے سوا. جو کچھ بھی ہم میں ہے - وہ سارے کا سارا
جانوروں میں ہوتا ہے - ہم جانور اگر ذبح کرکے
یہ ظاہر کرتے ہیں - کہ ہمارے اندر جو حصہ بہمیت
ہے - آج اس پر ہم نے چھری پھیردی - جو کچھ
ہم نے کمایا تھا - اس سے ہم احرام باندھ کر جدا ہوگئے
اور جو ہماری فطرت میں تھا - اس پر ہم نے چھری پھیردی
خانہ کعبہ کے گرد چکر لگاتے ہی ہم نے نثار ہونے کی

تیاری کی۔ عرفات میں سجدہ کر کے ہم نے اپنے آپ کو خاک میں ملا دیا۔ اور جانور کی گردن پر چھری پھیر کر ہم نے اپنی بہیمیت پر چھری پھیر دی۔ الغرض اگر تکمیل نفس کی راہ میں آخری منزل سلوک یہ ہونی چاہیئے۔ کہ ہم ہر قسم کی محبوبات سے خدا کے لئے جدا ہو جائیں۔ تو یہ آخری منزل حج بھی پوری ہو جاتی ہے۔ اسلئے آنحضرت صلعم نے حج کو سلوک کی آخری منزل فرمایا۔ اگر تکمیل نفس سے مراد نفس کی وہ کیفیت ہے۔ جہاں یہ تمام قسم قسم کی تحریصات تحریکات بد سے کلیتہً آزاد ہو کر گناہ سے کامل رستگاری حاصل کر لیتا ہے تو پھر یاد رکھو کہ یہ کیفیت روحانی اسی انسان کو حاصل ہو سکتی ہے جو ان چیزوں سے منہ موڑنا جانتا ہو۔ جو دنیا میں موجب گناہ ہو جاتی ہیں تمہیں اداگی۔ ارکان اسلام میں جب ان چیزوں سے منہ موڑنا عملاً سکھلایا جاتا ہے۔ جن پر ہمارا حق جائز ہے۔ تو پھر ہم کیوں دوسرے کی مقبوضات سے بلا تکلف منہ نہ موڑیں۔ کلمہ طیبہ سے چلکر حج کے خاتمہ تک ہم نے ایک ایک کر کے جن کو ہم شرعاً بھی رکھ سکتے تھے۔ ہم نے آہستہ آہستہ ترک کیا۔ اپنی چیزوں

کی محبت ہمیں خوار کرتی تھی۔ اس آخری منزل سلوک سے ہمنے تمام اپنی محبوبات سے گناہ کرلیا یہ سب چیزیں ہمارے نفس کے حصتہ بہیمیّت نے ہماری نگاہ میں عزیز کردی تھیں۔ حج کی شام کو ہم نے ان سب کو چھوڑ دیا۔ اور اس طرح بہیمیّت کے گلے پر چھری پھیردی۔ خوب غور کرلو کہ ہم ہیں اور ایک چار پائے ہیں جو مشترک بات ہے۔ وہ وہی بہیمیت ہے۔ اگر عرفات یعنی میدان حج میں پہنچ کر ہم نے اور اگا بہیمیّت کو ذبح کیا۔ تو اس سے دوسرے دن منٰا میں آکر ہم نے بہائم میں سے ایک جانور کو لے کر اس کی گردن پر چھری پھیری ہے۔ یہ نشان اسبات کا ہے۔ کہ حج کے بعد ہم اپنی بہیمیت کو ختم کرنے بیٹھے۔ میرے سامعین آج جو مسلمان ہیں وہ یاد رکھیں۔ کہ اگر قربانی یا صدقہ کے رنگ میں کسی جانور کے گلے پر چھری پھیرکر انہوں نے یہ نہیں سمجھا۔ کہ وہ دراصل اپنے نفس کی بہیمیت کو چھری پھیر رہے ہیں۔ تو پھر ان کا یہ فعل ایک بُت کا چڑھاوا ہے۔ کسی دیوی کی بھینٹ

ہے۔ اور اس میں حقیقتِ قربانی نہیں ٭

# اِنسان اور خدا کا رشتہ

خدا اور اس کی صفات کے علم نے اِنسانی اخلاق اور اس کی سیرت پر بڑا گہرا اثر ڈالا ہے درصل جو کچھ بھی ہم خدا کے متعلق جانتے ہیں۔ وہ صرف چند صفات ہیں جو کسی مذہب نے خدا تعالےٰ کے متعلق ہمیں سکھائیں۔ اسلام سے پہلے بعض مذاہبوں نے جو صفاتِ الٰہیّہ کا نقشہ اِنسان کے سامنے کھینچا وہ ایسا تھا۔ کہ اس سے اِنسان کے دل میں خدا کی محبّت پیدا ہو سکے۔ اسے ایک نہایت سنگدل ظالم سمجھا گیا۔ جو حکم عدولی پر رحم کرنا نہ جانتا تھا۔ اس کا رحم بلا بدل نہوتا تھا۔ اس کی خوشی اسی میں تھی۔ کہ لوگ اپنے گناہوں کے عوض قربانی کریں۔ جانور مذبحوں پر ذبح ہو کر آگ میں ڈالے جائیں اسکی آنکھوں کے لئے خوشگوار منظر تھا۔ ان قربانیوں کا دھواں اسکی مشام کو معطّر کرنیوالا۔ قربانگاہوں پر انسانی خون اس کے دل کا سرور۔ اور ہماری

طرح طرح کی ریاضتیں اور مشقتیں اسکی خوشنودی مزاج کا ذریعہ - وہ اپنے قوانین کی اس سختی سے پابندی چاہتا تھا - کہ ایک ادنےٰ سی غلطی پر اس کا غصہ بھڑک اٹھتا تھا - جس کا ظہور وہ مروّج طرح کی مصائب اور بلائیں تھیں جو دنیا میں نازل ہونی شروع ہو جاتی تھیں - الغرض یہی نقشہ خدا تعالےٰ کا جناب مسیح سے بھی پہلے کم و بیش ہر مذہب میں دائر و سائر تھا - جب وہ تشریف لائے تو انہوں نے انسان کو اس غلطی سے نکالنا چاہا " اے ہمارے باپ جو آسمان پر ہے! انہوں نے خدا کو ان الفاظ سے پکار کر یہ سکھلایا - کہ خدا تعالےٰ اور انسان کے درمیان حاکم و محکوم کا رشتہ نہیں - بلکہ باپ اور بیٹے کا رشتہ ہے جب اپنے باپ یعنے خداوند کا ذکر وہ کرتا تو ہمیشہ محبت اور پیار سے - اور وہ باپ اس کا کوئی خاص باپ تو تھا نہیں - ازروئے تعلیم مسیح جس طرح اللہ تعالےٰ ان کا مجازی باپ تھا - ویسے وہ ہر ایک کا مجازی باپ ہے - لیکن جناب مسیح کے رخصت ہوتے ہوئے وہ محبت اور پیار کا رشتہ جو باپ اور بیٹے

میں ہوتا ہے۔ اور جو جناب مسیح نے خدا اور اسکی مخلوق میں قائم کرنا چاہا وہ مٹا دیا گیا۔ انسانی پست فطرتی پھر کام کرنے لگی وہی پرانی باطل پرستی کہ خدا کا غصہ جب کسی کے ادنے سے ادنے گناہ پر بھڑک اٹھتا ہے۔ تو بلا عوضہ لئے فرو ہونے میں نہیں آتا۔ سینٹ پال کے ذریعہ پھر مذہب میں آ داخل ہوئی۔ اس قسم کی باتیں روما اور یونان میں پہلے ہی موجود تھیں۔ انکے کافرانہ مزاج کے مطابق حال بنانے کیلئے پولوس نے خون مسیح کا فسانہ تراشا۔ خدا باپ تو مانا گیا لیکن باپ بھی وہی بیرحم باپ جو بچوں پر بھی مہربانی کرنی نہیں جانتا۔ اس باپ کے سبھی سب بچے گنہگار تھے کب بخش سکتا تھا۔ ایک منجھلا بیٹا آ گیا۔ اس نے سب کی جگہ اپنا خون بہا دیا۔ الغرض اس قسم کی کفریات اور مذاہب میں بھی موجود تھیں۔ جبکہ دو جہان کی رحمت نے نزول فرمایا۔ اور اس نے سید العرب والعجم کی شکل اختیار کی۔ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ آ گئے۔ اور اس خدا کا پتہ لائے۔ جو رب العلمین رحمان و رحیم۔ اور مالک یوم الدین ہے۔ اور اسطرح ان کفریات کا قلع قمع کیا۔ جس نے ہر مذہب میں قریب قریب خدا کا نقشہ اس قسم کا کھینچ رکھا تھا کہ

جو نہ صرف مزیل شان خدا بن جائے۔ بلکہ اس دل کی پست فطرتی اور کمینہ مزاجی کا پتہ چلتا تھا۔ کہ جن کے دماغ سے اس قسم کی صفات ربی تجویز ہوئیں۔ پیش ازیں کہ میں ان صفات پر کچھ کہوں اپنے مقصد کے اظہار کے لئے یہ مجھے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ میں پھر آپ کو انسانی قوی اور استعداد اور مقصد مذہب کی طرف متوجہ کردوں۔ انسان دنیا میں ایک پاک۔ کامل۔ معصوم اور بیشمار قوتوں سے معمور فطرت لے کر آیا۔ ان قوی کی آبیاری کو سامنے رکھ کر قرآن نے جس صفت ربی کا ذکر کیا۔ وہ رب العلمین ہے۔ لفظ رب اپنے معنوں میں لفظ اب (باپ) سے زیادہ وسیع ہے۔ دنیا میں وہ بھی تو باپ ہیں جو کسی کے وجود کا باعث ہو کر یہ بھی نہیں جانتے کہ انکی پیٹھ سے نکلا ہوا بچہ کہاں ہے اور کس جگہ۔ وہ بھی آخر باپ ہی کہلاتا ہے۔ بعض جانتے بھی پرورش کے تعہد سے بےفکر رہتے ہیں۔ الغرض لفظ باپ جو جناب مسیح نے تجویز کیا ظہور رحم خداوندی

کے لئے وہ اچھا لفظ نہیں تھا۔ عربی زبان میں رب کے چار معنے واقع ہوئے ہیں پیدا کرنیوالا۔ پیدا کر کے پرورش کا سامان کرنیوالا اپنی مخلوق میں ایک طرف اعلےٰ درجہ کی استعدادیں رکھنے والا اور دوسری طرف ان استعدادوں کو نشو ونما دینے کے اسباب کو مہیا کرنیوالا بالفاظ دیگر کسی چیز کو ارتقائی منازل سے گذار کر اسکی منزل تکمیل تک پہنچانیوالا۔ اور پھر ایک منزل میں جو اسباب ضروریہ ہیں اُن کو مہیا کرنیوالا۔ یہ سارے کے سارے مفہوم ایک لفظ ربّ میں آجاتے ہیں لیکن اس منزل تکمیل تک پہنچنے کے لئے انسان کی ربوبیت کے لئے صدہا ایسی چیزوں کی ضرورت ہے۔ جو پیدائش انسان سے پہلے ہی دنیا میں موجود ہونی چاہئیے۔ روشنی۔ ہوا۔ پانی۔ آفتاب۔ چاند وغیرہ بے اندازہ ایسی چیزیں ہیں جو انسان کے پیدا ہونے سے پہلے اگر کائنات میں موجود نہ ہوں تو انسان ایک منٹ کیلئے بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ انسان کی خاطر ان سب چیزوں کو پہلے

سے ہی پیدا کر رکھنا جس رحم و محبت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کو عربی زبان میں رحمانیت کہتے ہیں۔ پھر جب خود انسان دنیا میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اپنے جوہر کے ظہور کیلئے رحمانیت کی بنائی ہوئی چیزوں سے فائدہ مضمرہ اُٹھاتا ہے۔ تو پھر اس عمل کو مثمر کرنا بھی رحم خداوندی پر ہی منحصر ہے۔ جو اس کے فعل کے دس بدلے دے۔ جو کشتِ عمل میں ایک دانہ کا عوض ہزارہا دانے دے۔ یہ بھی ایک رحم کو چاہتا تھا۔ اس قسم کے رحم کو عربی زبان میں رحیمیت کہتے ہیں۔ رحمانیت کے متعلق ایک امر اور بھی غور طلب ہے جب رحمانیت کا فضل انسانی پیدائش سے پہلے ظہور پذیر ہوا۔ تو لامحالہ وہ کسی عمل انسانی کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ وہ کسی نیکی کی پاداش میں عطا ہوا۔ پھر وہ خداوند جو اس قسم کے لکھوکھا افضال کی بارش بلا بدل و بلا عوض رات دن بھیج رہا ہے۔ وہ کسی ہماری غلطی یا گناہ کو بلا عوض لئے فضل کی نگاہ سے نہ دیکھ سکے۔ تم رحمان کے فضل پر غور کرو۔ جو بلا بدل ہے۔ اور

یہ تمام فسانے اور کہانیاں جنہوں نے مختلف مذاہب
میں کفارے قربانیاں نذر بھینٹ کی شکل اختیار
کر رکھی ہے خاک میں رل جاتی ہیں ۔ اس فضل رحمانی
کے ماتحت بیشمار خدا کی نعمتیں ہمارے چاروں
طرف نظر آ رہی ہیں ۔ زمین و آسمان اور جو کچھ
ان میں ہے ۔ وہ اسی فضل کا ظہور ہے ۔ اس
فضل کے عطیہ میں کسی ذات صفات قوم کا
لحاظ نہیں ۔ یہ فضل سب کے لئے یکساں ہے
ہاں رحمانیت کے ماتحت جس فضل کا نام رحیمیت
ہے ۔ وہ عمل انسانی کو چاہتا ہے ۔ اس کا مورد
وہی ہوتا ہے جو رحمان کے عطیات کو صحیح طور پر
استعمال کرے ۔ یہ بدل عمل میں فضل نہ صرف
ہمیں حوصلہ دلاتا ہے ۔ کہ ہمارے عمل ضائع
نہ ہوں ۔ بلکہ یہ تازیانہ کا کام دیتا ہے ۔ کہ ایک
بےعمل کی اس رحیمیت مآب سرکار میں کوئی شنوائی
نہیں ۔ رحمان خدا نے ہماری ضروریات کے دفعیہ
میں ہر قسم کا مواد و مصالح مہیا کر رکھا ہے ۔ لیکن
وہ سب کا سب ہمیں تو ہی مفید ہو گا ۔ اور اس
مفید ہونے کا نام ہی نزول رحیمیت ہے جب ہم

اس مواد و مصالح پر قوتِ عمل کو کام میں لائینگے
یہ کائنات کی چیزیں جو ہمارے ارد گرد ہیں - سُورج
چاند - ستارے - ہَوا - پانی - زمین - اور نواور
ہمارے خوراک پیدا کرنے کے لئے اس قدر
ضروری ہیں - اور تو اور ہماری خوراک پیدا
کرنے سے لئے اس قدر ضروری ہیں لیکن یہ سب
کے سب خادم کام نہیں کرتے - جب تک ہم خود زمین
کو کھود کر تخم نہ ڈالیں - یہی مظاہر قدرت جو ہمارے
ہاتھ ہلانے سے پہلے ہمیں کسی طرح متمتع نہ ہونے
دیتے تھے - اب وہ سب کے سب خادمانہ رنگ میں
ہماری خدمت کرنے لگجاتے ہیں - اور اس دانہ
تخم کو ایک بارور فصل بنا دیتے ہیں - ہماری
فطرت کسی قدر اصلاح کی بھی محتاج ہے جب
تک مقررہ حدود میں کام کرنے پر مجبور نہ ہوں
ہم تجاوز حدود سے صد ہا قسم کا نقصان اُٹھا لیتے
ہیں - اسلئے مقررہ حدود وراہوں پر چلنے کیلئے
جس تازیانہ کی ضرورت ہے - اس کا تعلق خدا تعالےٰ
کی چوتھی صفت سے ہے - جو قرآن ان تین صفات
کے بعد ذکر کرتا ہے - یعنی مالک یوم الدین جزا و سزا

کے دن کا مالک ۔ لفظ مالک کو جزا و سزا کے ساتھ ذکر کر دینے میں نہایت لطافت کے ساتھ ان بیہودہ خیالات کا بھی دفعیہ کر دیا گیا ۔ جو ایک حد تک کفارہ وغیرہ نظریوں کا ذمہ وار ہے ۔ خدا تعالےٰ نے اپنے آپ کو عادل ظاہر نہیں کیا ۔ بلکہ عدل و انصاف کا مالک قرار دیا ہے ۔ وہ جج تو ہے لیکن مالک جج ۔ ایک حاکم یا ایک جج قانون کے ماتحت ہی کام کر کے عادل کہلا سکتا ہے ۔ اس کا ہر فعل قانون کی زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے ۔ لیکن خدا تعالیٰ مالک ہے کسی کے گناہ کے عوض میں جہاں ایک حاکم عادل قانون کی منشاء کو پورا کرتے ہوئے سزا دینے پر مجبور ہے ۔ ایک مالک حاکم قانون سزا کو ایک طرف رکھ کر رحم سے کام لے سکتا ہے ۔ جن لوگوں گنہگار انسان کو سزا سے بچانے کیلئے کفارہ وغیرہ کے مسائل تراشے ہیں ۔ ان کو اس سے غلطی لگی ہے کہ ایک عادل بغیر سزا دیئے نہیں رہ سکتا ۔ وہ اسے اپنے قوانین کا مالک سمجھے تو یہ سب باتیں ختم ہو جاتی ہیں ۔ لفظ مالک ایک اور لطیف بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے ۔ ہم میں اور ہمارے خداوند میں مالک اور

مملوک کا رشتہ ہے۔ مالک کی چیز اگر قابل اصلاح ہو جائے یا ناقص واقع ہو تو فعیہ نقص ہیں وہ ایسے انداز اختیار کرتا ہے۔ جس سے اسکی چیز میں کوئی اور نقص واقع نہ ہو۔ وہ مملوکہ چیز کو اسی وقت تادیب و تہذیب کے شکنجہ میں کھینچیگا۔ جب مملوک کی اصلاح اس امر کو چاہتی ہو کہ اسکی سزا دہی کسی انتقام کے خیال سے نہ ہوگی۔ بلکہ اصلاح کی خاطر اور سزا دہی بھی اس انداز سے ہوگی۔ کہ مملوک کو حقیقی کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس طرح مالک یوم الدین میں اگر سزا کی طرف اشارہ ہے تو محبت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ یعنے یہ سزا جو ہمیں ملتی ہے۔ یہ بھی خدا کے تقاضئے محبت سے ہے۔ اسکی محبت چاہتی ہے۔ کہ ہم نے عیب و بے نقص ہوں۔ لیکن دفعیہ نقص کسی سختی کو چاہتا ہے۔ اس لئے یہ سختی دراصل محبت کا ایک ناخوش آیند لباس ہے +

اب ان چار صفات رب۔ رحمان۔ رحیم۔ مالک یوم الدین پر غور کرو۔ ہر ایک صفت محبت رحم۔ فضل۔ پیار۔ شفقت۔ رحمت کی طرف

اشارہ کر رہی ہے۔ ہماری کونسی ضرورت ہے جسے
وہ پورا نہیں کرتی۔ ہماری کونسی وہ قوت ہے
جسے وہ منشم نہیں کرتی۔ اگر پیدا کیا پرورش
بھی کی۔ اگر پرورش بھی کی۔ تو تکمیل تک بھی
پہنچایا۔ افضال در افضال بلا عوض و بدل
دیئے۔ لیکن اگر کہیں ہم کچھ کام بھی کر بیٹھیں تو ایک
کام کے عوض ہزار عوض دیا۔ ہاں ہمیں صحیح سڑک
پر چلانے کیلئے اور اس میں بھی ہمارا ہی فائدہ
ہے۔ کبھی کبھی ہمیں سزا بھی دی۔ فرض کر لو کہ
ہمارے ہاتھ میں کوئی کتاب مقدس نہ ہوتی۔ نہ خدا
کا کامل الہام ہمارے خالق و مالک کا پتہ بتاتا
بلکہ ہمیں اپنے خالق و رب کا پتہ کائنات سے
دریافت کرنا پڑتا۔ تو پھر بیشک غور کر کے دیکھ لو
جس خدا کی ہستی اور اس کے کاموں کا پتہ یہ
صحیفہ قدرت اور اس کا ذرّہ ذرّہ دے رہا ہے۔
وہ خدا اپنی چار صفات کا خدا ہے جس کا ذکر قرآن
فرماتا ہے۔ آخر دنیا کے سب مذاہب نے کوئی
نہ کوئی نقشہ خدا کا پیش کیا تو کیوں نقشوں کو
صحیفہ قدرت کی معیار پر نہیں تولتے۔ میرے

سامنے اس وقت جو بیٹھے ہیں۔ وہ مختلف مذاہب کے پرستار ہیں۔ خود ان صفات کو ان کا مذہب تعلیم کرتا ہے معیار مذکورہ بالا پر پرکھیں۔ پھر اگر ان کے مذہب کی تعلیم اس معیار میں پوری اُترے تو انہیں ان کا مذہب مبارک۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ سمجھ لیں کہ وہ اس معاملہ میں صحیح راہ پر قدم نہیں مار رہے۔ یہ تو رب۔ رحمان۔ رحیم اور مالک یوم الدین ہی ہے۔ جس کی ہستی کا ذرّہ ذرّہ شہادت دیتا ہے۔ کل کا کل قرآن اِنہی چار صفات کی تفسیر ہے۔ یہ تمام شرائع اور قوانین جو قرآن بیان کرتا ہے۔ یہ بھی ان چار صفات کے منشاء کے پورا کرنے کے لئے تجویز ہوئے ان شرائع پر چل کر تمہاری زندگی اِن صفات اربعہ کے منشاء کے مطابق ہو جائیگی۔ نیکی کی زندگی اسلامی نکتۂ خیال سے زندگی کو اِن چار صفات کے مطابق کرنا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ

تخلقوا باخلاق اللہ

کر رہا ہے۔ اسی طرح بدی بذاتہٖ کوئی چیز نہیں۔ انہی چار صفات کے تقاضوں کے خلاف چلنا یا اپنی

حالت کو ان کے مطابق نہ رکھنا طرح طرح کے جرائم
و گناہوں کا باعث ہو جاتا ہے - اِس طرح کل کا کل
قرآن ختم ہو جاتا ہے - اس میں اگر بعض مقدس
لوگوں کا ذکر ہے - یا ان کے بالمقابل بعض فاسقوں
کا بیان ہے - تو وہ بھی انہی صفات کی تفسیر ہے
مقدس وہی لوگ قرآن میں گنے گئے ہیں - جو ان
چار صفات کے مناسب حال راہوں پر چلیں
اور فاسق وہی لوگ جو ان راہوں سے متجاوز
ہو گئے - اِس طرح لفظ اللہ کل تعلیم اسلام و
قرآن کا مرکز ہے - ہر ایک چیز اس کے گرد
گھوم رہی ہے - اِس طرح یہ کہنا ایک سچی بات ہے
کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا - اور اس کی
عملی تصدیق کی - اس نے کل مذہب کی
تکمیل کر لی - اور جنت میں داخل ہو گیا (من
قال لا الہ الا اللہ فدخل الجنۃ)
اللہ ہی معبود ہے - اور یہ لفظ بھی اسی حقیقت
کی اظہار کے لئے دنیا میں موضوع ہوا ہے -
کیونکہ دوسری زبانوں میں اس کا قائم مقام
جو بھی لفظ ہے وہ خدا کی ذات کے سوا اور دن

پر استعمال ہوا ہے اور ہو رہا ہے +

# انسان اور کائنات میں اور انسان انسان میں باہمی رشتہ

ہمارے مذہب کا خلاصہ یعنی لا الٰہ الا اللہ ہمیں اسلئے تلقین نہیں کیا گیا۔ کہ اس کے دوہرانے سے جلال خداوندی نے کسی نقص کی تکمیل ہوتی ہے۔ نہ اسلام کا خدا حاسد خدا واقع ہوا ہے جو کسی اور کو تخت خداوندی پر بیٹھا ہوا دیکھ نہیں سکتا۔ کُل کی کُل دنیا اگر مشرک ہو جائے تو اس کے جلال میں کیا کمی ہے۔ اور اگر سب کے سب اس کے پرستار بن جائیں تو اسکی جبروت عظمت میں کونسی افزائش ہوتی ہے۔ ہم اگر خدا کو ایک مانا تو اس سے تو انسان کا خود فائدہ ہے۔ انسان کی سیرت اور اخلاق کی تکمیل و تربیت صحیح طور پر اسی صورت میں ہوتی ہے جب وہ اپنا خالق مالک محبوب اُمید گاہ جائے خوف ایک خدا کو مانے۔ اس لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت

پر قائم ہونا ایک طرف اِن رشتوں کی حد بندی کر دیتا ہے ۔ جو انسان اور کائنات میں ہیں اور دوسری طرف ان تعلقات کو محدود و مقید کر دیتا ہے جو ایک اِنسان کے دوسرے اِنسان کے ساتھ ہونے چاہئیں ۔ اگر میرا خدا ایک خدا ہے ۔ اور خدا ہی جس کی شان کبریائی ہے تو پھر کُل کی کُل کائنات جسمیں انسان بھی شامل کر لیا جائے ۔ وہ یا میرے برابر یعنے مجھ میں اور اس میں مساوات ہے یا مجھ سے کم یعنے مجھ میں اور اس میں خادم مخدوم کا رشتہ صرف یہ خیال کہ خدا ایک ہے ۔ اس بات کے ماننے کیلئے تیار کر دیتا ہے ۔ کہ استعدادات کے لحاظ سے میں کسی اور انسان کو اپنے سے زیادہ سمجھوں اور اس پر ایمان رکھوں کہ جو ایک انسان کرتا ہے ۔ وہ دوسرا ابھی کر سکتا ہے ۔ اس حقیقت کے سمجھنے سے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے انسان کے مخفی جوہر ظاہر ہونے لگجاتے ہیں ۔ اور اسی کیطرف انسان کو متوجہ کرنے کے لئے خیر البشر (صلعم) کے مقدس ہونٹوں پر یہ پاک فقرہ جاری ہُوا ۔

انا بشر مثلکم یوحی الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد

ترجمہ - میں تم جیسا ایک بشر ہوں - ہاں اللہ نے تم سب میں سے مجھے ایک پیغام پہنچانے کیلئے چن لیا - اور وہ پیغام یہ ہے - کہ ہمارا خدا ایک خدا ہے +

بیش ازیں کہ میں مساوات انسانی پر مزید روشنی ڈالوں میں بہ رعایت اختصار انسان اور کائنات کے مابین رشتہ کے متعلق کہنا چاہتا ہوں جسے قرآن کریم نے ان چند لفظوں میں ظاہر کر دیا - وسخر لکم ما فی السمٰوات والارض جمیعاً ترجمہ :- جو کچھ بھی زمین و آسمان میں ہے ہمنے انہیں تمہارے لئے مسخر کر دیا - وہ تمہارے غلام و خادم ہیں تمہاری خدمت دینے کو مجبور ہیں " + جاؤ ان راہوں کی تلاش کرو - اور ان کو اپنا حقیقی خادم بنا لو - یہ آیت انسان کو خدا کا خلیفہ اور کائنات کا بادشاہ قرار دیتی ہے - نسل انسانی کا قائمقام یعنی جد اول حضرت آدم کا ذکر جو قرآن میں بطور مسجود ملائکہ آیا اسکی بھی حقیقت یہی تھی - یہ جگہ فرشتوں

کی حقیقت پر بحث کرنے کی نہیں۔ فی الجملہ میں اسی قدر کہ سکتا ہوں۔ کہ اسلامی الٰہیات میں ملائکہ ان بالارادہ وجودوں کا نام ہے جو قوائے فطریہ کے متعلق منشاء خداوندی ظہور میں لے آتے ہیں۔ جس قدر بھی کائنات میں چیزیں ہیں انہیں منشاء الٰہی نے کسی نہ کسی مقصد کے لئے بنایا ہے۔ اسی منشاء الٰہی کا نام صفاتِ اشیاء ہے۔ یہ صفات جن بالارادہ شخصیتوں کے ذریعہ ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ وہ قرآن میں ملائکہ کے نام سے پکارے گئے ہیں۔ انسان اول ابن آدم کو سجدہ کرکے یہ بتلا دیا۔ کہ کل کائنات کے بال و پرزے ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ ان کی مشینری کے چلانے والے ہم ہیں۔ ہر کائنات کی چیز میں ہم بمنزلۂ روح و جان کے ہیں۔ ہم آپ کو آج سجدہ کرتے ہیں اور اس سجدہ کے ذریعہ اطاعت اور انقیاد کا اقرار کرتے ہیں (فعلم آدم الاسماء کلہا) تم جس جس چیز کے متعلق علم تحقیق حاصل کرکے اسکے خواص کا علم حاصل کرلو۔ اور اس علم کے ذریعہ اس چیز کو استعمال کرنا چاہو۔ ہم ان خواص کو

کو تمہارے منشاء کے مطابق ظاہر کر دینگے۔ اور اس امر کا* اقرار ہم اس سجدہ کے ذریعہ کرتے ہیں۔ اسلام کے ظہور سے پہلے یہ مظہر مظاہر قدرت ہمارے خدا بنے ہوئے تھے۔ آفتاب۔ چاند۔ شجر۔ حجر۔ نجم کونسی چیز تھی۔ جس کو ہم نے خدا انہیں بنا رکھا تھا۔ یہ سارے کے سارے تختِ الوہیت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اسلام آیا اور اس نے یہ اسرارِ قدرت اِنسان پر ظاہر کرکے کہ یہ سب کی سب چیزیں تمہارے خدا نہیں بلکہ تمہارے خادم۔ اِن تمام خداؤں کو ہمارا غلام بنا دیا۔ وہ جو کل ہمارے معبود تھے آج ہمارے عابد ہو گئے۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ جب تک قدرت کے مختلف قویٰ اور اسکے مختلف مظہر ہمارے خدا رہے۔ نہ ہم ان سے خدمت لینے کا خیال کر سکتے تھے۔ اور ان راہوں کی تلاش کر سکتے تھے۔ جن سے وہ ہمارے خادم بنے معبود سے خدمت لینا یہ خود کفریات میں داخل ہے۔ تو پھر یہ حالات ہوں تو کس کے علوم اور کس کی تحقیق۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک اسلام نہ آیا دنیا میں علوم جدیدہ کی

تحقیق و دریافت کی بنا نہ پڑی۔ اسلام آیا اور اسنے معبودوں کو غلام ظاہر کرکے ہمیں ان راہوں کے دریافت کی طرف متوجہ کر دیا۔ کہ جن سے ہم ان کو اپنی خدمت میں لے آئیں۔ اسی دریافت کا نام سائنس ہے۔ اور سائنس کیا بلا ہے۔ اسلئے جہاں تک سائنس کا ظہور اسلام کا محتاج رہا۔ وہ امر بدیہہ ہے۔ چنانچہ اسلام نے ہی سائنس کی بنیاد ڈالی اسلام کے بعد ہی ظہور علوم ہوا۔ لہٰذا اگر ہم خدا کو ایک جانتے ہیں۔ اور اسکی وحدانیت پر پرزور دیتے ہیں۔ تو اس سے کوئی جلال خداوندی کو تعلق نہیں۔ اس سے کوئی ہم خدا کی عظمت نہیں بڑھاتے۔ بلکہ ہم اپنی عظمت کو آپ قائم کرتے ہیں۔ اس ہم کسی انسان کے متعلق مساوات کا خیال ہی کب کر سکتے ہیں۔ جب ہم اسے اپنا خدا بنائے ہوئے ہیں۔ اسمیں چند ایک کمالات ہوتے ہیں جو ہمیں حیران کرکے ہمارے ہاتھوں سے اسے لباس الوہیت پہنا دیتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اسے اپنے برابر سمجھیں۔ اور ایمان بالتوحید کی یہی نشانی ہے تو لازماً اسے کمالات انسانی قرار دیکر اپنے آپ میں

ان کی استعدادوں کا ہونا تسلیم کر لیتے ہیں - وہی استعدادیں صحیح راہوں کو اختیار کرنے سے ظہور میں آجاتی ہیں - ہم وہی ہو جاتے جو ہمارے خدا تھے - ہم نے ان کو خدا سمجھا - اور ہم ان کمالات سے محروم ہو گئے - اگر دنیا کے خدا جسم کی بناوٹ کے لحاظ سے ویسے ہی ہیں جیسے ہم ہیں - تو یہ مساواتِ جسم مساواتِ اخلاق و روحانیات کو چاہتی - اگر ہم اس مساوات پر ایمان رکھیں تو سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن اگر ہم انہیں خدا بنائے رکھیں تو سب کے سب شریف اخلاق تباہ ہو کر ہماری گردن میں طوق غلامی ڈال دیتے ہیں -
الغرض اسلام آیا اور اس نے دو باتیں بیان کیں کہ انسان انسان میں مساوات ہے - اور انسان اور دیگر کائنات میں مخدوم و خادم کا رشتہ ہے اسلام سے پہلے انسان ان دونوں حقوق کو گنوائے ہوئے تھا - نہ اسمیں دوسرے انسانوں کے کمالات پیدا کرنے کا خیال پیدا ہوتا تھا - نہ وہ اپنے غلاموں سے حقیقی خدمت لیتا تھا +

# تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب بی اے ایل ایل بی مسلم مشنری

براہین نیرہ ... ۱۲ر
اُمّ الالسنہ ... ۱۲ر
اسوۂ حسنہ ... ۸ر
مسجد ووکنگ کے ابتدائی خطبات ۲ر
توحید دعائے تصوف ۲ر
خطبات عیدین ۲ر
دہریوں اور ملحدین کو خطاب ۲ر
اسلام اور دیگر مذاہب ۲ر
حقوق نسوان ۲ر
مسلم مشنری کے ولائتی لیکچر حصہ اول ۱ر
" " حصہ دوم ۱ر
" " حصہ سوم ۱ر
لندن میں جلسۂ میلاد النبی صلعم ۲ر
لمعات انوار محمدیہ ... ۶ر
ذرات عالم کا مذہب ۸ر
مسیح کی الوہیت اور اسکی کامل انسانیت پر ایک نظر ۲ر

اسلام اور علوم جدیدہ ۴ر
اسلام میں کوئی فرقہ نہیں ۱۴ر
راز حیات یا انجیل عمل زیر طبع
ضرورت الہام ؍؍
توحید فی الاسلام ؍؍
مکالمات ملّیہ ؍؍
سبز اذکار یعنی روحانیات فی الاسلام ؍؍
سلک مروارید ؍؍
باطنیات اسلام ؍؍
مطالعۂ اسلام ؍؍
ہستی باری تعالیٰ ؍؍

## تصنیفات دیگر مصنفین

قرآن اور جنگ ۔ تفسیر سورۂ فاتحہ
سیرت نبوی (آنحضرت صلعم کی زندگی کا مختصر سا خاکہ ۔ بعثت اسلام
دنیا کے مشہور شہدائے ثلاثہ ۸ر

المشتہر خواجہ عبد الغنی مینیجر مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور

# مرواريد ثلاثہ

## براہین نیرہ حصہ اول

معروف بہ

زندہ و کامل الہام

مصنفہ حضرت خواجہ کمال الدین صاحب

اسمیں یہ دکھلایا گیا ہے کہ کل قرآن ایک خاتم اور ناطق الہامی کتاب ہے جسمیں تہذیب و تمدن کے کل قوانین موجود ہیں اس ضمن میں مصنف نے ایک حکیمانہ بحث میں موجودہ تہذیب پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ کل مذاہب دیگر کے عقائد اور اصولوں پر نہایت منطقی بحث کی ہے۔ قیمت ۱۲/

## اُم الالسنہ

معروف بہ

زندہ و کامل زبان

مصنفہ

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب

یہ کتاب بالکل جدید تصنیف ہے اور جدید مضمون پر لکھی گئی ہے اپنی نوع کی یہ پہلی کتاب اردو انگریزی لٹریچر میں لکھی گئی ہے۔ اس میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ عربی الہامی زبان ہے۔ اور کل دنیا کی زبانیں اس سے نکلی ہیں اور ابتدا میں سب ملکوں کے آبا و اجداد عربی الاصل تھے۔ یہ کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ قیمت ۱۲/

## اُسوۂ حسنہ

معروف بہ زندہ و کامل نبی

مصنفہ

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب

اسمیں آنحضرت صلعم کا کامل نمونہ بحیثیت انسان کامل پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مقبولیت عامہ حاصل کر چکی ہے اسکو پڑھ کر ماننے کے سوا چارہ نہیں رہتا کہ حضرت محمد صلعم خاتم النبیین ہیں۔ اور اگر کوئی نبی کامل نبی ہو سکتا ہے تو وہ آپ ہی کی ذات ہے۔ قیمت ۸/

المشتہر۔ خواجہ عبد الغنی منیجر مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور